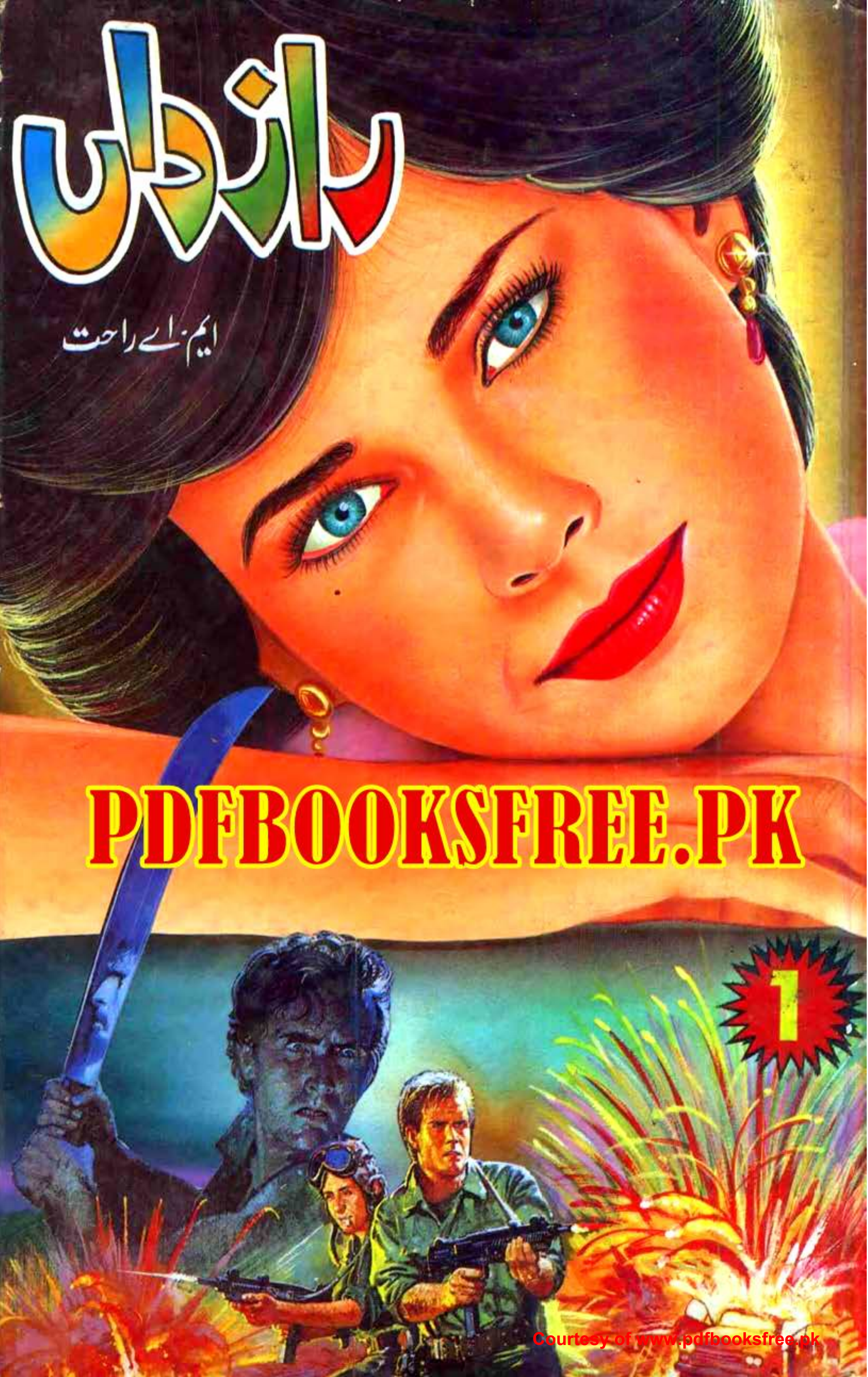

رازداں
ایم۔اے راحت
PDFBOOKSFREE.PK
1
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اِنتساب

والدہ مرحومہ کے نام۔ جنہوں نے کہا تھا۔

"یہ کتابیں ہی ایک دن تیرا مستقبل بنیں گی"

دیباچہ

دور جو گزر رہا ہے بڑا ہنگامہ خیز ہے۔ تیز رفتاری کا زمانہ ہے اور ہر طرف ایک نفسا نفسی کا عالم ہے۔ مسائل اور مصائب اتنے ہیں کہ صبح سے لیکر شام تک انسان تھکن سے نڈھال ہو جاتا ہے۔ اعصاب پراگندہ ہو جاتے ہیں اور مزاج میں چڑچڑا پن آ جاتا ہے۔ ایسے میں ایسی تفریح کی ضرورت ہوتی ہے جو تھکے ماندے اعصاب کو سہلا کر پرسکون کر دے۔ یہ کتاب آپ کو ایسی ہی تفریح مہیا کرنے کی غرض سے پیش کی جا رہی ہے۔

محترم ایم۔اے راحت کا نام پڑھنے والوں کے لئے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ موضوع کی انفرادیت اور کہانی پر مضبوط گرفت ان کا خاصہ ہے۔ تحریر میں روانی ایسی کہ قاری اس میں بہتا چلا جاتا ہے۔ ایکشن اور سسپنس سے بھرپور کہانیاں لکھنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اس کہانی کا خیال اچھوتا اور انوکھا ہے اور یہی اس کی خوبی ہے۔ آج کل کے دور میں خلوص ناپید ہو گیا ہے اور کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ عام لوگوں کی تو خیر بات ہی چھوڑیں، بڑے بڑے لوگوں کو بعض اوقات ایسے ایسے مسائل پیش آ جاتے ہیں جو وہ نہ تو کسی کو بتا سکتے ہیں اور نہ ہی خود انہیں حل کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ وہ اپنا راز کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے کہ بدنامی نہ ہو جائے۔ اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ذہین ترین اور اپنے فن میں ماہر لوگوں کا ایک گروپ منظر عام پر آتا ہے۔ اور معاوضے پر ان لوگوں کے مسائل مکمل رازداری سے حل کرنے کی پیش کش کرتا ہے۔ بس پھر ملک کے بڑے بڑے نام اس گروپ کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور پھر نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب واقعات سامنے آتے ہیں۔

کتاب میں آپ کو جیمز بانڈ کی فلموں جیسی جاسوسی اور ایکشن ملے گا اور آپ یوں محسوس کریں گے جیسے سینما سکرین کے سامنے بیٹھے کوئی متحرک فلم دیکھ رہے ہیں اور ہر لمحہ منظر بدل رہے ہیں۔ ایکشن اور ہنگامے نان اسٹاپ ہیں۔

یہ ان مہم جو افراد کی تہلکہ خیز داستان حیرت ہے جو ملک کے بڑے بڑوں کی ذاتی زندگی کے رازدار تھے۔

میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایک بار کتاب شروع کریں گے تو پھر ختم کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ یہ داستان ایک عرصہ تک آپ کو یاد رہے گی۔

عارف محمود

ضروری نہیں ہے کہ اپنی خود نوشت تحریر کرتے ہوئے سب سے پہلے شجرہ نسب بتایا جائے۔ اپنی عادات و خصائل بتائے جائیں، اپنے والدین سے متعارف کرایا جائے، یہ تو مرضی کی بات ہے۔ میں کہاں رہتا تھا۔ میرے والد کیا کرتے تھے، میری وجہ پیدائش کیا تھی؟ پرورش کس طرح ہوئی، یہ ساری باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان بذات خود کیا ہے؟ کون کون سی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ چنانچہ میں خود کو عام لوگوں سے منفرد سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ زمین کے بسنے والے ذہین بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ کارکردگی کے مالک بھی ہوتے ہیں بشرطیکہ خود کو پہچانیں۔ بعض اوقات خاندانی روایات اور پس منظر انسان کو اس کی اصل حیثیت سے دور لے جاتے ہیں۔ وہ خود کو نہیں جان پاتا اور اپنے آپ کو اپنے آباؤ اجداد کے طرز زندگی کی دلدل میں پھنسا کر کھو بیٹھتا ہے۔

میری ذات میں یہی انفرادیت ہے کہ میں نے خود کو پہچان لیا اور وہ سارے ریشمی تار توڑ ڈالے جو میری شخصیت کے گرد مکڑی کے جالے کی مانند پھیلے ہوئے تھے۔ اپنی زندگی سے متعلق لوگوں کا کسی مناسب وقت پر تذکرہ کروں گا لیکن یہ بھی میری اپنی مرضی پر منحصر ہے میں اتنا بتا دوں کہ ساری زندگی میں نے صرف اپنی برتری تسلیم کی ہے۔ میں نے خود کو دنیا کا ذہین ترین اور عظیم ترین انسان پایا ہے اور میری موجودہ زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ جو کچھ میں نے سوچا، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں،

غلط نہیں ہے۔ اس وقت میں اپنے وطن میں' اپنے شہر میں ایک بلند ترین مقام رکھتا ہوں۔ میری کروڑوں روپے کی جائیداد ہے' ملیں ہیں' کارخانے ہیں' بے شمار لوگ میری نظر کرم کے متمنی رہتے ہیں۔ ان حلقوں میں جہاں بڑے لوگوں کا نام لیا جاتا ہے' میں سرفہرست تصور کیا جاتا ہوں۔ میری زندگی میں کوئی خلش نہیں ہے۔ اتنا پرسکون ہوں کہ آپ تصور نہیں کرسکتے۔ مجھے بتایئے کیا آپ مجھ جیسے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ آپ مجھے دروغ گو سمجھیں گے۔ سوچیں گے کہ میں خود کو چھپا رہا ہوں۔ سوچتے رہیں۔ میرے سامنے آئیں گے تو اپنی سوچ پہ خود شرمندہ ہو جائیں گے اور پھر آپ سے مل کون رہا ہے۔ میری تحریروں کو پڑھ کر اگر آپ کے ذہن میں جھنجھلاہٹ ابھرے اور آپ میری ذات میں کوئی چور پکڑ کر یہ بات کرنے کی کوشش کریں کہ میں خود پرست اور اپنی کوتاہیوں سے نگاہیں چرانے والا ہوں' تو مجھ پر بھلا کیا اثر پڑے گا؟ آپ مجھ سے ملاقات کر کے یا خطوط کے ذریعے یہ ثابت کریں گے کہ آپ کو میری ذات میں وہ ساری باتیں نظر نہیں آئیں جن کا میں نے تذکرہ کیا ہے تو میں آپ سے صرف ایک سوال کروں گا۔ آپ بذات خود کیا ہیں؟ اور کیا اس قابل ہیں کہ میرا محاسبہ کرسکیں۔ ثابت کرسکے تو میرے سامنے آئیں گے اور میں آپ کو بدترین شکست سے دوچار کر کے واپس بھیج دوں گا!

ناراض ہونے کی ضرورت نہیں' صرف سوچ کا فرق ہے۔ آپ انسان کی ذات میں وہ ساری صفات دیکھنا چاہتے ہیں جو مذہب اور معاشرے نے متعین کر دی ہیں لیکن بڑھتی ہوئی اقدار اور وقت کی گردش نے اس زمین پر مکمل انسان ختم کر دیئے ہیں۔ ہماری کمزوریاں ہماری ذات سے وزنی ہوتی ہیں اور جو وزن ہم اٹھا ہی نہ سکیں' اسے شرمندگی کا ذریعہ کیوں بنائیں۔ یہی احساس میری زندگی کا جزو رہا ہے۔ جہاں تک میرے قدم مجھے لے جاسکے میں گیا اور جہاں تھک گیا اور جب بے بس پایا تو ساری سوچ بدل دی اور وہ راستہ اختیار کیا جو سادہ اور آسان ہو۔ یہاں میں نے انسان کی سرحد کا نشان لگا لیا۔

میں اپنے بعد اگر کسی انسان سے متاثر ہوا تو وہ ڈاکٹر برہان تھا۔ عقل و ذہانت میں یکتا' عمر کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ کر اس نے خود کو یا انسان کو پہچانا۔ اس سے قبل اس کی زندگی گوناگوں حماقتوں کا مجموعہ تھی۔ کیا کچھ نہیں کیا اس نے۔ وہ ایک

نہایت ذہین سائنس داں تھا۔ حکومت کے لئے اپنی صلاحیتیں وقف کر دی تھیں۔ پھر اسے اغوا کرلیا گیا' اذیتیں دی گئیں اور وہ دونوں ٹانگوں سے معذور ہوگیا۔ معذور ہونے کے بعد اسے اپنی ذات کے زیاں کا احساس ہوا کیوں کہ حکومت نے اس کی وہ امداد نہیں کی جس کا وہ مستحق تھا۔ اس ضمن میں مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ جہاں تک اس کی ذہانت اور سوچ کا تعلق ہے' اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس صدمے سے دوچار ہونے کے بعد اسے عقل آگئی اور اس نے خود کو سنبھال لیا۔

ہماری ٹیم پانچ افراد پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں کا تفصیلی تعارف ضروری ہے۔ ڈاکٹر برہان جس نے طے کیا تھا کہ زندگی کی وہی اقدار اپنائی جائیں جو معاشرے اور مذہب کی نگاہوں میں قابل نفرت بھی نہ ہوں۔ اور اپنے لئے بہترین زندگی کی معاون بھی ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک پروگرام ترتیب دیا اور پروگرام یوں تھا۔ پانچ افراد کی یہ ٹیم ایسے لوگوں کے لئے کام کرے گی جو اپنے معاملات خود نمٹانے کے اہل نہ ہوں' اور دوسروں کے سہارے اپنی مشکلات حل کریں۔ ہم ان کے سہارے تھے اور وہ ہمارے۔ ان کی مشکلات کا حل ہمارے پاس تھا اور ہماری مشکلات کا حل ان کی تجوریوں میں۔ ان تجوریوں کا ایک خانہ انہیں ہمارے لئے خالی کرنا ہوتا تھا۔ کام کی نوعیت جاننے کے بعد معاوضے کا تعین ہوتا اور اس کے حصول کے بعد ان کا کام ہو جاتا تھا۔

نمبر2 میں کسی بھی شخص کو کہہ سکتا ہوں مثلاً" فیضان جس کا پس منظر کچھ بھی ہو' پیش منظر یہ تھا کہ وہ ایک ماہر الیکٹریکل انجینئر تھا اور آسمان پر چمکنے والی بجلی سے لے کر پن چکیوں کے ذریعہ پیدا ہونے والی بجلی سے ایسے ایسے کام کرسکتا تھا جو قابل یقین ہوں۔ نمبر تین شارق عرف گینڈا' بلکہ گینڈا بنا ہاتھی بنا بھینسا وغیرہ وغیرہ۔ تھوڑی سی دروغ گوئی ہی سہی' لیکن میرا خیال ہے وہ سر سے ٹکریں مار مار کر وہائٹ ہاؤس یا ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ بھی گرا سکتا تھا۔ بے پناہ طاقتور' لیکن طاقت کے ساتھ اگر ذہانت نہ ہو تو آدمی شارق سے دوستی کرنے کی بجائے تین ہاتھی کیوں نہ پال لے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر پیٹ بھرا ہوا ہو تو انسان چہل قدمی کرتا ہوا مریخ تک پہنچ سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پیٹ پوری طرح بھرا ہوا ہو اور شارق کا پیٹ پوری طرح بھرنا بڑی

جان جوکھوں کا کام تھا۔ نمبر چار پر اپنا ماجد آتا ہے۔ یہ نوجوان بھی مجھے بہت پسند ہے۔ دبلے پتلے بدن میں بے پناہ پھرتی۔ مارشل آرٹس اور جمناسٹک کا ماہر' ہر امتحان میں پورا اترنے والا۔ پانچویں نمبر پر میں نے خود کو رکھا ہے اور نمبروں کی یہ ترتیب میری اپنی مرضی کی بات ہے۔ اس میں نہ تو انکساری ہے اور نہ صلاحیتوں کا تعین۔ کیوں کہ میں ان میں سے کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا۔

ویسے ہم پانچوں کا اجتماع ڈاکٹر برہان کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سب کے ذہنوں کی اپچ یکساں تھی۔ یعنی ماضی کی ناپسندیدہ زندگی نے انہیں زندگی کے نئے راستوں پر لا ڈالا تھا' سب ہی اپنے آپ میں کمی محسوس کر رہے تھے اور اس کمی کو دور کرنے کے خواہاں تھے۔ ڈاکٹر برہان کی تجویز سے سب متفق ہوگئے۔ ''میں بظاہر تم لوگوں میں ذرا کمزور شخصیت کا مالک ہوں۔ لیکن تم آنے والے وقت میں دیکھو گے کہ میں کسی طور تم سے نکما نہیں ہوں''۔

''اس ضمن کی آخری بات! میں نے اس گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''ہم پانچوں کی ترتیب یکجا ہو کر ایک بند مٹھی کی حیثیت اختیار کرتی ہے اس لئے کسی کی برتری یا کمتری کا تصور محض حماقت ہوگا''۔ کسی نے میری بات نہیں کاٹی تھی اور وہ سب اس پر متفق تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر برہان کی خوبصورت کوٹھی ہمارا ہیڈ کوارٹر بن گئی اور پھر نہایت ذہانت سے پبلسٹی کے ذرائع اختیار کئے گئے۔ ہم صرف ایسے لوگوں سے خود کو روشناس کراتے جنہیں اپنا ضرورت مند پاتے اور اپنے مؤکل کے ساتھ ہمارا رویہ اتنا نرم' اتنا مشفقانہ اور ہمدردانہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے کام سے مطمئن ہوتا اور جو خرچ کرتا اس سے بھی۔ اگر اس کے کسی دوست کو کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ اس سے ہمارا تذکرہ کرنے میں الجھن نہیں محسوس کرتا تھا۔

یہ تو تھی تمہید جو یقیناً" غیرمربوط اور منتشر ہے اور اسے ہونا بھی چاہئے کیونکہ آپ میری داستان سن رہے ہیں اور میں تسلسل کے جھگڑوں میں نہیں پڑتا۔ کہیں نہ کہیں تسلسل خود قائم ہو جائے گا۔ بات اس دور کی ہے جب ہمارا کام عمدگی سے چل پڑا تھا اور ہماری کمپنی بہتوں کے کام آچکی تھی۔

لوگوں کا اپنا اور میرا خود بھی یہی خیال ہے کہ میری ظاہری شخصیت بہت سحر انگیز ہے۔ جو نگاہ مجھ پر پڑ جائے وہ مجھ پر جم کر ضرور رہ جاتی ہے۔ میں بلند و بالا قد' بھرے

بھرے جسم اور پر کشش نقوش کا مالک ہوں۔ یہ اس دور کی بات ہے تو جوانی کا تصور آپ خود کریں میرے چہرے سے کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ میں کسی ایسے کام میں بھی ملوث ہوسکتا ہوں جو دوسروں کے لئے ناپسندیدہ ہو۔ چنانچہ جہاز کی ایئرہوسٹس جو میرے حصے میں سروس کر رہی تھی اور میرے اس دبلے پتلے آدمی کی ساتھی جو اس کی بیوی' محبوبہ یا کوئی اور عزیز ہوگی' بار بار مجھے دیکھ رہی تھی۔ ایئرہوسٹس تو جب بھی ادھر سے گزرتی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ضرور پھیل جاتی۔ اس کی مسکراہٹ اس کی ناک کو تھوڑا سا سکیٹر دیتی جو اس کی دلکشی کا ایک حسین جزو بن جاتی تھی۔ چوتھی بار اس کی یہ مسکراہٹ مجھے پسند آئی اور میرے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ پھیل گئی جو ایئرہوسٹس کے لئے ہمت افزا تھی۔ چنانچہ وہ میرے نزدیک رک گئی۔ ''کوئی ضرورت' جناب!'' اس نے پوچھا۔

''نہیں شکریہ! میں ان ضرورتوں کا اظہار نہیں کرتا جو پوری نہ ہوسکیں!''

''میں نہیں سمجھی جناب!'' ہوسٹس زبردستی گفتگو پر آمادہ تھی۔

''مسکراتے ہوئے آپ کے ناک کی یہ شکن' مجھے بہت پسند ہے کیا آپ مجھے یہ شکن قرض دے سکتی ہیں!'' میں نے کہا اور ہوسٹس میری بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی پھر دلاویز انداز میں مسکرا دی۔

''شکریہ! پسندیدگی کے اظہار کا یہ انداز منفرد ہے اور آپ کی جاذب نگاہ شخصیت سے ہم آہنگ!''

''گفتگو میں آپ بھی منفرد ہیں۔ آپ نے ایک ہی جملے میں دونوں قرض چکا دیئے''۔

''اثر پور میں میرا قیام'' جگنو کے روم نمبر 20 میں ہوگا۔ اگر آپ یہاں قیام کریں تو ایک شام کو چائے میرے ساتھ پیئیں! ہوسٹس نے دعوت دی۔

''کیا نام ہے آپ کا؟'' میں نے پوچھا۔

''نورین درانی!''

''میں آپ کو شہاب کے نام سے ملوں گا! اب ذرا مسکرایئے''۔ میں نے کہا اور ہوسٹس بے اختیار مسکرا دی۔ پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ کسی مسافر نے اشارہ کیا تھا۔ میں نے کرسی کی پشت سے گردن ٹکا دی۔ اس وقت میرے کان میں اپنے پارٹنر کی

جھنجھناہٹ سنائی دی۔

"کبھی ہم بھی اسی انداز میں گفتگو کرتے تھے اور لڑکیاں ہمیں بھی پتہ دے دیتی تھیں"۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ بوڑھا آدمی خوش لباس ضرور تھا۔

"آپ کے چوکھٹے میں ایسے آثار تو نظر نہیں آتے!"

"پچپن سال میں تعمیر ہونیوالی عمارتوں میں سے تو بعض کے اب نام و نشان بھی نہیں ہیں۔ میں تو پھر بھی اپنے قدموں سے چلتا ہوں"۔

"ان پچپن برسوں نے آپ کی یادداشت پر کوئی اثر نہیں ڈالا؟ میں نے سوال کیا۔

"اس کمبخت شراب میں یہی تو خانہ خرابی ہے۔ جسم کو بوڑھا ہونے سے نہیں روک پاتی اور دل کو جوان رکھتی ہے۔ کاش اس میں یادیں چھین لینے کی صلاحیت بھی ہوتی"۔ بڑے میاں تلخ باتوں کو محسوس کرنے کے عادی معلوم ہو رہے تھے لیکن شراب کا نام سن کر میری ساری بذلہ سنجی ہوا ہوگئی۔ شراب میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میں دنیا میں شراب کے سوا کسی شے سے نہیں ڈرتا۔ حالانکہ میری شخصیت، میری توانائی، بہت کچھ جذب کرلینے کی قوت رکھتی ہے لیکن ایک یہی چیز قابو میں نہیں آتی، کبھی نہیں آئی۔ شراب مجھے اتنی پسند ہے کہ سامنے آجائے تو سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ خود ہی اس کے سامنے جانے کی کوشش نہیں کرتا۔ تھوڑی سی پی لینے کے بعد عجیب کیفیت ہو جاتی ہے یعنی میرے ذہن کا ایک حصہ اس کی تباہ کاری سے بھرپور جنگ کرتا ہے اور ہوش و حواس کی دیوار سے پشت لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں اپنی احمقانہ حرکات کو محسوس کرتا ہوں۔ ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جو کچھ کرچکا ہوتا ہوں اس پر شرمندگی کا احساس بھی ہوتا ہے لیکن ذہن کا وہ حصہ جو شراب سے متاثر ہو جاتا ہے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ پورے جسم پر اس کی حکمرانی ہوتی ہے اور عمل وہی ہوتا ہے جو اس متاثر شدہ حصے کی ہدایت کے مطابق ہو۔ اس کے علاوہ میں دنیا کی کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس وقت جب میرے بوڑھے زندہ دل ساتھی نے اس کا تذکرہ کیا تو میں ایک دم سہم گیا۔

بڑے میاں کو نہ جانے کس طرح یہ احساس ہوگیا کہ میں چت ہوگیا ہوں۔ میں نے ان سے کافی تلخ گفتگو کی تھی اس لئے وہ تلملا رہے ہوں گے۔ چنانچہ مسکراتے

ہوئے بولے۔ "شراب کی جوانی سے تمہیں انکار ہے؟"

"نہیں!" میں نے آہستہ سے کہا! یہ آثار قدیمہ میں بھی مست ہواؤں کے جھونکے بن کر داخل ہوتی ہے"۔

"صاحب ذوق ہو۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہے"۔

بڑے میاں نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ننھی سی شیشی نکال لی۔ بہت چھوٹی، بہت خوبصورت شیشی تھی۔ انہوں نے اس کی ڈاٹ کھولی اور میرے قریب کر دی۔ "پہچان سکو گے؟"

"تیز بو میرے نتھنوں میں چڑھ گئی۔ اور کیا بتاؤں کہ کیا مسحور کن خوشبو تھی۔ میں نے خوفزدہ انداز میں سر پیچھے کر دیا۔ "زار روس کے ایک خاص آدمی نے اپنے لئے کشید کرائی تھی۔ زوال کے بعد انہی لوگوں نے اس کی میراث پر قبضہ کیا۔ ایک صاحب ذوق نے اس شراب کا ذخیرہ سمیٹ لیا اور اس طرح سینے سے لگا کر رکھا کہ کیا کسی خزانے کو رکھا جائے گا۔ یہ اس نایاب ذخیرے کا ایک بیش قیمت ذرہ ہے جسے میں نے ان شیشیوں میں منتقل کرلیا ہے چکھو اور طے کر لو کہ بنوطے کا حاتم طائی اپنی فیاضی میں میرے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا!"

"اس نے شیشی میرے ہاتھ میں دے دی۔ شیشی کی طرف ہاتھ بڑھانے میں میری اپنی سوچ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ بس ایک مشینی عمل ہوا تھا کیونکہ میں اسے سونگھ چکا تھا۔ میں نے بوڑھے سے جو کچھ کہا تھا وہ یقینی طور پر شیشی میرے ہاتھ میں دے کر اس کا انتقام لے چکا تھا۔ حالاں کہ اس بیچارے نے اپنی دانست میں ایک دوستانہ قدم اٹھایا تھا۔ اگر وہ درست کہہ رہا تھا تو زار روس کے زمانے کی شے کتنی قیمتی اور کتنی نایاب ہوگی۔ گو اس شیشی میں اس کی جو مقدار تھی، وہ نہ ہونے کے برابر تھی لیکن نہ جانے اس کے کیا اثرات ہوں؟

"پی جاؤ، پی جاؤ.......... اور پھر دیکھو اس کے کرشمے، ہاں لیکن شرط ہے کہ تم باقاعدہ پینے کے عادی ہو۔ پی لیتے ہو؟" اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا لیکن میرے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ شراب کا سحر مجھ پر طاری ہوچکا تھا اور اپنی فطرت کی اس کمزوری پر میں نے ہمیشہ لعنت بھیجی تھی۔ یقین کریں اس سے زیادہ بے بس میں کسی اور چیز کے سامنے نہیں ہوا تھا۔ میرا ہاتھ اسے ہونٹوں تک لے گیا اور میرے ہونٹ

خودبخود کھل گئے اور شیشی کی کڑواہٹ نے میرے حلق سے لے کر اندر تک ایک لکیر بنا دی۔ ایک جلتی ہوئی لکیر! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ جو کچھ ہوا تھا اس میں میرے سوچنے سمجھنے کی قوت کو دخل نہ تھا۔ بس ذہن کا وہ حصہ کام کر رہا تھا جو شراب کا رسیا تھا اور بدن پر اس کی حکمرانی تھی۔ خالی شیشی میں نے بوڑھے کی طرف بڑھا دی۔ بوڑھا مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"کیا محسوس ہوا؟" اس نے پوچھا۔ لیکن میرے ذہن کا دوسرا حصہ تو اس سے نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ ظاہر ہے میں اس کا شکریہ تو ادا نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے میرے ساتھ ایک بہت برا سلوک کیا تھا۔ گویا دوسری بات ہے کہ اسے بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے ساتھ تلخ کلامی بلکہ بدکلامی کرنیوالا شخص کس طرح ایک چھوٹے سے حادثے کا شکار ہوگیا ہے۔ میری طرف سے جواب نہ پاکر اس نے شانے اچکائے اور شیشی میرے ہاتھ سے لے کر جیب میں ڈال لی۔

"میں نے اپنی دانست میں تمہیں عظیم تحفہ دیا ہے' اس کے باوجود اگر تم میری دوستی قبول نہ کرو تو مجھے افسوس ہوگا۔ لیکن بہر صورت دنیا میں ایسے بھی بے شمار انسان ہیں جو کسی کا عمل قبول کرلیتے ہیں' اس کی شخصیت نہیں"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے محترم!" میں نے اخلاقاً" کچھ کہنا ضروری سمجھا۔

"دراصل میں اس شراب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ زار روس کے دور کی یادگار شراب بلاشبہ آپ کے پاس ایک قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مقدار کتنی ہے آپ کے پاس!"

"ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!" بوڑھے نے اس انداز میں گردن ہلائی جیسے کہ وہ میرا مقصد سمجھ گیا ہو۔ "میں تم سے ہرگز دوستی نہیں کروں گا۔ نہ تمہیں اپنا نام بتاؤں گا اور نہ تم سے تمہارا نام پوچھوں گا بس یہ تو چند لمحات کی دوستی تھی۔ میں نے اپنی حسین ترین شے تمہارے سامنے پیش کر دی۔ وہ بھی تمہاری شخصیت سے متاثر ہو کر' ہاں دیکھو' وہ پھر آ رہی ہے"۔ اس نے مجھے ہوسٹس کی جانب متوجہ کیا۔ ہوسٹس مسکراتی ہوئی میرے قریب سے گزری اور آگے بڑھ گئی۔ ظاہر ہے وہ ڈیوٹی پر تھی اور مجھ سے کسی خاص التفات کا اظہار نہیں کر سکتی تھی' جو کچھ اس نے کہا تھا وہ اسی کی پسند کا مظہر تھا لیکن اس کے بعد دوسرے مسافروں کی ذمہ داری بھی اس پر عائد ہوتی

تھی۔ چنانچہ وہ جہاز کے دوسرے سرے تک چلی گئی۔ میں نے لاپرواہی سے اسے دیکھا تھا' پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ میرا مطمع نظر نہیں ہے!"

"ہاں! جوانی میں ہم بھی یہی کہا کرتے تھے۔ اچھے اچھوں کو ٹال دیا تھا ہم نے بھی' لیکن یہ بڑھاپا۔ افسوس یہ بڑھاپا!" بوڑھا غمگین ہوگیا اور مجھے اس پر ہنسی آنے لگی۔ بے تحاشہ ہنسی آنے لگی۔ یہ شترمرغ آج بھی جوانی کی یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ تب میں نے تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھا اور کہا۔

"جوانی میں تم نے کیا کیا تھا محترم!"

"فوجی ہوں۔ ایک طویل عرصے تک فوج میں رہ چکا ہوں۔ دوسری جنگ عظیم میں میں نے بیش بہا کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن دیکھو چالاکی کا ثبوت مت دو۔ میں تمہیں وہ سب کچھ نہیں بتاؤں گا جس سے تم میرے شناسا بن جاؤ"۔ بوڑھا ہنستے ہوئے بولا اور نہ جانے کیوں مجھے شدید غصہ آگیا۔

"کیا سمجھتے ہو خود کو' تمہارا خیال ہے کہ تم کوئی اہم شخصیت ہو۔ مجھے دیکھو مجھ سے اہم شخصیت کبھی دنیا میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ آئندہ پیدا ہونے کا امکان ہے۔ بات کرتے ہو تم دوسری جنگ عظیم کی' تو میں خود بھی دوسری جنگ عظیم میں ایک نمایاں کردار ادا کرچکا ہوں سمجھے"۔ اور پھر میرا ذہن بھٹکنے لگا۔ دفعتاً" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے چاروں طرف گولیاں چل رہی ہوں۔ مشین گنوں کی آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں اور چاروں طرف دھماکے ہو رہے تھے۔ میں نے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھا۔ "کیا سمجھتے ہو تم"

"دوسری جنگ عظیم میں تم نے مجھ سے بہتر کوئی کارنامہ انجام دیا ہے؟"

"کک.......... کیا مطلب' کیا تم دوسری جنگ عظیم میں لڑ چکے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"لڑچکا ہوں' بکواس کر رہے ہو ڈفر کہیں کے۔ میری جنگ تو ابھی جاری ہے۔ ہٹلر نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں گے لیکن میں تو ابھی لڑ رہا ہوں۔ سنا تم نے میں ابھی لڑ رہا ہوں' مجھے ابھی دشمن کے علاقے پر حملہ کرنا ہے"۔ میں اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ذہن کے ہوش مند حصے نے مجھے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن بدن' یہ کمبخت بدن کہاں ساتھ دیتا ہے۔ بوڑھا چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"ہیلو' ہیلو!" میں نے بلند آواز سے لوگوں کو مخاطب کیا اور لوگ چونک کر میری جانب متوجہ ہوگئے۔ "میرا خیال ہے دوستو! ہم دشمن کے علاقے تک پہنچ چکے ہیں اور اب .... اب ہمیں اس عظیم قربانی کے لئے تیار ہو جانا چاہئے جو مادر وطن کے لئے دی جانیوالی ہے خدا حافظ میرے دوستو' خدا حافظ!" میں جہاز کے دروازے کی جانب بڑھا اور بہت سے لوگ متحیرانہ انداز میں مجھے دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کون سا مذاق ہے؟

میرے دل میں حب الوطنی کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور میں دروازہ کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ میری اس خطرناک کوشش کو محسوس کر لیا گیا اور نزدیک بیٹھے ہوئے کئی آدمیوں نے اچھل کر مجھے دبوچ لیا۔ وہ مجھے دروازے سے دور گھسیٹ لائے تھے۔

"سازش! یقینی سازش!! ہمارے درمیان اتحادی جاسوس موجود ہیں۔ جاسوسوں سے جنگ کرو جو ہمیں ایک اہم مشن سے روکنا چاہتے ہیں"۔ میں نے ان کی گرفت میں چیختے ہوئے کہا۔ غنیمت تھا کہ ذہن کے باقی گوشے میں ان لوگوں کے خلاف خود جنگ کرنے کا جذبہ نہیں ابھرا تھا ورنہ پھر ان لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مجھے دبوچ کر ایک سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ ذہن میں مختلف کیفیات کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کبھی شرمندگی کا احساس ہوتا تھا اور کبھی دل چاہتا کہ جہاز میں موجود اتحادیوں کو مشین گن سے اڑا دوں۔ جس سیٹ پر مجھے بٹھایا گیا تھا وہ کسی دوسرے مسافر کی تھی۔ سب لوگ میری اس حرکت سے پریشان ہوگئے تھے اور پھر جہاز کے عملے کے لوگ تحقیقات کرنے لگے کہ میری یہ حالت کس طرح ہوئی؟"

"ایک شیشی' دیکھو یہ چھوٹی سی شیشی .... لیکن زار روس کے زمانے کی ہے........." پشیمان بوڑھے نے اپنی جیب سے خالی شیشی نکال کر دکھائی اور لوگ اسے لعنت ملامت کرنے لگے۔ میرے لئے نشہ توڑنے والی ادویات کا بندوبست کیا گیا اور میں نے خود کو دشمن کا قیدی سمجھ کر بے بسی سے ان کے احکامات پر عمل کیا۔ تقریباً" پون گھنٹے کے بعد میری حالت درست ہو سکی تھی۔ تب میں نے اس مظلوم بوڑھے کی حمایت کی جس کی چار شیشیاں چھین لی گئی تھیں اور اس نے کافی واویلا کیا تھا۔ وہ ہوسٹس بھی اب مجھ سے دور دور تھی۔ تو جناب یہ شراب ہمیشہ میرے بس سے

باہر رہی۔

ایئر پورٹ پر اتر کر بوڑھے نے مجھے گھونسہ دکھایا اور بولا۔ "تم نے جہاز میں میری جو بے عزتی کروائی ہے' کاش میں تم سے اس کا انتقام لے سکتا!" میں نے ہنس کر بات ختم کر دی تھی اور بوڑھا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ بکواس ہے تم اخلاق کا مظاہرہ کر کے میرے دل کی کدورت دور نہیں کرسکتے۔ میں نے پانچ نوادرات کا نقصان اٹھالیا ہے۔ اب تمہارے جیسے بدذوق لوگ اسے استعمال کریں گے۔ آہ' مجھے شراب کے چلے جانے کا غم نہیں ہے۔ میں تو اس کی بے حرمتی پر غمزدہ ہوں!" بوڑھا آگے بڑھ گیا۔

میں اثرپور کسٹم ہاؤس میں داخل ہوا۔ مختصر سامان تھا جس میں ایک سوٹ کیس اور ایک بریف کیس شامل تھا۔ قابل اعتراض بریف کیس تھا لیکن اسے کھولنے والے خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ اس کی کیا اہمیت ہے۔ تاہم اس سے قبل ہی دو خوش پوش آدمی اس عمارت میں میرے نزدیک پہنچ گئے۔ انہوں نے دو سفید سے کارڈ نکال کر میرے سامنے کر دیئے اور میں نے گردن ہلائی۔ ویسا ہی ایک سفید کارڈ میرے پاس موجود تھا جس کے بارے میں ڈاکٹر برہان نے مجھے تفصیل بتائی تھی۔

"آپ کا سامان جناب؟" ان میں سے ایک نے پوچھا اور میں نے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ میرا سامان ابھی کسٹم افسران کے سامنے نہیں پہنچا تھا کہ ان دونوں نے آگے بڑھ کر میرا سوٹ کیس اور بریف کیس اٹھا لیا۔ اور مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر کی جانب چل پڑے۔ کسٹم افسران نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے میں اسٹیٹ گیسٹ تھا۔ ائرپورٹ کے باہر ایک لمبی سیاہ پیکارڈ کھڑی تھی جس کے باوردی ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا۔ میں اندر بیٹھ گیا۔ میرے دائیں سمت میں ایک بیٹھا اور دوسرا ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا اور پیکارڈ چل پڑی۔ میں جہاز کے حادثے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اثرپور کی خوبصورت عمارتیں دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ یہ جدید ترین شہر تھا۔ خوبصورت عمارتوں اور ہریالی کا شہر! کار جن سڑکوں پر مڑی تھی میں نے ان کے کنارے درختوں کی یکساں قطاریں دیکھی تھیں۔ یہاں کے لوگوں کو سبزے کا بہت شوق معلوم ہوتا تھا۔ پھر ہم شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑ گئے جس کے دونوں سمت باغات لہلہا رہے تھے۔

اس شہر کا نام اثرپور کی بجائے سرسبزپور کیوں نہیں رکھا گیا۔" میں نے اپنے

نزدیک بیٹھے شخص سے پوچھا اور وہ مسکرا دیا۔

"آپ کو پسند آیا جناب!" اس نے ادب سے پوچھا۔

"ایسے سرسبز علاقے اس جگہ کے رہنے والوں کی حسن فطرت سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"جی ہاں! اٹرپور کے لوگ مطمئن اور خوشحال ہیں!" اس نے کہا اور میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

جس عمارت کو محل کا نام دیا جاتا تھا' وہ فرانسیسی طرز کی تھی اور دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک حصہ مقامی طرز تعمیر کا نمونہ تھا اور دوسرا فرانسیسی طرز سے مشابہہ تھا۔ باہر بہت وسیع لان تھا اور عمارت کے چاروں طرف' درختوں کے جھنڈ لہلہا رہے تھے۔ مخصوص طرز کے سفید پتھروں کی روش سے گزر کر کارپورچ میں پہنچ گئی۔ یہاں چار آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے دروازہ کھولا اور ہم نیچے اتر آئے۔

کھڑے ہوئے لوگ مہمان خانے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مجھے گیسٹ ونگ کی طرف لے گئے۔ عظیم الشان گیسٹ ونگ کے ایک خوبصورت کمرے میں مجھے ٹھہرایا گیا۔ ریاست کے دوسرے مہمان بھی تھے جو دوسرے کمروں میں مقیم تھے۔ میرا کمرہ اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ دو ملازموں نے میرا سامان نکال کر الماریوں میں سجا دیا اور اپنی خدمات پیش کر دیں۔

کسی کے گھر مہمان جا کر گیسٹ روم میں ٹھہرنا مجھ جیسے آدمی کے لئے توہین کی حیثیت رکھتا تھا لیکن ہم پانچوں کی متفقہ رائے تھی کہ اپنے کاروبار سے مخلص رہیں اور کاروباری امور میں اپنی ذاتی حیثیت کو مدنگاہ نہ رکھیں اور یہ کہ جو کام شروع کریں اس میں زیادہ سے زیادہ معاوضہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ ہم میں سے کوئی شخص کسی بھی کاروباری کام کے دوران کوئی دوسری کوشش بھی کر سکتا تھا جس کے ذریعے اسے رقم حاصل ہو جائے لیکن شرط یہ تھی کہ کام جاری رہے اور اس پر برا اثر نہ پڑے۔ اس سلسلہ میں پوری دیانت داری کے ساتھ اس رقم کا پچیس فیصد اپنے ادارے کو دینا ہوتی تھی اور یہ رقم بھی ہماری فلاح پر خرچ کی جاتی تھی۔ غرض یہ کہ اس ملک میں ہم نے ایسا عجیب و غریب کاروبار پھیلایا ہوا تھا جو مغربی ملکوں میں تو چل سکتا ہے لیکن ہمارے ملک میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

چنانچہ میں نے اطمینان سے گیسٹ روم کے اس کمرے میں رہائش اختیار کر لی۔ میری ملاقات ان لوگوں کے علاوہ کسی سے نہیں ہوئی تھی جو گیسٹ ہاؤس کے نگران تھے۔ رانی صاحبہ کے بارے میں میں نے اپنے ذہن میں بہت سی باتیں سوچی تھیں۔ ان کی شخصیت' ان کی عمر وغیرہ کے بارے میں' لیکن میرے دل میں اتنا اشتیاق بھی نہیں تھا کہ ان سے ملاقات کے لئے بے چین ہو جاتا۔ جب انہوں نے اپنے کام سے بلایا ہے تو ملاقات بھی کر لیں گی اور ادارے کے اصول کے مطابق میرے پاس اڑتالیس گھنٹے تھے جس کے اندر کام کی نوعیت سن کر عمل کا فیصلہ کر لیا جاتا یا اسے مسترد کر دیا جاتا۔ اس سے قبل میں کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شام کا کھانا میں نے گیسٹ ہاؤس کے دوسرے مہمانوں کے ساتھ کھایا۔ جن لوگوں سے میرا تعارف کرایا گیا لیکن صرف رانی صاحبہ کے مہمان شہاب تیموری کے نام سے۔ اس سے زیادہ کسی کے بارے میں کوئی تفصیل کسی کو نہیں بتائی گئی تھی۔ ان مہمانوں میں جو شخص مجھے پسند آیا وہ فاضل تھا۔ تفصیلی تعارف پر معلوم ہوا کہ وہ ایڈووکیٹ ہے اور ریاست کے قانونی امور کی نگرانی کرتا ہے۔ چنانچہ رات کو دیر تک میں فاضل کے ساتھ بیٹھا رہا اور پھر ہم آرام کے لئے اٹھ گئے۔ دوسری صبح ناشتہ بھی ہم نے یکجا کیا۔ لیکن وہ بوڑھی عورت میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی جو سب سے الگ تھلگ رہنے کی عادی تھی۔ رات کے کھانے پر بھی وہ موجود تھی اور اس وقت بھی' لیکن جب اس کا مادام کے نام سے تعارف کرایا گیا تب بھی اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا اور اس انداز میں سب کی طرف دیکھا جیسے وہ مخاطب کو احمق اور تعارف کی رسم کو بکواس سمجھتی ہو۔ اس وقت اس کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر میں بات کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہ خاتون کیا زندگی کے آخری ایام یہاں گزارنے آئی ہیں؟" میں نے جھک کر فاضل سے کہا اور فاضل مسکرا دیا۔

"خاتون صوفیہ کنواری ہیں اور ماہر طبقات الارض بھی ہیں۔ رانی صاحبہ نے کسی خاص مہم کے لئے انہیں طلب کیا ہے۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں جواب دیا۔

"ماہر طبقات الارض اور کنواری' تو گویا یہ خوبیاں ہیں ان میں لیکن مجھے تو یہ ماہر قبرستان معلوم ہوتی ہیں۔ اس عمر میں یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے۔"

"بہرحال ان سے گفتگو کے دوران میں یہ باتیں میرے علم میں آئی ہیں"۔ فاضل نے جواب دیا اور میں دیر تک مسکراتا رہا۔ ریاست کے اصول کچھ بھی ہوں میں تو اپنی فطرت میں آزاد تھا۔ فرصت کے لمحات مجھے زندگی کے سب سے کٹھن لمحات محسوس ہوتے تھے۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو میں نے خاتون صوفیہ کے کمرے کا رخ کیا اور ان کے دروازے پر دستک دی۔ چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ محترمہ ایک خوبصورت گاؤن بدن پر ڈالے ہوئے تھیں۔ مجھے دیکھ کر ناک پرچشمہ درست کیا اور دروازے پر کھڑے بولیں۔ "جی فرمایئے! کیا تکلیف ہے؟"

"پیٹ کے درد کا شکار ہوں اور اندر آنا چاہتا ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔

"جی!" ان کا چشمہ دوبارہ ناک سے پھسل پڑا جسے انہوں نے بڑی پھرتی سے درست کیا اور ہونٹ بھینچ کر بولیں"۔ مذاق فرمانے آئے ہیں.........!"

" ظاہر ہے آپ سے عشق فرمانے نہیں آسکتا! براہ کرم مجھے اندر آنے دیں"۔ میں نے کسی قدر درشت لہجے میں کہا اور صوفیہ خانم جلدی سے ایک طرف سرک گئی۔ معزز عورت تھی اور یقیناً" دوسرے اس کا احترام کرتے رہے ہوں گے۔ چنانچہ یہ انداز اس کے لئے اجنبی تھا۔ وہ متحیرانہ انداز میں پلٹی۔ "لیکن آپ کے پیٹ کے درد کا میرے کمرے سے کیا تعلق ہے"۔

"میں نے سنا کہ آپ غیرشادی شدہ ہیں!" میں نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں......... میں آپ کو بدتمیزی کا حق نہیں دے سکتی۔ میں ہر ہائی نس سے شکایت کروں گی آپ کی۔ میں ان کی مہمان ہوں۔ مجھے ان کی غرض کے لئے یہاں آنا پڑا ہے۔ ورنہ .... ورنہ........."

"میں آپ سے معافی مانگ لوں گا۔ لیکن براہ کرم مجھے یہ بتادیں کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی۔ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جائیگا میرے پیٹ کا درد ٹھیک نہیں ہوگا"۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

"میں بہت نرم دل ہوں' نرم طبیعت ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری ذات سے کسی کو نقصان پہنچے لیکن آپ جارجیت کر رہے ہیں۔ آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ کیا کسی کے کمرے میں اس طرح گھس آنا' اسے پریشان کرنا شرافت ہے؟"

"لیکن پیٹ کا درد ...." میں نے بدستور کراہتے ہوئے کہا۔

"میں کہتی ہوں آپ میرے کمرے سے نکل جایئے"۔

"اللہ کے واسطے بتا دیں' آپ کنواری کیوں ہیں؟" میں گھگھیایا۔

"گیٹ آؤٹ!" مس صوفیہ حلق پھاڑ کر چیخیں اور میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹھیک ہے' آپ مجھے نکال دیں لیکن کان کھول کر سن لیں۔ میں آپ کو کنواری نہیں رہنے دوں گا۔ میری زندگی میں یہ ناممکن ہے کہ آپ اس دنیا کی رنگینیوں سے دور رہ کر دنیا چھوڑ دیں۔ میں آپ کو محرومیوں کی موت نہیں مرنے دوں گا"۔

"میں واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ پھر میں جو کچھ کہہ کے آیا تھا' اس سے بہت مطمئن تھا۔ میری ذہنی تربیت ہی ایسی ہے اور شاید میرے اندر کے انسان کی برتری کی بنیاد بھی یہی ہے جہاں سے ذہنی شگفتگی اور سکون حاصل ہو وہاں اقدار کیا معنی رکھتے ہیں۔ شام کو مجھے نورین درانی یاد آئی۔ ہوٹل جگنو "روم نمبر 20 میں نے اپنی یاد داشت کے خانے سے یہ تفصیلات نکال لیں اور پھر میں نے اپنے خادموں سے جو رانی اثرپور کی طرف سے مجھے مہیا کئے گئے تھے' پوچھا کہ کیا مجھے شہر دیکھنے کی مراعات مل سکتی ہیں۔

"ضرور جناب! بگھی بھی فراہم ہوسکتی ہے اور کار بھی۔ آپ کیا پسند کریں گے؟"

"اس سرسبز علاقے کی سیر بگھی میں ہو تو لطف دوبالا ہو جائیگا۔

"میں کوچوان کو ہدایت کئے دیتا ہوں۔ بگھی تیار ہو جائے گی تو آپ کو اطلاع دوں گا لیکن شام کی چائے.........؟"

"اپنے ایک دوست کے ساتھ شہر میں پیوں گا؟ میں نے جواب دیا۔

اثرپور کو واقعی سرسبز شہر کہنا مناسب ہو گا۔ جہاں تک نگاہ جاتی سبزہ زار پھیلے نظر آتے۔ میں نے کوچوان سے شہر کے بارے میں کافی معلومات حاصل کیں۔ تنومند گھوڑوں نے ہمیں بہت جلد شہر پہنچا دیا۔ تب میں نے کوچوان سے ہوٹل ثریا پہنچنے کے لئے کہا۔

چھوٹا سا لیکن خوبصورت ہوٹل تھا۔ روم نمبر 20 میں نورین کی موجودگی کے بارے میں دریافت کیا تو کاؤنٹر کلرک نے غور سے مجھے دیکھا۔ "آپ مسٹر شہاب

ہیں؟"

"ہاں!" میں نے اسے گھورتے ہوئے گردن ہلائی۔

مس نورین دُرانی کو اچانک ایک فلائٹ لے کر جانا پڑ گیا ہے۔ انہوں نے آپ کے لئے پیغام دیا ہے کہ اگر آپ بیس تاریخ تک یہاں ہوں تو ان سے ضرور ملاقات کریں۔ بیس تاریخ کی شام کو پانچ بجے!"

"اس دن تک تو شاید مجھے ان کا نام بھی یاد نہ رہے" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ اس کے نہ ملنے سے طبیعت کسی قدر تکدر کا شکار ہوگئی تھی۔ اس کے بعد میں دیر تک اثر پور اور اس کے نواح کا جائزہ لیتا رہا۔ اس دوران ذہن میں کچھ نئے منصوبے ترتیب پاتے رہے تھے میں نے ڈرائیور کو واپس محل چلنے کے لئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد مہمان خانے پہنچ گیا۔ وہاں موجود ملازموں نے اطلاع دی کہ رات کا کھانا رانی صاحبہ کے ساتھ کھایا جائیگا۔ مس صوفیہ بھی نظر آئیں لیکن روٹھی روٹھی سی۔ نجانے کیوں اس کی صورت دیکھ کر میری سنجیدگی رخصت ہونے لگتی تھی۔

رات کو تمام مہمان اندرونی محل کی طرف چل پڑے۔ میں بھی ایک خوبصورت ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔ ایسی ضیافتوں کے آداب مجھ سے زیادہ کس کو آ سکتے تھے۔ اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے میں نے بڑی ریہرسل کی تھی اور جانتا تھا کہ خود کو دوسروں کی نگاہوں میں نمایاں کرنے کے لئے کون کون سے گر استعمال کرنے چاہیں۔

چنانچہ جب میں اس ہال میں داخل ہوا جہاں رانی صاحبہ مہمانوں کے استقبال کے لئے موجود تھیں تو میری طرف دیکھنے والی آنکھیں پرشوق تھیں۔ خود رانی صاحبہ نے مجھے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ میں نے ان کی نگاہوں میں پسندیدگی کے جذبات پائے تھے۔ خود بھی جاذب نگاہ شخصیت کی مالک تھیں۔ عمر اٹھائیس اور تیس کے درمیان ہوگی لیکن جسمانی موزونیت اور رکھ رکھاؤ قابل دید تھا۔ انہوں نے نہ تو لباس سے اور میک اپ کے ذریعہ اپنی عمر کم کرنیکی کوشش کی تھی' نہ چہرے کے تاثرات اور نہ اداؤں سے الھڑپن ظاہر ہو رہا تھا۔ بلاشبہ وہ رانی لگ رہی تھیں۔ ایک پروقار مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے گردن خم کی۔ اور نزدیک کھڑی ہوئی اپنی سیکریٹری سے پوچھا۔ "آپ کی تعریف؟"

"شہاب تیموری معرفت ڈاکٹر برہان!"

"اگر میں نے دھوکہ نہیں کھایا تو پہلے بھی آپ کو ایک جگہ دیکھ چکا ہوں"۔ میں نے کہا "دارالحکومت میں حاجی الیاس رشیدی کی ایک محفل میں"۔

"آپ یقیناً" دھوکہ کھا گئے ہیں کیوں کہ میں کسی الیاس رشیدی سے واقف نہیں ہوں۔ بہرحال آپ کی آمد کا شکریہ' تشریف رکھئے۔ رانی صاحبہ پراخلاق مسکراہٹ سے بولیں اور میں مہمانوں کی نشست کی جانب بڑھ گیا۔ ویسے میرے ذہن کا بند خانہ اچانک ہی کھلا تھا اور جو بات اس طرح یاد آئے وہ کسی غلط فہمی پر مبنی نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر کے بعد آخری مہمان کا استقبال کر کے رانی صاحبہ بھی کھانے کی میز پر آگئیں۔ انہوں نے مہمانوں سے ان کی خیریت پوچھی اور پھر کھانے کا دور شروع ہوگیا۔

ہم جانتے ہیں کہ آپ حضرات میری خواہش پر یہاں تشریف لائے ہیں' لیکن ہماری مصروفیت کے باعث آپ کو مجھ سے ملاقات کے لئے انتظار کی زحمت برداشت کرنا پڑی۔ لیکن کل ہم آپ سے گفتگو کریں گے تاکہ وہ رسمی کام ہو جائے جس کے لئے آپ کو زحمت کرنا پڑی ہے۔ اس کے بعد آپ حضرات دلجمعی سے جب تک پسند فرمائیں' یہاں قیام فرمائیں۔ مہمان خانہ آباد دیکھ کر ہمیں دلی مسرت ہوتی ہے۔"
کھانے کے بعد رانی صاحبہ نے مختصراً" کہا اور پھر مزید کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے اجازت طلب کرلی۔

مہمان خانے میں واپس آتے ہوئے میرے دوست فاضل نے کہا۔ "اگر نیند نہ آ رہی ہو تو آؤ کچھ دیر میرے ساتھ گفتگو کرو"۔ اور میں اس کے کمرے میں چلا گیا۔ فاضل نے اپنے سامان سے شراب کی ایک بوتل اور گلاس نکال لیا۔ "میری دانست میں یہ رانی صاحبہ کنجوس ہیں جب سے یہاں آیا ہوں' ایک بار بھی پینے کے لئے نہیں ملی۔ تم بھی شوق کرتے ہو یا نہیں.........؟"

"نہیں بھائی' ہرگز نہیں!" شراب دیکھ کر ہی میرے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

"یار یہ غلط ہے میں تو بڑی امید کے ساتھ تمہیں یہاں لایا تھا۔ اور تو کوئی اس قابل نہیں کہ اسے شریک کیا جائے"۔

"میرا خیال ہے مس صوفیہ کو دعوت دو۔ سنا ہے بڑے شوق سے پیتی ہیں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور فاضل نے برا سا منہ بنالیا۔

"نہیں یار۔ کوئی عورت ہے وہ۔ میرا خیال ہے کہ وہ صرف ماہر طبقات الارض

ہے اور کچھ نہیں ہے اسی لئے اب تک کنواری ہے"۔

"کچھ بھی ہے یار! اس ویران خانے میں کوئی مس تو ہے۔ تم سوچو اگر وہ بھی نہ ہو تو کیا یہاں اور کوئی دلکشی تھی"۔

"مس!" فاضل ہنس پڑا۔ "بڑے پر مذاق آدمی معلوم ہوتے ہو شہاب صاحب! کوئی 80 سال کی بڑھیا! اگر غیر شادی شدہ ہو تو کیا اسے مس کہتے ہوئے شرم نہیں آئے گی؟"

"کچھ بھی ہو لیکن اگر اس سے پوچھا جائیگا تو وہ یہی کہے گی مس صوفیہ!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ فاضل نے شراب کی بوتل کھول لی تھی۔ پھر وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"مگر یار!" تم نے واقعی بڑا مایوس کیا۔ تنہا پینے میں تو کبھی مزہ نہیں آتا۔ دیکھو اگر کبھی پی ہے تو آج میرا ساتھ دے دو"۔

"فاضل پلیز! مجھے اس طرف متوجہ نہ کرو۔ ورنہ تم سب مصیبت میں پھنس جاؤ گے!" میں نے کہا۔

"کیوں .... کیوں؟"

"بس میں شراب کے چند پیگ پی کر ذہن پر قابو نہیں رکھ پاتا"۔

"ارے بس پینا اور سو جانا!" فاضل نے مجبور کرتے ہوئے کہا اور شراب کی بوتل کھول لی۔ گلاسوں میں ناچتی لال پری دیکھ کر نیت تو میری بھی خراب ہوگئی تھی اور میں کشمکش کا شکار ہوگیا تھا۔ پھر وہ منحوس شئے مجھے اپنے قریب کھینچ لائی۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ میرے سامنے آئی ہو اور میں اسے نظر انداز کرسکا ہوں۔ بس کمزوری ہی تھی۔ تب میں فاضل کے نزدیک پہنچ گیا۔ ہم نے اپنے اپنے گلاس اٹھائے اور چھوٹی چھوٹی چسکیاں لینی شروع کر دیں۔ میں نے فاضل سے درخواست کی تھی کہ وہ مجھے دو تین پیگ سے زیادہ نہ دے اور اس کے بعد مجھے میرے کمرے میں پہنچا دے۔ فاضل نے وعدہ کرلیا تھا۔ وہ بہرصورت ایک مضبوط پینے والا معلوم ہوتا تھا چنانچہ تین پیگ کے بعد وہ رک گیا۔ میں تین پیگ پینے کے بعد ہی عجیب عجیب باتیں سوچنے لگا تھا۔ رانی آف اثرپور یقینی طور پر وہی عورت تھی جسے میں نے ایک بار شہر میں دیکھا تھا۔ لیکن اس بات سے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ آخر کیوں؟

فاضل میری شکل دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مجھ سے کچھ گفتگو کی اور شاید میرے

الفاظ میں کچھ لکنت محسوس کر کے اس نے پینا بند کر دیا اور بولا۔ "اب اگر تم چاہو تو میں تمہیں تمہارے کمرے تک پہنچا دوں"۔

"ہاں بھائی یہی مناسب ہے۔ ورنہ کیا فائدہ کہ میں اپنے آپ کو طبلچی محسوس کروں اور تمہارے سر کو طبلہ!" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور فاضل بھی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے مجھے بازو سے پکڑا اور بولا۔ "تو پھر آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے تک پہنچا دوں"۔

"ٹھہرو! پہلے یں اپنا جائزہ لے لوں۔ کیا میں واقعی اس قدر بہک گیا ہوں کہ اپنے کمرے تک نہیں جاسکتا!" میں نے کہا اور اٹھ کر اپنے پاؤں ہلانے لگا۔ پھر میں نے فاضل سے کہا۔ "بس اب مجھے جانے دو اور تم آرام سے پیو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس سلسلے میں تمہارا ساتھ نہ دے سکا۔ میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں گا"۔ میں نے کہا اور فاضل نے شکریہ کے ساتھ گردن ہلا دی۔

باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ مہمان خانے میں موجود دوسرے لوگ سوچکے تھے۔ تمام کمروں میں تقریباً تاریکی پھیل چکی تھی۔ میں اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ رانی اثرپور نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ کیا میں اتنا ہی عام انسان ہوں کہ مجھے بھی دوسرے مہمانوں کی طرح برتا جائے۔ یہ توہین ہے سراسر توہین۔ پھر.........؟ زیادہ بہتر یہ ہے کہ مجھے یہ مہمان خانہ چھوڑ دینا چاہیے۔ لیکن ڈاکٹر برہان!......... ہونہہ.......... برہان کی ایسی تیسی کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو.......... لنگڑا کہیں کا.......... میں نے فضا میں گھونسہ چلایا۔ اور پھر میری نگاہ ایک دروازے کی جانب اٹھ گئی جس میں اندر روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ واہ .... مس صوفیہ .... میں نے سوچا اور بڑے ست انداز میں مس کے دروازے پر دستک دینے لگا۔

"کون ہے آجاؤ!" بوڑھی کی آواز سنائی دی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ بڑی بی ایک آرام کرسی پر دراز ٹیبل لیمپ جلائے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر عجیب سے انداز میں کتاب نیچے رکھ دی۔ وہ متحیرانہ انداز میں منہ کھولے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے بڑے ادب سے گردن خم کی اور وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "آپ پھر اس طرح' اس وقت میرے کمرے میں آئے!"

"ایک بہت بڑی مجبوری مجھے یہاں کھینچ لائی ہے خاتون!" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"فرمایئے!"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی!!"

"دیکھئے آپ اپنی' اور میری عمر کا تجزیہ کریں اور پھر میں کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتی۔ آپ کو آپ کی اس بدتمیزی کی سزا دینے پر آؤں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے آپ کو .... اس لئے آپ عمر کے فرق سے میرا احترام کریں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے"۔

"محبت عمر کا فرق نہیں دیکھتی مس! جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے' مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں آپ کو چاہنے لگا ہوں۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں میں آپ سے محبت کرتا ہوں مس صوفیہ! اللہ میرا دل نہ توڑیئے"۔

"گیٹ آؤٹ! میں کہتی ہوں نکل جاؤ۔ تم اپنی شاندار شخصیت کے باوجود ایک چھچھورے انسان معلوم ہوتے ہو۔ نکل جاؤ"۔

"آپ مجھ سے شادی کا وعدہ کریں' میں چلا جاؤنگا۔ ورنہ اسی جگہ آپ کے دروازے پر خودکشی کرلوں گا اور پھر یہ شاعر' ادیب' اور اخبار نویس میری محبت کے افسانے لکھیں گے۔ مجھے ایک سچا عاشق قرار دیا جائیگا۔ شیریں فرہاد' لیلیٰ مجنوں' ہیر رانجھا وغیرہ کے ساتھ ساتھ صوفیہ شہاب کے قصے بھی زبان زد عام ہوں گے مس! میری محبت قبول کرلیں!"

"گیٹ آؤٹ! صوفیہ حلق پھاڑ کر چیخی اور اس نے گلدان اٹھا لیا۔

"مار ڈالئے.......... مار ڈالئے.......... میں تو خود ہی مرنا چاہتا ہوں"۔

میں زمین پر بیٹھ گیا اور وہ بے چاری پریشانی سے ہانپنے لگی۔ پھر گلدان رکھ کر میرے قریب آگئی"۔ تو تم مجھے چاہتے ہو!" اس نے کہا۔

"دل و جان سے!" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کھڑے ہوجاؤ!" وہ بولی اور میں جلدی سے کھڑا ہوگیا"۔ مجھے پیار کرو۔ مجھے چومو!" یہ الفاظ کہہ کر اس نے شائد مجھے آزمائش میں ڈالا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس مذاق کا بھرم یہاں آکر ٹوٹ جائے گا لیکن بدبخت کو معلوم نہیں تھا کہ میرے ذہن پر

اس وقت شراب حاوی ہے۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اور اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ اپنی ذہانت کا شکار ہوگئی تھی اور میری اس حرکت نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ وہ بے تحاشہ مجھے پیٹنے لگی۔ رات کا وقت تھا۔ مہمان خانہ کے ملازمین بھی مہمانوں سے آخری ضرورت پوچھنے کے بعد آرام کرنے چلے گئے تھے ورنہ اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ بمشکل اس نے مجھے اپنے کمرے کے دروازے سے نکالا۔ لیکن میرے ذہن پر اس کے عشق کا بھوت سوار تھا۔ نہ جانے کب تک میں اس کے دروازے پر کھڑا آنسو بہاتا رہا اور پھر مایوس اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ میرے ذہن میں صوفیہ شہاب کے عشق کی داستانیں گونج رہی تھیں اور پھر اس طرح آنسو بہاتے بہاتے میں سوگیا۔

دوسری صبح جاگا تو رات کے واقعات ذہن میں موجود تھے۔ ایک دم ہی مجھے احساس ہوا کہ شراب رات کو اپنا گل کھلا چکی ہے۔ دوسرے لمحے اٹھ کر غسلخانہ کی طرف بھاگا۔ بری طرح مسل مسل کر ہونٹ دھوئے۔ وہ کریہہ بوسہ یاد آ رہا تھا۔ فاضل کی ایسی تیسی۔ کمبخت سے منع کیا تھا اور صوفیہ اس بیچاری کے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ صوفیہ سے رات کی حرکت کی معافی مانگ لوں گا لیکن ناشتے کے کمرے میں سب موجود تھے' وہ نظر نہیں آئی۔

"مس کہاں ہیں؟" میں نے فاضل سے پوچھا۔

"سنا ہے صبح ہی صبح چلی گئیں!"

"سامان سمیت!"

"ہاں! ملازموں نے بتایا کہ ان کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی!"

"اوہ!" میں نے افسوس سے گردن ہلائی۔

"کیوں کوئی خاص بات!" فاضل نے پوچھا۔

"نہیں بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ رونق تھی بے چاری کے دم سے! میں نے کہا اس ویران خانے میں کم از کم ایک مس تو تھی"۔ میں نے فاضل کو ٹال دیا اور سر جھکا کر کھانا کھانے میں مشغول ہوگیا..........

دن کو تقریباً" دس بجے رانی آف اٹرپور کا بلاوا آگیا۔ انہوں نے مجھے طلب کیا تھا۔ میں تیار ہو کر اس ملازم کے ساتھ چل پڑا جو مجھے لینے آیا تھا۔ محل کے اندرونی

مخصوص حصے میں رانی صاحبہ ایک شاندار کمرے میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے اندر داخل ہو کر سلام کیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔ چہرے پر تمکنت اور وقار کا وہی عالم تھا جو میں نے پچھلی رات دیکھا تھا۔ بلاشبہ اس عورت کو حسین ترین عورت کہا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے چہرے سے ذہانت کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ ایک پرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی اور میں بیٹھ گیا۔

"پروگرام تو میرا یہ تھا کہ میں آج مہمان خانے میں موجود تمام مہمانوں سے ملاقات کروں۔ لیکن میں نے ان سے معذرت کرلی ہے اور صرف آپ کو تکلیف دی ہے"۔

"شکریہ!" میں نے مختصراً کہا۔ رانی صاحبہ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ "آپ نے فرمایا تھا کہ آپ نے اس سے پہلے بھی مجھے دیکھا ہے۔ کیا آپ کو اپنی یادداشت پر اتنا ہی بھروسہ ہے؟"

"جی ہاں مجھے یقین ہے، لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ مجھے یہ جملے اس وقت نہیں کہنے چاہئے تھے!" میں نے جواب دیا اور رانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں! میں بھی اس برجستہ جھوٹ پر آپ سے معافی چاہتی ہوں!"

"جی! میں نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"آپ کا خیال درست تھا۔ حاجی الیاس رشیدی سے میری گہرے تعلقات ہیں۔ لیکن میں انتہائی خفیہ طور پر وہاں گئی تھی اور مجھے حیرت ہے کہ آپ نے مجھے اس بدلے ہوئے انداز میں دیکھ کر بھی رات کو اس طرح پہچان لیا۔ حالانکہ میں جس انداز میں وہاں گئی تھی وہ ایسا تھا کہ کوئی قریب سے قریب کا شخص بھی مجھے نہ پہچان سکے۔ میں نے اس وقت آپ کی بات سے صرف اسی لئے انحراف کیا تھا کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ دوسروں کو یہ بات معلوم ہو!"

"اوہ! مجھ سے واقعی غلطی ہوگئی جس کے لئے میں شرمندہ ہوں.........!"

"نہیں، نہیں جانے دیں......... ویسے آپ کی شخصیت میرے لئے بھی حیران کن ہے۔ آپ یقین کریں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کہ ڈاکٹر برہان کے ادارے میں آپ جیسا کوئی شخص بھی موجود ہوگا۔ ڈاکٹر برہان سے میری ملاقات حاجی الیاس

رشیدی کی تقریب میں ہی ہوئی تھی اور کسی نے مجھے بتایا تھا کہ ڈاکٹر برہان کا اصل پیشہ کیا ہے؟

"میرا خیال ہے ہم لوگوں کے بارے میں لوگوں کو عام معلومات تو نہیں ہیں"۔ میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہم لوگوں کے بارے میں لوگوں کو عام معلومات تو نہیں ہیں"۔ میں نے کہا۔

"ہاں جس شخص نے مجھے یہ بات بتائی تھی، آپ اس کے لئے بھی کام کرچکے ہیں"۔ رانی اثرپور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر یہ بات ہے تو درست ہے۔ بہرصورت میں حاضر ہوں اور خاص طور سے شکرگزار بھی ہوں کہ آپ نے دوسروں پر مجھے ترجیح دی"۔

"دراصل بنیادی غلطی ہوگئی تھی۔ عام طور سے مہمانوں کو لاکر مہمان خانے میں ٹھہرایا جاتا ہے اور جب کسی ملازم کو ایئرپورٹ یا ریلوے اسٹیشن بھیجا جاتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ آنے والا کوئی ایسا شخص ہے جسے مہمان کی حیثیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ میرے ملازموں نے لاکر آپ کو مہمان خانے میں پہنچادیا۔ حالاں کہ وہ جگہ آپ کے لئے نہیں تھی۔ آپ کے لئے تو میں نے ایک مخصوص جگہ کا تعین کیا تھا جہاں آپ کا قیام ہوگا!"

"جی!" میں نے کہا، اور ان کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ویسے آپ نے ہماری ایک معزز مہمان کو ناراض کردیا"۔ اس نے کہا اور میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا"۔ میں نہیں سمجھا، میں نے کہا اور رانی نے ایک سفید کاغذ نکال کر میرے سامنے کردیا۔ میں نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لیا۔ پرچہ تھا جو بیچاری مس صوفیہ کی طرف سے تھا۔ لکھا تھا:

رانی صاحبہ!

انتہائی بددل ہو کر جارہی ہوں۔ آپ کے مہمان خانے میں لوگوں کے معیار کا کوئی تعین نہیں۔ ہر طرح کے لوگ یہاں آسکتے ہیں۔ یہاں موجود ایک شخص شہاب میرے لئے دردِ سر بن گیا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ ایک کھلنڈرا نوجوان ہے اور صرف وقت گزاری کے لئے مجھے تختہ مشق بنا رہا ہے لیکن کیا یہ میری توہین نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے اظہار عشق کرکے میرے جذبات مجروح کئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے، میں اب یہاں

نہیں رہ سکتی! خدا حافظ۔

"صوفیہ"۔

"جی!" میں نے پرچہ بند کر کے سنجیدہ نگاہوں سے رانی صاحبہ کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں جانتی آپ مس صوفیہ سے اظہار عشق میں کس قدر مخلص تھے۔ بہرحال وہ آپ کو ٹھکرا کر چلی گئی ہیں!" رانی آف اثر پور نے کہا۔

"جی ہاں' کچھ ذاتی سی بات ہے"۔ میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر برہان نے کوئی تعارفی خط دیا ہے آپ کو؟"

"جی' یہ موجود ہے"۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان کا لفافہ نکال کر رانی صاحبہ کو دے دیا۔ رانی صاحبہ نے اسے دیکھا اور پھر اس کی چند سطور بلند آواز میں پڑھیں۔ "جس شخص کو میں آپ کے پاس روانہ کر رہا ہوں وہ ہمارے ادارے کا سب سے ذہین شخص اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ یوں سمجھیں کہ آپ اسے مسائل کے حل کا پٹارہ کہہ سکتی ہیں۔ وہ ادارے کی جانب سے کسی بھی نوعیت کے معاملات طے کرنیکا مجاز ہے اور میں اس یقین کے ساتھ روانہ کر رہا ہوں کہ اس کے بعد آپکو کسی اور کی ضرورت نہیں پڑے گی"۔ رانی صاحبہ نے خط بند کر دیا اور میری طرف دیکھنے لگیں"۔ اس کے بعد مجھے کوئی سوال کرنیکا حق نہیں پہنچتا لیکن ذاتی طور میں آپ سے بے تکلفی سے گفتگو کر سکتی ہوں آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے؟"

"ضرور!"

"آپ کے ادارے کے بارے میں مجھے جس شخص نے بتایا تھا اس نے کہا تھا کہ کوئی کام آپ کے سپرد کر دینے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی الجھنوں سے نجات پا چکے۔ کیا یہ درست ہے؟"

"ہاں' اگر ہم سے بھرپور تعاون کیا جائے اور دوسرا شخص جو ہم سے کام لینا چاہتا ہے اپنی شخصیت کے ممتاز پہلو نظرانداز کر دیئے"۔

"خوب! تمہارا گفتگو کرنیکا انداز بے حد ٹھوس ہے جیسے تم ساری دنیا میں کسی سے مرعوب نہ ہوئے ہو۔ میں آپ سے تم پر اتر آئی ہوں محسوس نہ کرنا۔ ایسے لوگ میرے کمزوری ہیں جو کھردرے الفاظ اور دوسرے کی حیثیت کو نظرانداز کر کے گفتگو کریں"۔

میں خاموش رہا اور رانی بھی تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی"۔ ہاں تو میں

تمہارے ادارے کے اصول و ضوابط کے بارے میں کچھ ضروری باتیں جاننا چاہتی ہوں۔ تم میری مدد کرو گے!"

"ضرور! آپ سوالات کریں"۔

"ادارے کا بنیادی مقصد؟"

"دولت کا حصول' بہتر زندگی کی خواہش!"

"کتنے افراد پر مشتمل ہے؟"

"صرف پانچ افراد' اور شاید اس میں توسیع نہ ہو کیوں کہ اس کے ممبروں کے لئے جو معیار مقرر ہے وہ کہیں اور سے پورا ہونا مشکل ہے۔ یوں سمجھیں کہ پانچ ایسے افراد اتفاق سے یکجا ہو گئے ہیں جو ایک انداز فکر اور ایک جیسی کارکردگی کے مالک ہیں"۔

"لیکن بعض معاملات میں زیادہ لوگوں کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے"۔

"ایسے کام نکالنے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں"۔

"میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی اور کوئی خاص اصول' میرا مطلب یہ ہے کہ کچھ ایسے معاملات جن میں قانون آڑے آتا ہو"۔

"ہم میں سے کوئی بھی شخص جاہل نہیں ہے۔ قانون' مذہب اور سماج کی قدروں کو سامنے رکھ کر تشکیل پاتا ہے۔ لیکن بعض صورت میں قانون میں سقم نظر آتے ہیں۔ ہم یہاں قانون کو مسترد نہیں کرتے لیکن اس کے مزاج کو مدنگاہ رکھتے ہوئے وہ سقم نکال دیتے ہیں اور ہمارا کام چل جاتا ہے"۔

"خوب! گویا اگر کبھی آپ کو عدالت کا منہ دیکھنا پڑے تو آپ گریز نہ کریں گے"۔

"ہاں ہم ٹھوس دلائل کے ساتھ عدالت میں پیش ہوں گے!" میں نے جواب دیا۔

"میں یہی اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ تم لوگ کتنے پانی میں ہو۔ بہرصورت میرا مسئلہ تو سوفیصد ذاتی ہے۔ ہاں ذرا ایک بات اور بتاؤ جس شخص سے تم معاملات طے کرتے ہو' کیا تم پورے طور پر اس کے ہمدرد اور وفادار ہوتے ہو؟"

"ظاہر ہے یہ ہمارے لئے بہت ضروری ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"میرا مقصد ہے کہ اگر اس کے بعد کچھ لوگ تمہیں خریدنا چاہیں تو............!"

"ہم نہیں بکتے!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت اچھے اصول ہیں اور میرا خیال ہے میں با آسانی تم سے کام کی بات کر سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ تمہاری شخصیت بلامبالغہ اتنی متاثر کن ہے کہ تم جیسی شخصیت کے لوگوں سے کسی گھٹیا پن کی امید نہیں کی جاسکتی۔ مجھے معاف کرنا میں پہلے ہی اس بات پر معذرت کرچکی ہوں کہ تم سے بے تکلفی سے گفتگو کروں گی۔ دراصل مجھے خود ایسے کسی ہمدرد' ایسے کسی ساتھی کی ضرورت ہے جس سے میں انتہائی بے تکلفی سے اپنے دل کا حال بیان کر سکوں۔ ایک اتنی بڑی ذمہ داری کا اٹھانا اتنا مشکل کام ہے کہ انسان پس کر رہ جاتا ہے۔ تم لوگ مجھے رانی آف اٹر پور کے نام سے مخاطب کرتے ہو لیکن بعض اوقات میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے کوئی میرے اپنے نام سے مخاطب کرے اور مجھ سے یہ ساری ذمہ داریاں لے لے۔ بڑی عجیب زندگی ہوتی ہے ہم لوگوں کی بھی۔ دنیا کی نگاہوں میں ہم کچھ ہوتے ہیں اور اپنے جذبات اور اپنی کیفیات میں کچھ اور ....!"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا رانی صاحبہ! ذمہ داریاں اگر زیادہ ہوں تو انسان اپنی ذات میں پس جاتا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"براہ کرم مجھے ایک بات اور بتا دو"۔

"جی فرمایئے.........."

"اگر کسی طور پر میرا تم سے اختلاف ہو جائے اور تم پسند نہ کرو' اس بات کو جو میں تم سے چاہتی ہوں تو کیا ایسی صورت میں تم لوگ میرے لئے نقصان دہ ہو سکتے ہو..........؟"

"رانی صاحبہ! کوئی بھی سلسلہ شروع کرنے سے پہلے ہمیں تقریباً تمام معاملات پر بات چیت طے کرلینا ہوگی اس کے بعد کسی اختلاف کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ باقی اگر آپ یہ طے کرنا چاہتی ہیں کہ ہم آپ سے معاملات نہ طے کر کے آپ کے دشمنوں کو تقویت دینے کی کوشش کریں گے تو میرا خیال ہے آپ یہ بات ذہن سے نکال دیں۔ آج تک ایسا موقع نہیں آیا کہ ہم نے اپنے کسی کرم فرما کو نقصان پہنچایا ہو.......... اور اگر کوئی ایسی بات ہوگی تو آپ بھروسہ کریں' آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا"۔

"ٹھیک ہے بہت بہت شکریہ!! اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم اس کام کا معاوضہ کیا لوگے"۔ رانی نے پوچھا۔

کام کی نوعیت کے بغیر تو اس کا تعین مشکل ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"تم ایسا کرو کہ کام کی نوعیت کو بھول جاؤ۔ میری شخصیت' اور میری حیثیت کو مدنگاہ رکھو اور بتاؤ کہ سخت سے سخت کام جو انتہائی مشکل ہو' اس کے لئے تم کس معاوضہ کا تعین کرتے ہو"۔

"دس لاکھ!" میں نے جواب دیا اور رانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آدمی بڑی عجیب شے ہے۔ اگر تم مجھ سے دس بیس ہزار' پچاس ہزار' یا لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی بات کرتے تو یقین کرو' میں سوچتی کہ تم لوگ وہ نہیں ہو جس کا میں نے تصور کیا تھا لیکن معاوضہ تم نے اتنا مانگا ہے کہ جی خوش ہوگیا۔ ٹھیک ہے مجھے منظور ہے گویا معاوضے کی بات غیر مشروط طور پر طے ہوگئی اور اب ہم بہ اطمینان آگے کے معاملات پر بات کرسکتے ہیں!" رانی نے جواب دیا اور میں نے دلچسپی سے گردن ہلائی۔ حالاں کہ ڈاکٹر برہان نے کہا تھا کہ پانچ سے آٹھ لاکھ تک کسی بھی قیمت پر معاوضے کا تعین کیا جاسکتا ہے لیکن میں نے اس میں خاصہ اضافہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اب رانی کے کام کے لئے انتہائی سنجیدگی سے عمل کرنا تھا۔ میں ہمہ تن گوش ہوگیا۔

"میں جس انداز سے تم پر بھروسہ کر رہی ہوں تم یقین کرو کہ اس میں تمہاری شخصیت کا بہت بڑا دخل ہے۔ بات اگر صرف ایک ادارے کی ہوتی اور تمہاری جگہ کوئی دوسرا شخص آیا ہوتا جو مجھے شخصی طور پر ناپسند ہوتا تو شاید میں اتنی بے تکلفی سے اسے اپنا رازدار نہ بنا سکتی تھی۔ اپنے بارے میں پہلے میں تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتا دوں"۔

"اٹر پور کی جو بھی حیثیت ہے' وہ تمہاری نگاہوں میں ہوگی۔ میرا نام شاہانہ ہے۔ شاہانہ فیروز' نواب فیروز کے بارے میں ممکن ہے تم نے کچھ سنا ہو یا نہ سنا ہو۔ بہرصورت وہ بڑی باأثر شخصیت کے مالک تھے اور اپنی زندگی میں ہر شخص کے پسندیدہ رہے تھے۔ میں ان کی دوسری بیوہ ہوں۔ اپنی پہلی بیوی کی موت کے طویل عرصے کے بعد انہوں نے مجھ سے شادی کی۔ یہ طویل عرصہ انہوں نے تجرد کے عالم میں گزارا اور ان کے نام کے ساتھ ایسی کوئی غلاظت وابستہ نہ ہو سکی کہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے یا ان پر انگشت نمائی کرسکتے۔ مجھ سے ملاقات ایک مخصوص ذریعے سے ہوئی تھی جس کی تفصیل میں جانا غیرمناسب سی بات ہے اور نہ یہ بات اس کام میں معاون ہو سکتی ہے۔ یوں بھی میں ایک اچھے خاندان کی فرد ہوں اور میرا خاندان بھی معززین میں شمار ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ میں بذات خود

اتنی چھوٹی شخصیت کی مالک نہیں ہوں کہ لوگ یہ سوچتے کہ مجھے اچانک ایک بڑی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ نواب صاحب نے مجھ سے شادی کی اور ہم لوگوں نے بہت ہی پر مسرت زندگی گزاری۔ نواب صاحب کے دو بچے ہیں۔ ان میں ایک نوابزادہ منصور ہیں اور دوسری نواب زادی شاہینہ' سترہ سال کی عمر میں نواب زادی شاہینہ پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ بے چاری دونوں ٹانگوں سے معذور ہوگئیں۔ یہ صرف ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے' منصور فطرتاً سادہ طبیعت اور مذہب سے بے حد متاثر ہیں۔ مذہبی امور کی ادائیگی وہ بڑی پابندی سے کرتے ہیں اور ہم میں سے کسی نے ان کے اس رجحان پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ خود فیروز صاحب منصور کو اس لئے پسند کرتے تھے کہ منصور مذہبی شغف رکھتے ہیں۔ یہ دونوں بچے ہمیشہ میرے لئے بھی پسندیدہ رہے اور میں نے کبھی ان سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا۔ حالاں کہ نواب زادی شاہینہ بے حد ضدی ہیں۔ اتنی ضدی کہ بعض اوقات ان کی ضدیں سب کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ میں نے پہلے بھی ان سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا تھا اور نواب صاحب کی موت کے بعد تو میں نے خاص طور سے ان کا خیال رکھا اور ان کی ان بے جا ضدوں کو بھی پورا کیا جو بعض اوقات ناقابل قبول ہوا کرتی ہیں۔ رہا بے چارہ منصور تو وہ سیدھا سادا نیک نفس انسان ہے اس نے کبھی کسی کے لئے درد سر بننے کی کوشش نہیں کی۔ زندگی گزارنے میں کسی خاص مشکل کا سامنا نہیں تھا۔ سارے معاملات مناسب طور پر چل رہے تھے لیکن پچھلے تین ماہ سے معمولات میں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ زمینوں کے نگران پریشان ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہاریوں کو بہکایا جا رہا ہے اور انہیں ریاست کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار مسائل کھڑے کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور میرے خاص لوگوں کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں باقاعدہ ایک مشن کام کر رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اب سے تقریباً سات ماہ پیشتر یعنی نواب صاحب کی موت کے تقریباً دو سال کے بعد منظم پیمانے پر ایک سوال اٹھایا گیا تھا اور سوال یہ تھا کہ ریاست کے امور کی نگرانی کیا مناسب طور پر ایک عورت کرسکتی ہے؟ سوال اٹھانے والوں میں ریاست کے سربر آوردہ لوگ تھے اور جس وقت یہ سوال میرے پاس پہنچا تو میں نے ان سب کو طلب کیا اور پوچھا کہ نواب صاحب کی موت کے بعد ریاست کے امور میں کون سی مشکل پیش آئی ہے جس کی بنا پر یہ سوال اٹھایا گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ رانی صاحبہ ریاست

کا صحیح حکمران نواب صاحب کی موت کے بعد نوابزادہ منصور ہونے چاہئیں۔ میں نے یہ بات بھی کہی کہ اگر نوابزادہ منصور یہ ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار ہوں تو انہیں بہت ساری ذمہ داریاں سونپ سکتی ہوں لیکن ابھی میں اس قابل نہیں پاتی کہ وہ پوری ذمہ داریوں کے ساتھ ریاست کے امور چلاسکیں۔ اس کے علاوہ مرحوم نواب صاحب نے مرتے وقت وصیت بھی کی تھی اور ذاتی طور پر مجھ سے درخواست بھی کی تھی کہ میں ان بچوں کا خیال رکھوں۔ ابھی یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ذمہ داریوں کے بوجھ کو مناسب طور پر اٹھاسکیں۔ چنانچہ میں ریاست کی بھرپور نگرانی کروں۔ نواب صاحب نے اپنی زندگی میں مجھے اس قابل کر دیا تھا کہ میں ریاست کے سارے معاملات کو سمجھ سکوں اور پھر ان کی وصیت کے مطابق مجھے تازندگی اس ریاست کا نظام چلانا ہے۔ میں اپنی ذمہ داریوں کو قبول کرتے ہوئے یہ سارے کام کر رہی تھی.......... ! لیکن یہ نئی الجھنیں میرے لئے پریشان کن ہیں۔ میں نے انتہائی خلوص کے ساتھ یہ کوشش کی تھی کہ نواب زادہ منصور اور شاہینہ سے گفتگو کروں اور ان سے پوچھوں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ دونوں بظاہر معصوم ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ان معاملات میں ان کا ہاتھ نہ ہو۔ اس کے بعد یہ احساس میرے لئے پریشان کن ہوگیا کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو میرے خلاف یہ فضا پیدا کر رہے ہیں؟ کیا میری یہ الجھن قدرتی نہیں ہے؟" رانی نے رک کر پوچھا۔

"یقیناً ہے! لیکن رانی صاحبہ! کیا خود آپ کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے؟" میں نے اس سوال پر رانی اثر حسن پور کے چہرے پر ایک بدلی ہوئی کیفیت محسوس کی اور پھر اس نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"نواب صاحب سے شادی' میری اپنی پسند نہیں تھی بلکہ ایک ذاتی مسئلے میں میرے والدین اس کے لئے مجبور ہوگئے تھے۔ شادی کے بعد نواب صاحب سے میرا کوئی اختلاف نہیں رہا لیکن میری اور ان کی عمر میں کافی تضاد تھا"۔ وہ خاموش ہوگئیں۔

"اولاد کی بات ادھوری رہ گئی"۔

"نہیں پوری ہوگئی ہے۔ میری کوئی اولاد نہیں ہے"۔ رانی صاحبہ نے جواب دیا۔

"جی ہاں! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ بات پوری ہوگئی۔ بہرحال رانی صاحبہ! صورت حال یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے تحفظ چاہتی ہیں جو آپ کے خلاف حالات پیدا کر رہے

ہیں۔

"جہاں تک تحفظ کی بات ہے، میں اپنے لوگوں میں خود کو غیر محفوظ نہیں سمجھتی اور خاص طور سے اس وقت سے تو لوگ بے حد مستعد ہو گئے ہیں جب سے میری خواب گاہ کے نزدیک رات کی تاریکیوں میں ایک مشتبہ شخص نظر آیا ہے۔ ایسا تین بار ہو چکا ہے لیکن وہ شخص اتنا پھرتیلا اور چالاک ہے کہ میرے محافظوں کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔ سب سے خاص بات یہ ہے کہ وہ محل ہی میں گم ہو جاتا ہے ....اور .... سانپ کا آستین میں ہونا سب سے خطرناک ہوتا ہے"۔

"آپ کا خیال ہے کہ اب بات صرف بغاوت یا آپ کو معزول کرانے تک نہیں رہ گئی ہے بلکہ آپ کے دشمن آپ کی زندگی کے بھی خواہاں ہیں..........؟"

"ہاں مجھے یقین ہے کہ میرے خلاف سازش کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتی"۔

"رانی صاحبہ! اس سلسلہ میں تو حکومت بھی آپ کی مدد کر سکتی ہے کیوں کہ نواب صاحب کی وصیت کے مطابق آپ ریاست کی جائز وارث ہیں اور چند ذمہ داریوں کے علاوہ آپ پر اور کوئی بوجھ نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے لیکن میں اپنے دشمنوں میں کس کا نام لوں؟ اگر بے گناہ لوگوں کو پھنساتی ہوں تو میرا ضمیر مجھے ملامت کریگا اور ممکن ہے اس کے باوجود میری الجھنیں برقرار رہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں کی نفرت کچھ اور بڑھ جائے گی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اصل دشمن کی شناخت ہو جائے۔ اس کے لئے مجھے تم جیسے کسی شخص کی ضرورت تھی"۔

"خوب!" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ بات جائز تھی۔ تھوڑی دیر تک میں نے سوچا پھر بولا۔ ٹھیک ہے رانی صاحبہ! کام ہماری پسند کے مطابق ہے اور میں تیار ہوں لیکن محل میں میری حیثیت کیا ہو گی؟"

"عارضی طور پر میں تمہیں کوئی عہدہ دے دوں گی۔ اپنا مشیر قانونی یا پھر محل کے امور کا نگران بنا دوں گی تاکہ تمہارے اختیارات وسیع تر ہوں"۔

"بہت بہتر' میں تیار ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔

"اس کے علاوہ تمہاری کوئی شرط!"

"معاوضے کے بعد میری شرط پوری ہو گئی۔ دوسری شرط اختیارات اور اعتماد پر

ہے"۔

"کیا تم تنہا یہ کام کر سکتے ہو؟ معاف کرنا یہ سوال میں نے ایک خوف کے زیر اثر کیا ہے؟"

"فی الحال میں تنہا ہوں لیکن جب اختیارات مل جائیں گے تو ضرورت پڑنے پر میں امداد بھی طلب کر سکتا ہوں؟"

"ٹھیک ہے میں آج اسی وقت یہ ذمہ داری تمہیں سونپتی ہوں۔ محل کے کونسے حصے میں رہنا پسند کرو گے؟

"اس میں جہاں آپ مقیم ہیں!"

"تب میں اپنی رہائش گاہ کا عقبی حصہ تمہارے لئے درست کرا دوں گی۔ معاوضے کی ادائیگی کی کیا شکل ہو گی؟"

"معاوضے کی آدھی رقم کا ڈرافٹ آپ ڈاکٹر برہان کے ذاتی اکاؤنٹ میں بھجوا دیں۔ باقی آدھی رقم آپ کا کام مکمل ہونے کے بعد"۔

"یہ کام کل ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ اور کچھ؟" رانی صاحبہ نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ بس میری اور کوئی شرط نہیں ہے"۔ میں نے جواب دیا اور رانی صاحبہ نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی تھیں۔ پھر انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں کسی فوری مسئلے پر کچھ قابل اعتماد لوگوں کی ضرورت پڑے تو میرے خاص محافظ تمہارے ساتھ ہوں گے تم انہیں جب چاہو طلب کر سکتے ہو"۔

"بہت بہتر"۔ میں نے جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے اجازت دیں۔ ویسے میں آپ کی اجازت سے محل کا جائزہ لینا چاہتا ہوں"۔

"اس عمارت کے کسی بھی حصے میں تم بلا روک ٹوک جا سکتے ہو۔ کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ اس دوران میں تمہاری رہائش کا بندوبست کرائے دیتی ہوں"۔ رانی صاحبہ نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ ذہنی طور پر میں نے اس کام کو خوشی سے قبول کر لیا تھا کیوں کہ یہ ہماری لائن سے مطابقت رکھتا تھا۔ پھر میں محل کی سیر کے لئے نکل آیا۔ محل کے مختلف گوشوں میں تقریباً ایک گھنٹے تک چکر لگایا۔ اپنے طور پر میں نے مکمل جائزہ لے لیا تھا۔ کسی بیرونی جگہ سے رانی کی خواب گاہ تک پہنچنے کا براہ راست کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہر جگہ محافظوں سے مڈبھیڑ ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔ پھر میں نے ایک جگہ رک کر ایک ملازمہ کو

اشارہ کیا اور ملازمہ میرے نزدیک پہنچ گئی۔ "نوابزادہ منصور سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے"۔ میں نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں جناب!"

"براہ کرم مجھے ان کا کمرہ بتا دو"۔ میں نے ملازمہ سے کہا اور ملازمہ مجھے ساتھ لے کر چل پڑی۔ پھر اس نے دور سے اشارہ کیا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے اسے واپس کر دیا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص باہر نکل آیا۔ میں نے اس طرح اپنا رخ بدل دیا جیسے اس طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔ اس کی ضرورت اس شخص کی صورت دیکھ کر پیش آئی تھی۔ وہ مجھے نہیں جانتا تھا لیکن میں حسن آباد کے علاقے کے اس غنڈے کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کا نام سرور تھا اور اپنے علاقے میں دس نمبری حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ اس نے کسی فقیر کی کرامات سے متاثر ہو کر اچانک برے کام چھوڑ دیئے ہیں۔ اس وقت بھی وہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا اور اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ ویسے نواب زادہ منصور کے کمرے میں اس کی موجودگی تعجب خیز تھی۔

کچھ دیر توقف کے بعد میں خود اس کمرے کی طرف بڑھ گیا اور آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ "تشریف لایئے"۔ اندر سے ایک آواز آئی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ خاصا بڑا کمرہ تھا لیکن اس کی سجاوٹ معمولی تھی۔ ایک طرف تخت پڑا ہوا تھا جس پر جائے نماز بچھی ہوئی تھی اور تسبیح رکھی ہوئی تھی۔

نوابزادہ منصور ایک کرسی پر خاموش بیٹھے تھے مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور بہ آواز بلند سلام کیا جس کا جواب دے کر میں آگے بڑھا۔ "اس وقت تکلیف کی معافی چاہتا ہوں"۔ میں نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"تشریف رکھئے۔ میں آپ سے ناواقف ہوں"۔

"جی ہاں یقیناً! میں نے رانی صاحبہ کی ملازمت صرف دو روز قبل اختیار کی ہے"۔

"خوب! کیا عہدہ ہے آپ کا؟"

"محل کے اندرونی امور کا محافظ ہوں"۔

"واہ! نواب زادہ منصور نے گردن ہلائی"۔ اگر دل شکنی نہ ہو تو عرض کروں کہ

آپ بہ الفاظ دیگر رانی صاحبہ کے ذاتی محافظ ہیں"۔

"ایسی کوئی ذمہ داری انہوں نے میرے سپرد نہیں کی لیکن یہ وفادار ان کا ذاتی محافظ ہے۔ آپ کو کوئی اختلاف ہے؟"

"ہاں، بنیادی اختلاف ہے۔ منصور نے صاف لہجے میں کہا۔

"آپ کے مرتبے کو مدنگاہ رکھ کر مجھے یہ جرأت نہیں ہوتی نواب صاحب! کہ میں آپ کے اس اختلاف کی وجوہ پوچھوں لیکن یہ سوال میرے ذہن میں ضرور ابھرا ہے کہ وہ بنیادی اختلافات کیا ہیں؟"

"میاں تکلفات رہنے دو۔ کل تمہیں یہ اختیار بھی مل سکتا ہے کہ تم ہم سے قانونی طور پر سوالات کرو۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے اس محل میں! صرف یہ کہ قبلہ نواب صاحب کبھی ہمیں بیٹا کہتے اور سمجھتے تھے، اب تو ان کا چھوڑا ہوا قرض ہوں جو ہمیشہ دوسروں کا بوجھ ہوتا ہے۔ بنیادی اختلاف یہ ہے کہ انسان وہ بنیاد ختم کر دے جو اختلاف کی وجوہ بن جاتی ہے۔ بہتر سلوک دشمن کو بھی دوست بنا لیتا ہے۔ ہم تو یوں بھی بے حیثیت ہیں!"

"کیا رانی صاحبہ کا سلوک آپ کے ساتھ اچھا نہیں ہے؟"

"ہاں جسے دشمن سمجھا جائے اس کے ساتھ سلوک میں فرق آ جاتا ہے لیکن دشمن سمجھنے کی کوئی وجہ بھی ضرور ہو گی"۔

"میں پھر اپنی بے حیثیتی کا رونا روؤں گا۔

"میرے ذہن میں ایک اور سوال ابھرا ہے۔ کیا رانی صاحبہ آپ کو اپنا دشمن سمجھتی ہیں؟"

"ہاں! انسان ہمیشہ زندگی کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ وہ جو کچھ ہوتا ہے اس پر قانع نہیں رہتا۔ اسے خوف ہوتا ہے کہ اس سے تعیشات چھن نہ جائیں حالاں کہ موت کی ہچکی کسی بھی وقت دم چھین لیتی ہے۔ رانی صاحبہ کو خوف ہے کہ کسی نہ کسی وقت ہم دونوں بہن بھائی ان سے یہ سب کچھ چھین لیں گے۔ چنانچہ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر ہم سے ہماری زندگی اور آزادی چھین لینا چاہتی ہیں۔ میری بہن کے ساتھ، میری اپاہج بہن کے ساتھ ان کا جو رویہ ہے، خدا کی قسم! خدا ان سے اس کا حساب ضرور لے گا"۔ نواب زادہ منصور کی آواز لرز گئی۔

میں سناٹے میں آگیا۔ یہ تو اور ہی کہانی تھی۔ ایک ایسی کہانی جو مجھے آزمائش میں ڈال سکتی تھی۔ اگر رانی کے ذہن میں یہ بات ہے تو۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ صرف ایک جال بن رہی ہے۔ ایک ایسا جال جس میں وہ دونوں پھنس جائیں۔ بہرحال ابھی یہ معاملات غور طلب تھے۔ میں تو ابتدائی اقدامات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن منصور سے گفتگو نے مجھے حیران ضرور کر دیا تھا۔

"بہرحال ہمارے پاس ایک آخری سہارا ضرور ہوتا ہے اور وہ سہارا اللہ کا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ہماری مدد ضرور کرے گا!"

"مجھے افسوس ہے جناب کہ میرے سوالات سے آپ کی دل آزادی ہوئی ہے۔ لیکن میری پہنچ محدود ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں محلاتی امور کی نگرانی کروں۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری میرے سپرد نہیں کی گئی۔ تاہم اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے ضرور موقع دیں۔ انسانیت کے رشتے سے میں آپ کی مدد ضرور کروں گا!"

"شکریہ! ہم خدا پر قناعت کرنیوالوں میں سے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اگر ہم مجرم نہیں ہیں تو وہ ہماری مدد کرے گا!" مولوی منصور نے کہا اور میں نے اس سے اجازت طلب کرلی۔ کافی دیر کے بعد میں نے پھر اس طرف کا رخ کیا جہاں رانی صاحبہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے اس بات کی اجازت مل گئی تھی کہ میں کسی بھی وقت محل کے کسی بھی گوشے میں جاسکتا ہوں' اس لئے میں مطمئن تھا۔

ایک ملازمہ نے رانی صاحبہ کی ہدایت کے مطابق مجھے میری رہائش گاہ دکھائی۔ نہایت موزوں جگہ تھی۔ میرے اور رانی صاحبہ کے درمیان ایک روشندان تھا جو بلندی پر ضرور تھا لیکن وہاں تک پہنچنا ناممکن نہیں تھا۔ میں نے اس روشندان کی موجودگی کو دل سے پسند کیا۔ یوں بھی رہائش گاہ میں جدید ضروریات زندگی کا سارا سامان موجود تھا۔

رات کے کھانے پر میں تنہا تھا لیکن دوسری سمت سے بہت سے خیالات میرے ذہن پر یلغار کر رہے تھے۔ مولوی منصور سے ملاقات کر کے میں الجھ گیا تھا۔ چنانچہ جب مجھے یقین ہوگیا کہ کوئی میری تعیناتی میں مداخلت نہیں کرسکے گا تو میں اس سلسلے میں سوچنے بیٹھ گیا۔ میں نے اب تک کے حالات و واقعات کے ٹکڑے کئے اور ہر ٹکڑے کو ذہن کی خوردبین سے دیکھا۔

رانی آف اثر پور۔ نواب فیروز کی دوسری بیوی ہے۔ پہلی بیوی سے دو بچے ہیں

جو جوان ہیں۔ شاہینہ مفلوج ہے اور منصور مولوی صفت ہے۔ منصور کا خیال ہے کہ رانی شاید ان دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے تاکہ کسی وقت وہ ان کے لئے درد سر نہ بن جائیں اور اسی بنیاد پر وہ انہیں اپنا دشمن قرار دینا چاہتی ہے۔ رانی کی یہ دور اندیشی کسی حد تک درست ہوسکتی ہے۔ کیا اس الزام میں کچھ جھول تھا مثلاً ہاریوں اور دوسرے کچھ لوگوں کی بغاوت۔ اگر یہ رانی کی سازش ہوتی تو وہ کم از کم اپنے خلاف بغاوت کی بنیاد نہیں ڈالتی کیوں کہ یہ اسے نقصان پہنچا سکتی تھی۔ قدرتی طور پر وہ جو کچھ بھی کرتی' اس معاملے کو سڑکوں پر نہ آنے دیتی۔

نمبر2 اس سلسلے میں مرکز سے پولیس افسروں کی امداد زیادہ موثر ہوتی۔ کیونکہ انہیں مجرم قرار دے کر وہ قانون کے حوالے کرسکتی تھی۔ کسی پرائیویٹ ادارے کو اتنی بھاری رقم دیکر وہ صرف یہ نہ معلوم کرانے کی کوشش کرتی کہ اس کا مجرم کون ہے؟ دوسری بات منصور کے کمرے نے سرور کا باہر آنا تھا۔ یہ شخص چھٹا ہوا بدمعاش تھا اور پورا گروہ رکھتا تھا' اس کا منصوبے سے کیا تعلق تھا؟۔

تو پھر یہ مولوی صاحب اندر سے کچھ اور تھے اور انہوں نے مجھے غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال یہ کوئی الجھا ہوا مسئلہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے جو نیا کام شروع کیا جاتا ہے اس میں ذہنوں کو غلط راستوں پر ڈالنے اور الجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے اس بال میں سے کھال نکالنا ہی تو ہمارا پیشہ تھا۔ ہمیں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنا تھا۔ اگر رانی اثر پور خود سازشی ثابت ہوتی ہے تو اس سلسلے میں بھی ہم لوگ مشورہ کرسکتے تھے۔ یعنی ڈاکٹر کی جو بھی رائے ہوتی۔ دس لاکھ میں سے پانچ لاکھ کی رقم تو پہلے ہی مل جائے گی اگر کوئی بہت بڑا گناہ کرنا پڑا یا کوئی بہت بڑی قانونی مخالفت مول لینا پڑی تو ہم پانچ لاکھ کی رقم چھوڑ بھی سکتے تھے' اور اس وقت مولوی منصور کی مدد کی جاسکتی تھی لیکن اس شرط پر کہ پہلے اس سے بھی معاوضے کی بات کرلی جاتی۔

رات کو کافی دیر تک میں غوروخوض اس سلسلے میں کرتا رہا۔ بہت سوچ سمجھ کر کام شروع کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں ایک اور پروگرام بھی مرتب کیا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بعض اوقات بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دوسری صبح میں نے اپنی سوچ پر عمل بھی کرنا شروع کر دیا۔ میں نے تین بار اس ملازمہ کو دیکھا تھا جو میرے کمرے میں ایک بار پھول سجانے آئی تھی۔ ایک بار ناشتہ لیکر اور پہلی بار میں نے

اسے رات کے کھانے پر دیکھا تھا۔ جب وہ ناشتے کے برتن اٹھانے کے لئے چوتھی بار میرے پاس آئی تو میں نے اسے مخاطب کیا"۔ سنو! تمہارا نام کیا ہے ....؟"

"گلنار سرکار!" ملازمہ نے جواب دیا۔

"خوب کافی بڑا نام ہے گلنار سرکار!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں سرکار! سرکار تو آپ ہیں۔ ہمارا نام تو گلنار ہے"۔

"واہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تم گلنار بھی ہو، سرکار بھی ہو۔ میری طرف سے یہ دونوں نام تمہاری نذر"۔ میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگی۔ وہ جوان بھی تھی اور اچھی خاصی خوش شکل بھی۔ شاید مذاق سمجھنا اور کرنا بھی جانتی تھی۔ بعض اوقات انسان کیسی کیسی عجیب چیزیں دیکھتا ہے۔ ہاں یہ تو بتاؤ شادی شدہ ہو تم؟"

"جی سرکار!" گلنار نے تعجب سے مجھے دیکھا۔

"ہاں گلنار! تمہیں دیکھ کر رات ہی کو میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا تھا۔ میں نے سوچا تھا تمہیں اس محل میں ملازمہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ تمہاری شکل و صورت اور تمہارے رکھ رکھاؤ سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تم کسی اچھے گھر کی لڑکی ہو"۔

"نہیں سرکار! ہم تو نوکرانی ہیں"۔ گلنار نے آزردہ ہو کر کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا گلنار! انسان کو ہر حالت میں گزارہ کرنا چاہئے لیکن بس تمہیں دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے افسوس ہوا، تم اتنی خوبصورت ہو کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا!" میں نے کہا اور دوسری طرف رخ کرلیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری جانب دیکھے گی اور یہی ہوا وہ دیکھتی رہی اور میں نے ہمدردی سے گردن ہلا دی۔

"سرکار! ہم ٹھیک ہیں، بس آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا"۔ گلنار نے جواب دیا۔

"بڑی عجیب بات ہے گلنار! کتنے عرصے سے تم یہاں ہو............؟" میں نے پوچھا۔

"سرکار! بڑے ہی یہاں ہوئے ہیں"۔

"اوہو، اس کا مطلب ہے کہ تمہارے والدین اور دوسرے لوگ بھی یہیں رہتے ہوں گے"۔ میں نے پوچھا۔

"ہاں سرکار! ماں مرچکی ہے ہماری .... باپ ہے، وہ مالی کا کام کرتا ہے اور ہم

محل کے اس حصے میں رہتے ہیں جہاں دوسرے نوکر رہتے ہیں"۔

"اچھا، اچھا، اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا، تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو اور ہاں میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار مت ہونا۔ تمہارے اچھا لگنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کروں"۔

"بہت ہی اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں آپ۔ سرکار! بہت ہی مہربانی آپ کی"۔

"لو یہ رکھ لو"۔ میں نے جیب سے پچاس روپے نکال کر اس کی جانب بڑھائے"۔

"نہیں سرکار! آپ نے ہم سے اتنی ہمدردی اور محبت سے بات کی، بس یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ پیسوں سے کیا ہوتا ہے؟" گلنار نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا"۔ دیکھا میں نے کہا تھا نا کہ تم ایک اچھی انسان ہو۔ گلنار کیا تم اس بات سے واقف ہو کہ آجکل رانی صاحبہ پریشان ہیں"۔

"ہاں سرکار! ہم یہیں تو رہتے ہیں سارا دن اور بعض اوقات ساری رات۔ ہمیں تو گھر جانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ رانی جی کی خدمت میں ہر وقت رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ آج کل پریشان ہیں۔ کاش ہم رانی جی کی کوئی مدد کرسکیں"۔

"گلنار! تمہارا کیا خیال ہے کیا منصور میاں رانی جی کے مخالف ہیں یا کوئی اور ان کے خلاف کام کررہا ہے"۔

"ہم تو غریب آدمی ہیں سرکار! ان بڑی باتوں کو ہم کیا جانیں۔ یہ منصور سرکار بڑے سیدھے سادے آدمی ہیں۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں کبھی ان کی کوئی برائی دیکھی نہیں اور نوکرانیوں کی طرف تو کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ ہر ایک سے نرم لہجے میں بات کرتے ہیں۔ ہم نے ان کی کوئی ایسی برائی نہیں دیکھی ہے سرکار جو ہم اس بارے میں کچھ کہہ سکیں"۔

"ارے ہاں اور وہ شاہینہ بی بی، ان کا کیا حال ہے؟"

"ارے سرکار! ان کی تو بات ہی نہ کرو۔ دیکھ کر آنسو آتے ہیں، ہم نے بڑی سرکار کو تو نہیں دیکھا پر شاہینہ بی بی بہت ہی اچھی ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنی ماں پر گئی ہیں۔ پھر یہ رانی جی۔ ہمیں معاف کرنا سرکار! رانی جی شاہینہ بی بی سے اچھا سلوک نہیں کرتیں"۔

"او ہو تم سے زیادہ اس بات کو کون جانتا ہوگا۔ کیا رانی جی شاہینہ بی بی سے نفرت کرتی ہیں؟"

"ایسی ویسی نفرت سرکار! بعض اوقات تو رانی جی بہت زیادتی پر اتر آتی ہیں"۔ گلنار نے کہا اور پھر سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار سمٹ آئے تھے"۔ سرکار! اللہ کے واسطے ہم سے ایسی باتیں نہ پوچھو جس سے ہماری زندگی خطرے میں پڑ جائے"۔

"دیکھو گلنار! میں نے تمہیں اچھا انسان سمجھ کر یہ ساری باتیں کی ہیں اگر میں تمہیں اچھا نہ سمجھتا تو یقین کرو، میں تم سے بات بھی نہ کرتا۔ تم کیسی باتیں کرتی ہو، کیا سمجھتی ہو تم کہ اتنی اچھی انسان کو میں کوئی نقصان پہنچاؤں گا۔ جو باتیں میرے اور تمہارے درمیان ہو رہی ہیں، ہمیشہ ہمیشہ میرے اور تمہارے درمیان رہیں گی اس بات کا اطمینان رکھو، اور اگر محسوس کرو کہ میں نے کسی سے کہہ دیا ہے تو آئندہ مجھ سے بات بھی نہ کرنا!"

"نہیں سرکار! ہم تو آپ کی باندی ہیں، ہماری یہ مجال! گلنار نے کہا۔

"تو مجھے بتاؤ گلنار! رانی صاحبہ شاہینہ بی بی کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں؟"

"سرکار! شاہینہ بی بی تو ایک طرح سے قیدیوں کی زندگی گزار رہی ہیں۔ محل کے اس حصے میں رہتی ہیں جہاں دوسرے لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے اور اول تو وہ بیچاری معذور ہی ہیں، کوئی بھی جشن ہو، شاہینہ بی بی کو اس میں نہیں بلایا جاتا، یوں بھی انہیں کسی بھی تقریب میں جانے کی اجازت نہیں ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ وہ معذور ہیں۔ مگر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، کہ رانی جی انہیں مارتی تک ہیں، گلنار نے کہا اور میں پرخیال انداز میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ ہر قدم ایک نئی الجھن سے دو چار ہو رہا تھا۔

گلنار چلی گئی اور میں آئندہ اقدام کے بارے میں غور کرنے لگا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اب شاہینہ کو بھی دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ گلنار ہی کو پکڑا اور تھوڑی دیر کے بعد میں محل کے اس حصے میں تھا جو فرانسیسی طرز تعمیر کا مظہر تھا۔ ایک مخصوص جگہ مجھے روک لیا گیا۔

"اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں ہے جناب!" ایک بھورے رنگ کے

آدمی نے جو کافی چست و چالاک معلوم ہوتا تھا، معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"لیکن مجھے رانی صاحبہ نے خصوصی مراعات دی ہیں، میرا نام شہاب ہے۔ آپ اپنے طور پر یہ معلومات حاصل کرسکتے ہیں!"

"تب براہ کرم توقف فرمائیے"۔ اس نے کہا اور مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ میرا خیال تھا کہ مسئلے میں کافی وقت صرف ہوگا لیکن وہاں انٹرکام موجود تھا اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ حصہ بھی خوبصورتی سے آراستہ تھا اور تعیشات کی ساری چیزیں یہاں موجود تھیں۔ دو ملازمائیں ایک حوض کے کنارے بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر کھڑی ہوگئیں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش تھے۔ میں نے انہیں اشارے سے نزدیک بلایا۔

"نواب زادی شاہینہ کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں لیکن آپ ....!"

"میرا نام شہاب ہے اور میں حکومت کا نمائندہ ہوں۔ ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں"۔

"رانی صاحبہ کی اجازت ضروری ہے"۔

"میں ان کی اجازت کے بغیر یہاں کس طرح پہنچ سکتا تھا؟ کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہے؟"

"اوہ تب آیئے جناب!" ایک ملازمہ نے کہا اور دونوں مجھے لے کر ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ انہوں نے دروازہ کھول کر مجھے اشارہ کیا۔ اور پھر اپاہجوں والی کرسی پر جو لڑکی مجھے نظر آئی۔ اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ اتنی حسین تھی کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی لیکن چہرے پر ایسی معصومیت اور اداسی تھی کہ دل بے اختیار کھنچ جاتا تھا۔ اس کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے پہلے مجھے اور پھر دروازے کو دیکھا۔

"سرکاری افسر ہیں، آپ سے ملنے آئے ہیں!" ایک ملازمہ نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ تم باہر جاؤ۔ میں نے انہیں مخاطب کر کے کہا اور دونوں ہچکچاتے ہوئے انداز میں باہر نکل گئیں۔ تب میں نے دروازہ بند کردیا۔ شاہینہ سہمے ہوئے انداز میں کرسی کے پیچھے کھسک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار تھے۔

"میں حکومت کا نمائندہ ہوں اور ایک خاص مقصد سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حکومت کا خیال ہے کہ رانی صاحبہ نواب صاحب کے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہی ہیں۔ اگر آپ کو ان سے شکایات ہیں تو براہ کرم مجھے بتائیں تاکہ میں ان شکایات کو حکومت کے کانوں تک پہنچا سکوں"۔

"شکایت؟ نہیں مجھے تو کوئی شکایت نہیں ہے"۔

"دیکھئے یہ آپ کے مستقبل کا سوال ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو حکومت آپ کا تحفظ کرے گی۔ میری موجودگی میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ممکن ہے میں آپ کو اپنے ساتھ ہی لے جاؤں۔ اس طرح آپ جو کچھ بھی کہیں گی، اس سے آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا............!"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں وہ تو بہت مشفق اور بے حد مہربان ہیں۔ میرا ہر طرح سے خیال رکھتی ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے حکومت کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے"۔

"یہ رپورٹ خود آپ کے بھائی مولوی منصور نے دی ہے"۔

"بھائی جان!" شاہینہ نے ایک سسکی لی "میں نہیں جانتی وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی باتیں کسی طور میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ وہ رانی صاحبہ کے بھی مخالف ہیں اور مجھے بھی پسند نہیں کرتے۔ میری طرف سے حکومت کے کان بھر کر وہ مجھے رانی صاحبہ کی نگاہوں سے گرانا چاہتے ہیں۔ براہ کرم ان کی بات پر توجہ نہ دی جائے"۔

میں نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ ایک خوفزدہ لڑکی بول رہی ہے۔ اس کے چہرے کے نقوش اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ "اگر یہ بات ہے مس شاہینہ! تو انہوں نے آپ کو دوسروں سے الگ تھلگ کیوں رکھا ہے۔ آپ سے عام لوگوں کو کیوں نہیں ملنے دیا جاتا!؟"

"میری درخواست پر............ میں خود لوگوں سے دور رہنا چاہتی ہوں۔ جب میں لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتی، میں معذور جو ہوں"۔ اس کی آواز میں بے پناہ اداسی گھل گئی۔

"آپ کا علاج کیوں نہیں کرایا گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"کہاں نہیں کرایا گیا۔ ملک بھر کے ڈاکٹروں نے میرا علاج کیا ہے لیکن وہ مجھے

صحت نہیں دے سکے۔ ان کا خیال ہے کہ میں نفسیاتی بیمار ہوں۔ ورنہ میری ٹانگیں درست ہیں لیکن میں کیا کروں، میں کھڑی نہیں ہو سکتی، ملک سے باہر میں جانا نہیں چاہتی"۔

"آپ کی پیشانی کی چوٹ کیسی ہے؟"

"اب ٹھیک ہے؟" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے کیسے لگی؟"

"گر پڑی تھی کرسی سے۔ اکثر گرتی رہتی ہوں۔ بس اسی لئے میں لوگوں سے الگ تھلگ رہنا چاہتی ہوں"۔

"تو آپ کو رانی صاحبہ سے کوئی شکایت نہیں ہے؟"

"ہاں! حکومت کو جو رپورٹ دی گئی ہے اس میں صداقت نہیں ہے۔ بس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتی"۔ شاہینہ نے جواب دیا۔

"بہتر ہے، حالانکہ ہم آپ کی بہتری کے خواہاں تھے اس طرح تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منصور صاحب حکومت کو رانی صاحبہ کیخلاف بھڑکانا چاہتے ہیں۔ یہ چیز خود ان کے لئے نقصان دہ بن سکتی ہے"۔

"اس غلط بیانی پر ان سے جواب طلب کیا جائے میں خوش و خرم ہوں۔ بس اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتی"۔

"بہتر ہے، میں اجازت چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا اور شاہینہ مجھے سپاٹ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ میں گردن ہلا کر باہر نکل آیا تھا۔ یہ تیسرا کردار بھی کافی الجھا ہوا تھا۔ منصور نے اپنی بہن سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا لیکن شاہینہ کے لہجے میں وہ حلاوت نہیں تھی جو بھائی سے ہو سکتی تھی۔ واپسی پر میں سوچ رہا تھا کہ میں نے معاوضہ تو واقعی بھرپور طلب کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں دماغ کی چولیں بھی ہل جائیں گی۔ یہاں تو ہر کردار ہی الجھا ہوا ہے۔ رات کو رانی صاحبہ کے ساتھ ڈنر کی دعوت ملی اور میں وقت مقررہ پر پہنچ گیا۔ لیکن یہ دعوت خاص تھی اور طویل ترین میز پر ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ رانی صاحبہ نے پروقار انداز میں گردن ہلا کر مجھے خوش آمدید کہا تھا اور پھر ان کے اشارے پر میں بیٹھ گیا۔

"تم بے حد جامہ زیب انسان ہو۔ ہر لباس میں شاندار نظر آتے ہو۔ کل میں دیر

تک تمہارے بارے میں سوچتی رہی۔ اس طویل عرصہ تک انسان کی مختلف کیفیات میرے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ شخصیت کو سنوارا ضرور جاتا ہے لیکن بذات خود شخصیت میں قدرتی جاذبیت کی موجودگی بھی ضروری ہے اور یہ جاذبیت خاندانی وقار کا اظہار کرتی ہے"۔

"شکریہ یور ہائی نس! میں نے گردن خم کر کے کہا۔

"خیر سناؤ۔ تم نے کام شروع کر دیا"۔

"جی! میں نے مختصر جواب دیا۔

"اتنا مختصر جواب نہ دو۔ ہم اس سلسلہ میں جتنے بے چین ہیں' اس کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ہم خود کو اس قابل نہیں پاتے تھے کہ ریاست کے امور سنبھال سکیں۔ بمشکل ہم نے نواب صاحب کی موت کے بعد خود کو اس کام کے لئے آمادہ کیا تھا لیکن دشمن کی موجودگی نے ہماری نیندیں بھی چھین لی ہیں ہم اپنے لئے امن کی فضا کے طالب ہیں!"

"میں کوشش کر رہا ہوں رانی صاحبہ! کہ جلد از جلد آپ کے دشمن کو بے نقاب کر دوں۔ لیکن اس سلسلہ میں آپ کو میری بھرپور مدد کرنا ہوگی"۔

"ہم نے کب انکار کیا ہے؟"

"میں نے نواب زادہ منصور سے ملاقات کی تھی' ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"منصور کے بارے میں ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ بظاہر وہ بے ضرر ہے۔ خاموش طبیعت انسان زیادہ الجھا ہوا ہوتا ہے۔ ویسے ہمارے تنزل سے اسے براہ راست فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ممکن ہے کچھ دوسرے لوگ اسے اکسا رہے ہوں۔ انسان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا' نہ جانے کب بدل جائے اور کیا سوچنے لگے"۔ رانی صاحبہ نے کہا۔

"شکریہ' میں دراصل آپ سے اتنی ہی صاف گفتگو سننے کا خواہش مند ہوں۔ دراصل رانی صاحبہ میں تھوڑے سے وقفے میں محل کے پورے ماحول سے تو واقف نہیں ہو سکتا۔ آپ کی امداد ہی مجھے صحیح راستہ دکھائے گی"۔ میں نے کہا اور رانی آف اثر پور گردن ہلانے لگیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ "تاہم ہم نے منصور پر شبہ کا اظہار نہیں کیا ہے۔ البتہ جیسا کہ تم نے کہا تمہاری امداد کے طور پر ہم نے اس نام کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ ہاں تو تم بتا رہے تھے کہ تم نے منصور سے ملاقات کی"۔ انہوں نے میری جانب دیکھ کر

کہا۔

"ہاں بظاہر منصور ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہیں اور انہوں نے آپ کے خلاف کوئی زہرافشانی نہیں کی۔ البتہ ایک بات کا اظہار انہوں نے ضرور کیا"۔

"وہ کیا؟" رانی نے پوچھا۔

"ان کا خیال ہے کہ آپ کا سلوک نواب زادی شاہینہ کے ساتھ بہت بہتر نہیں ہے"۔ میں نے غور سے رانی کی شکل دیکھتے ہوئے کہا اور رانی کے چہرے پر غمناک تاثر پھیل گیا۔

"ہاں لوگوں کا ممکن ہے یہی خیال ہو۔ حالانکہ اس بچی سے مجھے جتنی ہمدردی ہے۔ میں اس کا اظہار نہیں کر سکتی۔ نہ اپنی صفائی کسی کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہوں۔ زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ خود شاہینہ سے اس برے سلوک کے بارے میں معلومات کی جائیں۔ میں نے اس کی بیماری کا ہر ممکن علاج کرانے کی کوشش کی لیکن ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ وہ نفسیاتی طور پر مفلوج ہو چکی ہے۔ حالاں کہ اس کی شریانوں میں خون گردش مناسب ہے لیکن نہ جانے کیوں نوابزادہ منصور سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں پسند نہیں کرتے"۔

"خود ان دونوں بہن بھائیوں کے درمیان کیسے تعلقات ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ٹھیک ہیں۔ اتنے گہرے نہیں ہیں جتنے ہونے چاہئیں۔ نوابزادہ منصور خود تو چل پھر سکتے ہیں لیکن میرا خیال ہے مہینوں سے انہوں نے اس علاقے کا رخ نہیں کیا جہاں نوابزادی شاہینہ رہتی ہیں"۔

"بہرحال رانی صاحبہ! میں منصور کو بھی اپنے ذہن میں رکھوں گا۔ حالاں کہ جس سازش کا آپ نے تذکرہ کیا ہے' وہ اتنے سادہ انداز میں نہیں کی جاتی۔ ہم میں سے کوئی بھی سوچے ہمارا شبہہ منصور کی طرف جائے گا"۔

"منصور کو اگر کھیلنا ہوتا تو کوئی اتنا گہرا کھیل کھیلتے کہ ان کی شخصیت کسی طور بھی مشکوک نہ ہو پاتی۔ یہ بات ہم نے بھی سوچی تھی"۔ رانی صاحبہ نے کہا۔ "بہرصورت ہماری خواہش ہے کہ تم اس سلسلے میں بھرپور کوشش کرو اور ہمیں کم از کم ہمارے دشمنوں سے روشناس کرا دو۔ اگر وہ ہمارے اپنے ہی نکلے تو ہم ان سے یہ تو سوال کریں گے کہ آخر انہیں ہم سے پرخاش کیا تھی۔ منصور اگر چاہیں تو کل ریاست کا انتظام سنبھال سکتے ہیں۔ ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔ رہی نواب صاحب کی بات تو اگر انہوں نے ہمیں اپنا

جانشین اور اپنی ریاست کا مالک نامزد کر دیا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟"
"ٹھیک ہے رانی صاحبہ! آپ کا خیال درست ہے۔ بہرصورت میں آپ کو پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ قطع نظر اس کے کہ میں اپنے پیشے سے مجبور ہو کر آپ کی امداد کرنے پر آمادہ ہوا ہوں' آپ یقین کریں کہ میں خلوص دل سے آپ کو ان الجھنوں سے نکالنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا اور رانی کی نگاہوں میں عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور اس وقت ان آنکھوں میں ایک عجیب سی پیاس تھی' ایک ایسی تڑپ جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور اگر میں اس تڑپ کا پس منظر اپنے ذہن میں دوڑاتا تو یقینی طور پر مجھے تھوڑی سی سنسنی کا شکار ہونا پڑتا لیکن ظاہر ہے کہ میں ایک ریاست کی رانی کے سامنے تھا۔ وہ عورت ضرور تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ رانی بھی تھی اور ریاست اثر پور میں اس کی حکمرانی تھی۔ اگر کوئی بات ناگوار ہو جاتی تو یقینی طور پر میرے لئے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں جو میرے پیشے کے بھی منافی تھیں' اور میری شخصیت کے بھی۔ چنانچہ میں نے ان نگاہوں کا کوئی مفہوم نہیں لیا اور کھانے میں مصروف رہا۔ رانی نہ جانے کیوں غمزدہ ہو گئی تھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے زیادہ گفتگو نہیں کی اور اجازت چاہی۔

تمہارا بہت بہت شکریہ مسٹر شہاب! بہرصورت ہم امید رکھیں کہ تم ہمارے لئے بھرپور محبت سے کام کرو گے۔ ہمیں تمہاری آمد سے بڑی تقویت ہوئی ہے۔ میں نے رانی صاحبہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ میں سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔ گلنار میری خواب گاہ درست کر رہی تھی۔ میں نے مسکرا کر اس سے کہا"۔ جب میں تمہیں دیکھتا ہوں گلنار' ایک عجیب سا احساس ذہن میں ابھر آتا ہے۔ ارے ہاں' تمہارے پاس کچھ وقت ہے؟"

"حکم دیں سرکار! گلنار نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"رات کو آ سکتی ہو۔ باتیں کریں گے"۔ میں نے کہا اور گلنار شرما گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ دیئے۔ بولو آؤ گی؟" میں نے پھر پوچھا اور اس دیوانی نے گردن ہلا دی۔ پھر باہر بھاگ گئی۔ میں نے شب خوابی کا لباس پہن لیا تھا اور پھر میں گلنار کا انتظار کرنے لگا۔ میرے ذہن میں بے شمار خیالات کروٹیں بدل رہے تھے۔ رات کو تقریباً ایک بجے گلنار آ گئی۔ اس نے اچھا سا لباس پہن رکھا تھا اور خوشبو بھی لگائی ہوئی تھی جو موسم

اور وقت کے لحاظ سے بالکل غیر مناسب تھی۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ میرے بستر کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہیلو گلنار! کسی کو تمہارے یہاں آنے کی خبر تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں سرکار! گلنار نے جذبات میں ڈوبی آواز میں کہا اور میں نے اسے خود پر کھینچ لیا۔ گلنار پکے آم کی مانند میری گود میں آ گری تھی"۔ سچ گلنار! تم مجھے رانی صاحبہ سے کہیں زیادہ خوبصورت لگتی ہو۔ میں تو سوچتا ہوں کہ رانی تمہیں ہونا چاہئے تھا۔ ویسے گلنار! رانی صاحبہ اپنی راتیں کس طرح گزارتی ہیں.......... میرا مطلب ہے نواب صاحب کی موت کے بعد.......... ضرور کوئی چکر ہو گا اور تم سے زیادہ بہتر کون جانتا ہو گا"۔

"نہیں سرکار! ہم نے کبھی رانی صاحبہ کی ایسی ویسی بات نہیں دیکھی۔ ہاں بس ایک بات ہے جسے آپ چاہے برا سمجھیں یا اچھا"۔

"وہ کیا..........؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بدھ کی رات کو رانی صاحبہ بڑے گرجا کے پیچھے جاتی ہیں' وہاں کشتیوں کے مقابلے ہوتے ہیں رانی صاحبہ انہیں بہت شوق سے دیکھتی ہیں اور ان کشتیوں میں وہ چھپ کر جاتی ہیں کسی کو نہیں معلوم' سوائے ہمارے.........."

"واہ! تمہیں کیسے معلوم ہے؟"

"ایک دفعہ ہمیں لے کر گئی تھیں اور تاکید کی تھی کہ کسی کو نہ بتائیں۔ اس کے علاوہ رات کو سوتے ہوئے رانی صاحبہ کے بستر میں مردوں کی تصویریں بھی دیکھی ہیں۔ ہٹے کٹے پہلوان۔ وہ ان تصویروں کو بہت چھپا کر رکھتی ہیں۔ وہ تو اس دن غسل خانے میں گئی تھیں۔ ہم نے بستر صاف کرتے ہوئے دیکھ لیں"۔

"اس کے علاوہ تم نے کبھی ان کی خواب گاہ میں کسی مرد کو نہیں دیکھا..........؟"

"کبھی نہیں سرکار:"

"تم تو بہت اچھی انسان ہو گلنار! اپنے مالک کی وفادار ہو۔ لیکن کیا مجھ سے بھی چھپاؤ گی!" میں نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"نہیں سرکار تم سے نہیں۔ جب ہم سب کچھ بھول کر آپ کے پاس آ گئے تو آپ سے کچھ چھپائیں گے بھی نہیں! ہم نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں دیکھی"۔

"یہ منصور مجھے بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جانتی ہو اس نے کیا کہا؟ کہنے

لگا رانی صاحبہ اچھے کردار کی مالک نہیں ہیں"۔

"چھوٹے سرکار نے کہی یہ بات؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں تمہیں حیرت کیوں ہوئی؟"

"وہ تو............ وہ تو بڑے اللہ والے ہیں، کسی کی برائی نہیں کرتے۔ کسی کی طرف بری نگاہ نہیں رکھتے"۔

"کچھ بھی ہو گلنار! ممکن ہے نواب زادی شاہینہ کی شہ پر انہوں نے یہ بات کہی ہو"۔

"ارے رہنے دیں سرکار! ان لوگوں میں بنتی کہاں ہے؟ نواب صاحب کے زمانے سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ نہ جانے کیا بیر ہے دونوں میں۔ وہ اور شاہینہ بی بی کی بات مانیں گے۔ مہینوں ان کی شکل نہیں دیکھتے!"

"کمال ہے۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو گلنار!" میں نے کہا اور چالاکی سے اپنا عمل دوہرا لیا۔ گلنار کو مزید اس طرح کریدا کہ گلنار کو حساس تک نہ ہوسکا۔ دوسرے لمحے میں سیدھا ہوگیا تھا۔ میں اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ گلنار بھی سہمی ہوئی اٹھ گئی تھی۔ "کوئی دروازے پر ہے" میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور گلنار تھر تھر کانپنے لگی"۔ فکر مت کرو۔ جو کوئی بھی ہے اسے لے کر یہاں سے آگے بڑھ جاؤں گا' تم خاموشی سے نکل جانا۔ میں پھر تم سے ملوں گا۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے آہستہ آہستہ کچھ آوازیں نکالیں جیسے کسی سے گفتگو کر رہا ہوں اور پھر میں دروازے سے کچھ دور ایک ستون کی آڑ میں چلا گیا۔ یہاں سے میں دروازہ دیکھ سکتا تھا۔

چند ہی ساعت کے بعد میں نے گلنار کو دیکھا جو انتہائی پھرتی سے نکل کر ایک طرف دوڑی چلی گئی۔ میرے ہونٹوں پر ایک طمانیت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ گلنار سے اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکتیں، جتنے خلوص سے وہ اس وقت سب کچھ بتا گئی ہے، کسی اور صورت میں مشکل تھا۔ حالانکہ کوئی خاص بات نہیں بتا سکی تھی وہ، بس میرے ذہن میں ایک خیال تھا اور میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے قریبی نوکرانی ہونے کی بناء پر اسے کچھ ایسی باتیں معلوم ہوں جو میرے لئے کار آمد ثابت ہوں۔ البتہ صرف ایک بات قدرے کار آمد تھی کہ اس نے رانی کی فطرت کے بارے میں

مجھے آگاہ کر دیا تھا۔

مردوں کے جسمانی کھیل رانی کے لئے باعث کشش تھے اور اس کے بستر میں قد آور اور توانا مردوں کی تصاویر کی موجودگی یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ ذہنی طور پر بھٹکی ہوئی ہے اور اس کی وجہ تو میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ رانی کے چند الفاظ جو میں نے اس سے اولاد کے سلسلے میں پوچھے تھے، اس کی ذہنی کیفیت کی نشاندہی کرتے تھے لیکن اس کا یہ انداز اس کی ذہنی پیاس کا مظہر تھا۔ یہ صرف رانی کی فطرت کا تجزیہ تھا اور اس سے اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ نہ جانے کب تک میں خیالات میں ڈوبا رہا۔ پھر میرے ذہن کو جھلاہٹ کا سا احساس ہونے لگا۔ ابھی تک میں نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا ہے، بس بھول بھلیوں میں بھٹکا ہوا ہوں، کچھ ہونا چاہئے اور یہ کچھ کیا ہو؟ یہ ابھی میرے ذہن میں واضح نہیں تھا۔ جب کسی مسئلہ میں ذہن الجھ جائے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ سونے کی بجائے عمل کیا جائے۔ یہ میری فطرت کا ایک پہلو تھا۔ چنانچہ میں اٹھ گیا۔ شب خوابی کا لباس اتار کر میں نے ایک ایسا لباس پہن لیا جو خاص اوقات میں استعمال کیا جاتا ہے اور پھر میں باہر نکل آیا۔

محل کے حالات جو کچھ بھی تھے، میری نگاہ میں تھے۔ میں جانتا تھا کہ رانی کے محافظ اس کی بھرپور نگرانی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود مجھے محفوظ رہنے کا سلیقہ بھی آتا تھا۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان حالات میں وہ لوگ جو کسی بھی طرح سے مشکوک ہیں، کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں تاریک راستوں کا سہارا لیتا ہوا سب سے پہلے نوابزادہ منصور کی خواب گاہ کی جانب چل پڑا۔ نوابزادہ منصور کی رہائش گاہ زیادہ دور نہیں تھی، وہاں تک پہنچنے میں کسی دقت کا سامنا نہ ہوا۔ اور پھر اس رہائش گاہ میں روشنی دیکھ کر میں چونک پڑا۔ میں نے کسی ایسی جگہ کی تلاش شروع کر دی جہاں سے میں اندر کمرے میں جھانک سکوں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایسی جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے لئے مجھے ایک پتلی سی دیوار پر چڑھنا پڑا تھا اور پھر میں ایک کارنس پر پہنچ کر اندر جھانکنے لگا لیکن اندر جھانک کر مجھے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ نوابزادہ منصور جائے نماز بچھائے بیٹھا تسبیح پڑھ رہا تھا۔ قریب و جوار میں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں دیر تک جائزہ لیتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ اس وقت کوئی بھی شخص نوابزادہ منصور کی نگرانی کرنے کے لئے موجود نہیں ہے۔ ان حالات میں اگر یہ شخص عبادت گزاری کا مظاہرہ کرتے ہیں تو کس لئے؟ اس سے تو یہی

ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے طور پر ٹھیک ٹھاک آدمی ہے لیکن شہر کے اس غنڈے سے اس کی ملاقات میری نگاہ میں مشکوک تھی۔ آخر وہ بدنام شخص جس کا نام سرور تھا' یہاں کیوں آیا تھا؟ اور منصور سے اس کا کیا رابطہ ہے؟ دیر تک میں یہ جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا اور پھر ایک طویل فاصلہ طے کر کے میں نوابزادی شاہینہ کی طرف جا رہا تھا۔ یہ راستہ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور پرخطر تھا۔ نوابزادی شاہینہ کی حفاظت کے لئے جن محافظوں کا تقرر کیا گیا تھا وہ ضرورت سے زیادہ ہی چوکس اور مستعد تھے۔ چنانچہ اس طرف داخلہ ممکن نہ ہوا۔ میں چوں کہ کسی کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتا تھا اس لئے میں نے زیادہ جدوجہد بھی نہ کی۔ یوں بھی وہ لڑکی بے چاری ایک مظلوم لڑکی کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ اس کی اندرونی کیفیات کیا تھیں' اس کے بارے مجھے ابھی تک اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ محل کا ایک طویل چکر لگانے کے بعد بالآخر میں واپس پلٹ پڑا اور اب میں رانی آف اثرپور کی خواب گاہ کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ رانی کے محافظ سوئے ہوئے تھے اور اپنی ڈیوٹی پر مستعد نہیں تھے۔ ان کے گردنیں ڈھلکی ہوئی تھیں۔ میں چند لمحات کے لئے رکا اور پھر میں نے سوچا کہ رانی کو ان محافظوں کی کارکردگی سے آگاہ کروں۔ لیکن دوسرے لمحے مجھے اچھل کر ایک ستون کی آڑ لینا پڑی۔ میں نے ایک سیاہ پوش کو چوروں کی طرح رانی کے کمرے کی طرف آتے دیکھا تھا۔ بلاشبہ اس کا انداز مشکوک تھا اور جو لباس وہ پہنے ہوا تھا۔ اس نے اس کا چہرہ بھی چھپا رکھا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ اس کا جائزہ لوں کہ وہ کیا کرتا ہے لیکن دوسرے لمحے ذہن کی وہ رگ پھڑک اٹھی جو جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتی تھی اور جس کے زیر اثر میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کے بجائے اندھے اقدامات کر کے راستے تلاش کرتا تھا۔ چنانچہ میں اس خیال کے زیر اثر آگیا اور کسی پھرتیلے چیتے کی مانند شکار کے زد پر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں ایسے اوقات میں مقابل کی جسمانی قوت کا اندازہ لگانے کی کوئی کوشش نہیں کرتا تھا۔

جونہی وہ میری زد پر آیا' دفعتاً میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ کسی ایسے شکار کو قابو میں کرنے کے لئے مجھے ایک خاص داؤ آتا تھا۔ جو گستاپو کے ایک کارکن کی تصنیف شدہ کتاب سے سیکھا گیا تھا۔ اس داؤ کے تحت چاروں ہاتھ پاؤں عمل کرتے تھے۔ یعنی ایک ہاتھ سے دشمن کا منہ بند کرو اور اس طرح کہ ناک بھی زد میں ہو۔ دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن قابو میں کرو اور دونوں پاؤں اس طرح اس کے گرد جکڑو کہ وہ جنبش

بھی نہ کرسکے۔ چنانچہ میری نپی تلی چھلانگ مجھے اس پر لے گی۔ میرے شکار نے بھرپور جدوجہد کی لیکن یہ داؤ اس کی سمجھ میں نہیں آسکا اور وہ اپنی جدوجہد میں بری طرح ناکام رہا۔ تب میں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ایک ضرب لگائی اور اس کی گردن کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لیا۔ اب وہ بیکار تھا۔ چنانچہ میں نے پیروں کی گرفت ختم کر دی اور اس کا منہ بھینچے بھینچے اسے کندھے پر ڈال لیا۔ اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے بستر پر پڑا تھا۔ وہ ہوش میں تھا لیکن تکلیف سے اس کی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی اور اس کی یہ تکلیف میں ہی دور کرسکتا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی ہمیشہ کے لئے ناکارہ بھی ہوسکتی ہے"۔ مین نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر تم اس تکلیف سے نجات پانا چاہتے ہو تو ہر طرح کی جدوجہد سے باز رہنے کا وعدہ کرو۔ ورنہ دوسری بار میں تمہیں ہمیشہ کے لئے ناکارہ کر دوں گا"۔ اس نے بڑے ملتجی انداز میں گردن ہلائی اور اس کی نگاہیں رحم کی بھیک مانگنے لگیں۔ تب میں نے اسے اوندھا کے ایک ٹھوکر اس کی کمر پر رسید کر دی۔ اس کی کراہ نکل گئی تھی لیکن بہرحال وہ تکلیف ختم ہوگئی جس نے اسے موت وزیست کی کشمکش سے دوچار کر دیا تھا..........!

"سیدھے ہو جاؤ!" میں نے کہا اور وہ تیزی سے سیدھا ہوگیا "اپنے بارے میں سب کچھ بتا دو"۔

"میرا نام عادل ہے' عادل درانی۔ ریاست کے ایک اہم عہدہ پر کام کرتا ہوں لیکن رانی صاحبہ کی درخواست پر خفیہ طور پر ان کی نگرانی بھی کرتا ہوں اور رات کے کسی بھی وقت اس حالت میں ان کی خواب گاہ کے دو تین چکر لگا لیتا ہوں۔ یہ کام میں نے اس وقت سے شروع کیا ہے' جب سے رانی صاحبہ پر حملے شروع ہوتے ہیں"۔

"تو گویا تم بھی ان کے محافظ ہو؟"

"ہاں!"

"کس عہدے پر کام کرتے ہو؟"

"ریاست کے محکمہ قانون کا ایک اہم رکن ہوں اور ریاستی پولیس کا نگران اعلیٰ بھی"۔

"رانی صاحبہ کو تمہارے اوپر اعتماد ہے"۔

"مکمل طور پر.......... ورنہ اپنی حفاظت کے لئے میرا تقرر ہرگز نہ کرتیں"۔ اس

نے تکلیف سے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"قیام کہاں ہے تمہارا؟"

"محل کے دوسرے حصے میں۔ اس جگہ اہم عہدیداران رہتے ہیں"۔

"یہ قیام کتنے عرصے سے ہے"۔

"تقریباً ایک سال سے"۔

"رانی صاحبہ سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے؟"

"ہاں"۔ اس نے جواب دیا پھر بولا۔ "میری کمر میں شدید درد ہے۔ ریڑھ کی ہڈی میں ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ کہیں ریڑھ کی ہڈی ناکارہ نہ ہوگئی ہے۔

"نہیں صرف احساس باقی ہے' جو خرابی تھی وہ درست کردی گئی ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"تو پھر مجھے سہارا دو' میں جانا چاہتا ہوں' یا اپنے طور پر تحقیقات کرنا چاہتے ہو تو رانی صاحبہ سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرلو۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی اور کو یہ معلوم ہوسکے کہ میں رانی صاحبہ کی خفیہ طور پر نگرانی کرتا ہوں"۔ عادل درانی نے جواب دیا.........

"ٹھیک ہے لیکن رات کو تمہیں میرا مہمان رہنا پڑے گا۔ یہ تحقیقات صبح کو ہی ہوسکتی ہے۔ میں اتنی جسارت نہیں کرسکتا کہ اس وقت جاکر رانی صاحبہ کو جگاؤں"۔ میں نے کہا اور وہ بے بسی سے مجھے دیکھنے لگا۔

"مناسب نہیں ہوگا میرے دوست! بعد میں تمہیں احساس ہوگا کہ تم نے غلطی کی۔ میں ایک اہم عہدے پر فائز ہوں"۔

"اور میرا کوئی عہدہ نہیں ہے' اس لئے مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ میں نے غلط کیا یا صحیح؟۔ میرے اپنے اصول ہیں اور میں ان پر عمل کرتا ہوں۔ میں تمہارے لئے رات کا بندوست کئے دیتا ہوں۔ تاکہ تم رات بھر آرام سے سوئے رہو۔ البتہ ایک بات کا وعدہ کیا جاسکتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو اس سلسلے میں خبر نہیں ہوگی"۔ میں نے کہا اور پھر میں نے ایک چادر تلاش کرکے درمیان میں سے کئی ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔ ان ٹکڑوں سے میں نے عادل درانی کے دونوں ہاتھ کس کر پشت پر باندھ دیئے اور دونوں پاؤں بھی سخت بندش میں جکڑ دیئے تاکہ وہ جنبش بھی نہ کرسکے۔ "اس کے علاوہ مجھے

یقین ہے کہ تم چیخنے کی کوشش نہیں کروگے' کیوں کہ ظاہر ہے یہ حماقت ہوگی۔ اگر مجھے اب کوئی خطرہ محسوس ہوا تو تمہارا منہ بھی بند کردیا جائے گا"۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ویسے تم نے جو داؤ لگایا تھا' وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تم نے مجھے اس طرح بے بس کردیا تھا کہ میں جنبش بھی نہ کرسکا"۔ اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں!" میں نے مختصراً کہا اور گردن ہلا دی۔ اس کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور آرام سے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ عادل درانی کو میں نے بستر سے اٹھا کر فرش پر ڈال دیا تھا اور وہ بالکل بے بسی کے عالم میں پڑا تھا۔

رات کو ایک دو بار آنکھ کھلی تو میں نے عادل درانی کو اسی طرح پڑے پایا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرسکتا۔ پھر میں گہری نیند سوگیا۔ اور آخری بار اس وقت جاگا جب سورج کی روشنی خواب گاہ میں نمودار ہوگئی تھی۔ عادل درانی اسی طرح پڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ سوج رہا تھا۔ آنکھیں بے خوابی کا شکار تھیں۔ ظاہر ہے وہ اس کیفیت میں سو نہیں سکا ہوگا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ عادل درانی کے مسئلے کے طے ہونے سے قبل کوئی اور کمرے میں داخل ہو۔ چنانچہ میں نے رانی صاحبہ کے کمرے کا رخ کیا۔ محافظ اب چاق و چوبند ہوگئے تھے۔ ویسے ڈیوٹی بھی بدل گئی تھی۔ میں نے رانی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو محافظوں نے مجھے تعجب سے دیکھا"۔ اتنی صبح جناب!"

"ہاں جاؤ انہیں اطلاع دو"۔ میں نے کرخت لہجے میں کہا اور ایک محافظ نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے جواب مل جانے پر اس نے دروازہ کھول کر شاید رانی صاحبہ کو میرے بارے میں بتایا اور چند ساعت کے بعد مجھے اندر بلالیا گیا۔ رانی شاید ابھی غسل خانے وغیرہ نہیں گئی تھی۔ الجھے ہوئے بالوں اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ بے حد حسین نظر آرہی تھی۔ میں نے تعجب سے اس کا جائزہ لیا' رانی تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ تب اس نے کہا۔ "کیا بات ہے شباب!"

"رات کو میں نے ایک چور پکڑا ہے جو اس وقت بھی میرے کمرے میں موجود ہے۔ کیا آپ اسے ملاحظہ کریں گی؟"

"اوہ۔ کون ہے وہ؟ ان کا چہرہ اچانک اشتیاق کی تصویر بن گیا۔

"اپنا نام عادل درانی بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ آپ کا خفیہ محافظ ہے"۔

"ارے"۔ رانی کا رنگ اڑ گیا تھا۔ عادل درانی' وہ کہاں ہے وہ.........." رانی کسی قدر بے چین ہو گئی۔

"میں نے کہا نا کہ رات کو میں نے اسے پکڑ لیا ہے۔ اگر آپ میرے کمرے تک زحمت کریں تو اسے ملاحظہ فرما سکتی ہیں"۔

"افوہ .... اوہ .... ٹھہرو میں گون لے لوں۔ یہ تو.......... یہ تو بہت غلط ہوا"۔ اس نے پریشانی کے عالم میں ایک حسین گون اپنے بدن پر ڈالا۔ اور بے اختیار میرے کمرے کی طرف چل پڑی۔ میں رانی کی بے چینی کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ رانی نے عادل درانی کو دیکھا اور بے اختیار اس کی طرف بڑھی۔ پھر ایک دم رک گئی"۔ افسوس شاب! تم سے غلطی ہو گئی۔ یہ میرے معتمد خاص ہیں۔ میری استدعا پر یہ خفیہ طور پر میری خواب گاہ کا گشت کرتے ہیں۔ افسوس یہ میری وجہ سے پریشانی کا شکار ہوئے براہ کرم انہیں کھول دو"۔

"جی بہتر!" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا لیکن میرے ذہن میں شدید جھنجلاہٹ در آئی تھی۔ اس عورت نے کتنے جال پھیلا رکھے ہیں۔ کہیں ٹکنے ہی نہیں دیتی۔ منصور نیک انسان ہے اس پر کوئی خاص شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ شاہینہ اپاہج ہے' عادل درانی اس کا معتمد خاص ہے۔ پھر ڈاکٹر برہان کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی؟

میں نے عادل درانی کو کھول دیا۔ عادل کی گردن جھکی ہوئی تھی"۔ کسی اور کو تو ان کے بارے میں نہیں معلوم ہوا؟" رانی صاحبہ نے پوچھا۔

"اس کا کیا امکان ہے؟ لیکن آپ نے مجھے ان کے بارے میں نہیں بتایا تھا اس بنیاد پر یہ واقعہ پیش آیا"۔ میں نے رانی صاحبہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں! یہ بھی میری غلطی ہے لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ تم اتنی مستعدی کا ثبوت دو گے۔ البتہ عادل کو کس طرح قبضے میں کر لیا تم نے؟"

رانی نے پہلی بار دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ عادل درانی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ ایک حسین و جمیل نوجوان تھا نہایت مضبوط بدن کا مالک۔ گردن تک بالوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے گورے رنگ پر سیاہ بال بے حد بھلے معلوم ہوتے تھے۔ خوبصورت تراش کا چہرہ اور انتہائی حسین آنکھوں کا مالک۔ اس وقت اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔

"اجازت ہو تو میں چلا جاؤں میں نہیں چاہتا کہ دن کی روشنی میں بہت سے لوگ میری اس حالت سے واقف ہو جائیں"۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ کسی مناسب وقت پر تم سے گفتگو کروں گی"۔ رانی نے خشک لہجے میں کہا اور عادل درانی باہر نکل گیا۔ رانی صاحبہ کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "باقی گفتگو ناشتے پر ہو گی"۔

"بہتر!" میں نے جواب دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں رانی صاحبہ کے طلب کرنے پر ناشتے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اب رانی کا موڈ بالکل بدل گیا تھا۔

"عادل درانی محکمہ قانون کے سربراہ ہیں' بہت ہی اعلیٰ کارکردگی کے مالک اور بہت اچھے خاندان کے فرد۔ ریاست کے لوگ اس خاندان کی عالی نسبی کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ میری درخواست پر وہ بے چارہ بھی خواب گاہ کے چکر لگا لیتا تھا لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہ میری ایک بھول کا شکار ہو گیا۔ تمہارے آنے کے بعد مجھے چاہئے تھا کہ میں اسے منع کر دیتی کہ وہ اس طرح میری خواب گاہ کی طرف نہ آیا کرے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اس طرح پھنس جائے گا۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ تو ریاست کا بہترین ایتھلیٹ رہ چکا ہے اور پولو اور نیزہ بازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عام انسانوں سے زیادہ طاقتور اور پھرتیلا ہے' تمہارے قابو میں کس طرح آگیا۔ یہ بات میرے لئے باعث حیرت ہے"۔

"بہر صورت رانی صاحبہ! ظاہر ہے یہ میری ذمہ داری تھی کہ یہاں آنے کے بعد میں آپ پر نگاہ رکھوں۔ آپ کے محافظ میرا خیال ہے کہ زیادہ مناسب نہیں ہیں۔ جس وقت میں اس طرف آیا' وہ دونوں سو رہے تھے"۔

"اوہ.......... واقعی! ٹھیک ہے میں انہیں بدل دوں گی"۔ رانی نے کہا' مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کھوئی سی ہے۔ بہر صورت میں نے بھی اس سے زیادہ گفتگو نہیں کی اور ناشتے کے بعد اپنے کمرے میں آگیا۔ میرا ذہن خاصی جھلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

کوئی بھی مجرم نہیں ہے' جو نکلتا ہے' رانی کا دوست نکلتا ہے اس کے بعد مجھے مجرم کو تلاش کرنا ہے' آخر کس طرح؟ جب رانی آف اثر پور نے اتنے سارے جال پھیلا رکھے ہیں تو پھر میری کیا ضرورت تھی' لیکن یہ بات میرے علم میں آچکی تھی کہ پانچ لاکھ

کی رقم ڈاکٹر برہان کے نام پر بھجوا دی گئی ہے۔ چنانچہ حالات کچھ بھی ہوں' مجھے اپنی ڈیوٹی انجام دینا تھی۔ ایک معقول معاوضہ کی بات تھی۔ چنانچہ ان الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ البتہ کچھ کرنا ضروری تھا اور اس کچھ کرنے کے لئے مجھے اپنی اس مخصوص فطرت سے کام لینا تھا جو میری شخصیت کا خاصہ تھا۔ چنانچہ اس دن میں نے محل میں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور رانی صاحبہ سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آج میں شہر کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مجھے کار فراہم کر دی گئی۔ اس دن میں نے پورا شہر دیکھ ڈالا۔ اس کے بعد نواح کی باری آئی اور میری نگاہیں اپنے مطلب کی جگہ کا جائزہ لیتی رہیں اور جلد ہی مجھے اپنے مطلب کی جگہ نظر آ گئی۔

اس علاقے کا نام لال کوٹھی تھا۔ ایک بوسیدہ سی عمارت جو باہر سے خاصی پرانی نظر آ رہی تھی لیکن اندر سے کافی مضبوط اور کشادہ' ویران پڑی تھی۔ قریب و جوار کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ آسیب زدہ عمارت مشہور ہے۔ ان حالات میں میرے لئے اس سے بہتر جگہ اور کونسی ہو سکتی تھی۔ جہاں تک آسیب کا تعلق ہے تو میں خود اپنے آپ کو آسیب سمجھتا تھا۔ چنانچہ میں نے عمارت کا پورا جائزہ لیا اور پھر وہاں سے واپس آ کر چند چیزیں خریدیں جو میرے کام آ سکتی تھیں۔ گویا اس عمارت کو میں نے اپنا مسکن تصور کر لیا تھا۔ اب مجھے پوری طرح اپنی کارکردگی کو منظر عام پر لانا تھا۔ دوپہر بھی میں نے شہر ہی میں گزاری۔ ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور یونہی رواداری میں "جگنو" کی طرف جا نکلا۔ نورین درانی میرے حافظے سے محو نہیں ہوئی تھی۔ کاؤنٹر کلرک نے مجھے فوراً پہچان لیا اور مسکرا کے گردن ہلائی۔ آپ اس دن بھی تشریف لائے تھے ناجناب! لیکن آج............"

"ہاں ہاں میں نورین کی تلاش میں نہیں آیا مجھے معلوم ہے وہ کونسی تاریخ کو آئے گی؟"

"اوہ معافی چاہتا ہوں"۔ کاؤنٹر کلرک نے کہا اور میں ایک میز پر بیٹھ کر مشروب سے شغل کرنے لگا۔ میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ مجھے نظر آ گیا۔ اسے دیکھ کر میرے ذہن میں ایک دم کئی دروازے کھل گئے تھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک عمل کی دنیا میں نہ آؤ' بھول بھلیوں میں گم رہنا پڑتا ہے۔ آج باہر نکلا تھا تو کم از کم ایک تو کام کی بات ہوئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے نہیں پہچانتا۔ لیکن

میں اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ سرور ہی تھا۔

ایک ویٹر کو اشارہ کر کے میں نے اپنے نزدیک بلایا۔ جب وہ میرے نزدیک پہنچا تو میں نے کہا۔ "وہ جو صاحب بیٹھے ہوئے ہیں انہیں میرا سلام دو' ان سے کہو کہ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں"۔ ویٹر ادب سے گردن جھکا کر سرور کی میز کی جانب بڑھ گیا تھا۔ پھر اس نے جھک کر سرور کو میرا پیغام دیا اور سرور چونک کر مجھے دیکھنے لگا میں نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی اور وہ اٹھ کر میرے نزدیک آ گیا۔

"میں آپ کو پہچانا نہیں"۔ اس نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں آپ سے واقف ہوں جناب!" میں نے بڑے ادب سے کہا۔

"کس طرح؟" سرور نے گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے کر پوچھا۔

"دارالحکومت میں ایک بار آپ سے ملاقات ہوئی تھی"۔ آپ تو وہاں کے بہت بڑے آدمی ہیں مجھے بھول ہی گئے ہوں گے!"

"کس سلسلے مئیں ملاقات ہوئی تھی؟"

"بس ایسے ہی ایک چکر میں پھنس گیا تھا۔ میرے ایک دوست کی معرفت آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور آپ نے میری تھوڑی سی مدد بھی کی تھی"۔

"اوہ"۔ سرور نے گہری سانس لی۔ "ہاں وہ بھی ایک دور تھا۔ ایک ایسا دور جسے برائیوں کا دور کہا جا سکتا ہے لیکن اب صورتحال بدل چکی ہے۔ کیا آپ کو کسی سلسلے میں میری مدد کی ضرورت ہے؟"

"نہیں جناب! چوں کہ میں آپ کا پرستار ہوں اور آپ سے عقیدت رکھتا ہوں اس بنیاد پر کہ آپ نے بغیر کسی لالچ کے میری امداد کی تھی' اس لئے میں نے آپ کو زحمت دی"۔ میں نے جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ۔ لیکن میں گزری باتوں کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ براہ کرم مجھے میرا ماضی یاد نہ دلائیں۔ سرور نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"کیا آپ نے یہاں رہائش اختیار کر لی ہے"۔

"اوہ' نہیں! اثر پور پرسکون جگہ ہے۔ دارالحکومت کے ہنگاموں سے اکتا کر یہاں آ گیا ہوں"۔

"تب آپ کو میری ایک درخواست منظور کرنا ہو گی"۔

"جی! سرور نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ وقت میرے ساتھ گزاریئے۔ میں نے یہاں مستقل رہائش اختیار کرلی ہے۔ پہلے میں بھی دارالحکومت میں رہتا تھا۔ میں کچھ اسی قسم کا آدمی ہوں۔ پرسکون گوشوں کا متلاشی۔ چنانچہ میں نے شہر سے تھوڑے فاصلے پر ایک عمارت کا انتخاب کیا ہے۔ قرب و جوار کی زمینیں ہری بھری ہیں اور اب یہاں ایک پرسکون زندگی گزار رہا ہوں..........!

"اوہ' آپ بے حد مخلص انسان معلوم ہوتے ہیں۔ میں آپ کی اس خواہش کو ٹھکرا نہیں سکتا۔ یہاں میرے شناسا نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن سوچ لیں' یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی سکون گاہ مجھے پسند آ جائے اور میں آپ سے کچھ روز کے لئے قیام کی فرمائش کرڈالوں"۔ سرور مسکرانے لگا۔

"میری فطرت ہے کہ اگر کوئی میرے ساتھ احسان کرتا ہے تو تازندگی نہیں بھولتا۔ یہ تو میری خوش بختی ہے کہ مجھے آپ کی خدمت کا موقع مل سکا۔ براہ کرم مجھے یہ خوشی مرحمت فرمائیں"۔

"چلئے جناب! ہم تو درویش صفت انسان ہیں۔ جو گزار چکے ہیں اب اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں"۔ سرور نے کہا اور میں نے ہوٹل کا بل ادا کردیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سرور اور میں اس عمارت کی طرف جا رہے تھے جو میری دریافت تھی۔ آج ہی دونوں کام ہوگئے تھے۔ واقعی حرکت میں بڑی برکت ہے۔

سرور نے تعجب سے اس عمارت کو دیکھا۔ "یہ تو غیر آباد معلوم ہوتی ہے۔ میں ایک بار پہلے بھی یہاں رہ چکا ہوں۔ قرب و جوار کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آسیب زدہ ہے"۔

"وہ آسیب میں ہی تو ہوں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ آیئے تو سہی"۔

"کیا آپ اس عمارت میں تنہا رہتے ہیں؟" سرور نے سوال کیا۔ وہ جھجکتا ہوا میرے ساتھ اندر چل پڑا۔ "میرا مطلب ہے آپ کے بیوی بچے.........."

"سب ہیں' لیکن سب کے سب آسیب"۔ میں اسے لے کر اپنے مطلوبہ کمرے میں پہنچ گیا۔

"یہ .... یہ رہائش گاہ ہے۔ سرور نے حیرت سے چاروں طرف دیکھ کر پوچھا۔

"آپ کے خیالات میں یہاں وہ لوازمات بھی ہونا چاہئے تھے جو زندہ انسان کے لئے ضروری ہوتے ہیں"۔ میں نے کہا۔

"کیا مطلب"۔ سرور کا رنگ بدلنے لگا۔

"محترم! آپ لوگوں سے سن چکے ہیں کہ یہاں آسیب رہتے ہیں"۔

سو میں وہ جدید قسم کا بھوت ہوں لیکن میری بیوی اور بچے وہ زندہ انسانوں کے سامنے نہیں آتے"۔

"آپ مجھے خوفزدہ کرنیکی کوشش کر رہے ہیں"۔ سرور ڈری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"یہ کرسی نظر آ رہی ہے آپ کو"۔ میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"مگر کونسی کرسی!" سرور چاروں طرف دیکھ کر بولا۔

"براہ کرم تشریف رکھئے"۔ میں نے اس طرح اس کے دونوں شانوں پر دباؤ ڈالا جیسے کرسی پر بٹھا رہا ہوں اور سرور اطمینان سے زمین پر آگیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا تم کسی خاص مقصد سے مجھے یہاں لائے ہو"۔

"ارے آپ تو اتنی جلدی سمجھ گئے مسٹر سرور! آیئے پہلے یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم میں سے کون دوسرے پر حاوی رہتا ہے تاکہ بعد کے معاملات میں آسانی ہو"۔ میں نے کوٹ اتار کر لاپرواہی سے ایک طرف ڈال دیا۔ سرور کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"ایک ضروری کام تھا دوست! محسوس نہ کرنا"۔ میں نے آنکھیں بند کرکے مسکراتے ہوئے کہا اور سرور جھلاہٹ میں مجھ پر دوڑ پڑا لیکن میرے ایک الٹے ہاتھ نے اسے پھر واپس اسی جگہ بھیج دیا جہاں سے اس نے ابتدا کی تھی۔

"تمہیں یہاں آنے کی دعوت کس نے دی تھی؟" میں نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔ لیکن سرور نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا چاقو نکال لیا تھا۔ میں خود ہی آگے بڑھا اور سرور نے بڑی پھرتی سے چاقو والا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا لیکن ایسے لوگ میرے سامنے چاقو اٹھائیں' بڑی توہین کی بات تھی۔ میں نے پلٹ کر ایک صحیح نشانہ لگایا اور میرے جوتے کی ٹھوکر نے چاقو سرور کے ہاتھ سے نکال دیا۔

اب وہ میرے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ میں نے اسے مخصوص انداز میں چھت کی طرف پھینکا اور چاقو ایک لکڑی میں پیوست ہوگیا۔

"کس نے تمہیں یہاں بلایا تھا؟" میں نے پھر پوچھا۔

"تم کس کی نمائندگی کر رہے ہو؟" اس بار اس نے بھی سوال کیا۔

"سوال صرف میں کروں گا۔ فیصلہ کر لو۔ میں نے کہا اور سرور غصے سے دیوانہ ہوگیا لیکن دیوانے ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں۔ اگر وہ میرے بدن کو چھولیتا تو پھر بات ہی کیا تھی۔ ہاں میرے جوتوں کی ٹھوکروں نے اس کے بدن پر جگہ جگہ نیلے نشانات بنا دیئے اور پھر میں اسے اس وقت تک مارتا رہا جب تک وہ زمین پر ہاتھ ٹکا کر رکنے کے قابل ہوگیا۔ پھر وہ زمین پر چت لیٹ گیا اور اب میں نے پینٹ سے اپنا لمبا بیلٹ اور چاقو نکال لیا۔

"اگر تم نے ایک بار بھی غلط بیانی کی تو تمہارے پورے بدن پر زخم ہی زخم ہوں گے"۔ میں نے سکون سے کہا۔ اور سرور کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا"۔ میں حالات سے واقف ہوں اور تمہارے آنے کے مقصد سے بھی .... اس لئے یہ نہ بھولنا کہ غلط بیانی تمہاری زندگی چھین لے گی.......... آسیب زدہ عمارت کے گٹر تمہاری لاش کا سراغ نہ لگنے دیں گے.......... ہاں اب جواب دو .... تمہیں کس نے یہاں آنے کی دعوت دی ہے..........؟"

"ص۔ صاحبزادہ منصور نے!" سرور نے جواب دیا۔

لال کوٹھی کے آسیب زدہ ماحول کو حقیقت کا روپ مل گیا تھا۔ کم از کم ایک شخص یہاں کے آسیب کا شکار ہوگیا تھا اور وہ سرور تھا۔ منصور کا نام لے کر اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں جیسے اپنی جدوجہد میں ہار چکا ہو لیکن میرے ذہن میں ایک بار پھر بے شمار الجھنیں جاگ اٹھی تھیں .... صاحبزادہ منصور کا کردار میری نگاہ میں پہلے ہی کسی حد تک مشکوک تھا لیکن اب .... سرور جیسے شخص سے کوئی نیک فطرت انسان تو رابطہ قائم نہیں کرسکتا تھا۔ چند ساعت تک میں خاموش رہا۔ پھر میں نے اسی انداز میں پوچھا۔ تمہارے سپرد کیا ذمہ داری لگائی گئی ہے؟"

"اب تو مجھے بھی اپنے بارے میں کچھ بتا دو۔ یقین کرو۔ اگر تمہاری حیثیت کا تعین ہوجائے تو میں تم سے ساری باتیں کھل کر کروں"۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ میری حیثیت کا تعین کر کے تم زندہ ہی نہ بچو"۔

"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں اس بارے میں مطمئن کردوں۔ تم مجھ پر حاوی ہوچکے ہو۔ اگر میری باتوں میں دلچسپی نہ محسوس کرو تو پھر تمہیں اختیار ہوگا!"

"ہوں.......... فرض کرو، میں بھی تمہاری طرح ہوں اور کسی دوسری شخصیت کے لئے کام کر رہا ہوں، ان حالات میں تم کیا کرو گے؟"

"میں تم سے اس دوسری شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا کیوں کہ میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔ لیکن تمہیں ایک پیش کش کرسکتا ہوں"۔

"وہ کیا؟"

"صاحبزادہ منصور نے جو کام میرے سپرد کیا ہے، اس کا معاوضہ ایک لاکھ طے ہوا ہے۔ اگر تم میری حیثیت سے پوری طرح واقف ہو تو یہ جان لو کہ دارالحکومت کی زندگی خطرات سے پر تھی۔ وہاں یوں بھی میرے بہت سے دشمن پیدا ہوگئے تھے۔ اس لئے میں نے سوچا تھا کہ یہ بڑی رقم حاصل کرنے کے بعد میں کسی دوسرے ملک نکل جاؤں گا اور زندگی کا رخ بدل دوں گا لیکن تم درمیان میں آگئے۔ جس ہستی نے تمہیں کسی بڑے کام کے لئے آمادہ کیا ہے۔ اس نے تمہیں بھی معاوضے کی پیش کش تو کی ہوگی؟"

"ظاہر ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"میں اس میں پچیس ہزار کا اضافہ کرسکتا ہوں یعنی جو ایک لاکھ میں وصول کروں گا۔ یہ بڑے لوگوں کا کھیل ہے اور یہ بڑے لوگ اپنے دماغ کو بہت بڑا تصور کرتے ہیں جسمانی طور پر تو یہ ناکارہ ہوتے ہیں لیکن انہیں اپنی ذہانت پر بڑا ناز ہوتا ہے کیوں نہ ہم ان سب کو بے وقوف بنائیں؟

"ہوں"۔ میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ "وہ کس طرح؟"

"پہلے یہ بتاؤ تم خلوص دل سے میری اس پیش کش کو قبول کرسکتے ہو۔ میری تمہاری کوئی ذاتی دشمنی تو ہے نہیں۔ صرف کاروباری معاملہ ہے یعنی تم ایک شخص کے لئے کام کر رہے ہو اور میں دوسرے کے لئے، مقصد دولت کا حصول ہے۔ اس حالت میں ہمارا اشتراک ہمیں مزید مالی منافع بھی دے سکتا ہے"۔

"بات کسی حد تک مناسب ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"تب سنو! صاحبزادہ منصور نے جو کام میرے سپرد کیا ہے، اس میں کوئی خطرہ نہیں

ہے۔ صرف تھوڑی سی ذہنی اور تھوڑی سی جسمانی ورزش ہے۔ ایک طرف سے تم اپنے موکل کے لئے کام کرو' دوسری طرف سے میں۔ ان لوگوں میں آپس میں جو بھی نمٹے' ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف خوب شور مچاتے رہیں' اس طرح انہیں یہ احساس دلانا مقصود ہوگا کہ ان کے دشمن زبردست چالیں چل رہے ہیں اور پھر ہم کسی مناسب موقع پر ان سے اپنا معاوضہ وصول کرلیں گے۔ بلکہ معاوضے کی رقم حالات کے تحت بڑھائیں گے اور جونہی ہمیں معاوضہ مل جائے گا ہم یہاں سے رفوچکر ہو جائیں گے!"

"عمدہ ترکیب ہے"۔ میں نے دلچسپی کا اظہار کیا۔ "لیکن منصور نے تمہارے سپرد کیا کام کیا ہے؟"

"تو اب ہٹ تو جاؤ۔ آؤ دوستی کی فضاء میں بات کریں"۔ اس نے کہا اور میں نے اسے اٹھ جانے دیا۔ وہ دیوار سے ٹک کر اپنی چوٹوں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر بولا "بڑے درندہ صفت انسان ہو.......... اس نے شانے ہلائے پھر بولا "سگریٹ ہوگی تمہاری جیب میں؟"

"نہیں!" میں بدستور کھردرے لہجے میں بولا۔

"تم نے دل سے میری دوستی نہیں قبول کی۔ بہرحال تمہاری مرضی.......... ہاں تو تم کیا پوچھ رہے تھے؟"

"منصور نے تمہارے سپرد کیا خدمت کی ہے؟"

"اس کی خواہش ہے کہ میں رانی آف اثر پور کو خوفزدہ کرتا رہوں۔ ایسی حرکات کروں کہ رانی خود کو ہر لمحہ خطرات میں گھرا محسوس کرے۔ اس پر گولیاں چلاؤں لیکن اس طرح کہ وہ زخمی نہ ہو اور یہ سمجھتی رہے کہ اتفاقیہ طور پر اس کی زندگی بچ جاتی ہے اور میں یہ کام پچھلے دنوں سے کر رہا ہوں۔ میں نے کئی بار اس کی خواب گاہ کے چکر بھی لگائے ہیں اور اس بات کی کافی شہرت ہوگئی ہے کہ کوئی رانی آف اثر پور کو قتل کرنا چاہتا ہے"۔

"اوہ' تو اس کی خواب گاہ کے گرد نظر آنے والے پراسرار انسان تم تھے؟"

"تم نے بھی ضرور سنا ہوگا!" سرور خوش ہو کر بولا۔

"ہاں سنا ہے سرور ڈیئر! لیکن تمہاری بات ابھی تک میرے حلق سے انہیں اتری۔ تم دارالحکومت میں اتنے قلاش تو نہیں تھے کہ ایک لاکھ کے لئے تم نے سارے [illegible] بند کر دیئے"۔

"اوہ' تم نہیں جانتے دوست' ساکھ قائم رکھنے کے لئے اداکاری کرنی پڑتی ہے۔ اندر سے جو ہوتا ہے ہم ہی جانتے ہیں۔ آمدنی کا ساٹھ فیصد تو پولیس کے قبضے میں چلا جاتا ہے' تیس فیصد اپنے چیلوں کی تنخواہ' دس فیصد میں کیا ہوتا ہے اور پھر ہر وقت کی چخ چخ۔ ایک لاکھ روپے اگر اکٹھے ہاتھ آجائیں تو بہت ہوتے ہیں"۔

"ہوں.......... تو اب پھر کیا ارادہ ہے؟"

"تمہارے جواب کا انتظار ہے۔ میں پوری ایمانداری کے ساتھ پچیس ہزار روپے تمہیں ادا کردونگا"۔

"اس کے برعکس ہوا تو..........؟"

"تم بھی ہوشیار رہنا۔ میرے فریب میں کیوں آتے ہو۔ اگر کوئی گڑبڑ کروں تو نمٹ لینا۔ مجھ پر قابو پانے کی صلاحیت تو رکھتے ہو!"

"میں گردن جھکا کر سوچنے لگا۔ یوں بھی اس عمارت میں سرور کو قید نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کی نگرانی کون کرتا۔ اس کے علاوہ وہ چوہا نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ اگر میں اسے قتل کر دیتا تب بھی خود کو ہی افسوس ہوتا۔ بلاوجہ قتل وغارت گری تو مجھے بھی پسند نہیں تھی۔ چنانچہ بہتر یہی تھا کہ اسے اس معاہدے کے تحت چھوڑ دوں اور اس پر نگاہ رکھوں۔ باقی اگر اس نے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے مجھے تمہاری پیش کش منظور ہے"۔

"خدا کا شکر ہے۔ ورنہ میرے دوست! میری یہ آخری خواہش بھی یونہی رہ جاتی۔ اچھا یہ بتاؤ تمہارا قیام کہاں ہے؟"

"کیوں..........؟" میں نے کڑی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"ہم ایک دوسرے سے رابطہ کس طرح رکھیں گے؟"

"تم کہاں رہتے ہو؟"

"قیام کا کوئی بہتر بندوست نہیں ہے۔ فی الحال ایک ہوٹل چاندنی میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ کمرہ نمبر28"۔

"میں خود تم سے رابطہ قائم کرلوں گا"۔ میں نے کہا اور سرور نے شانے ہلا دیئے۔ "ویسے مقررہ دنوں میں اس عمارت میں بھی ملاقات کی جاسکتی ہے"۔

"ہاں جگہ اچھی ہے بلکہ تم اجازت دو تو میں اسے اپنی مستقل رہائش گاہ بنالوں؟"

"میری ملکیت نہیں ہے، جیسے چاہے کرو"۔

"ٹھیک ہے جب بھی تم چاہو، مجھ سے چاندنی ہوٹل کے کمرہ نمبر28 میں ملاقات کرلینا۔ اب مجھے شہر چھوڑ دو"۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے جگنو کے قریب چھوڑ دیا اور خود محل میں واپس آگیا۔

دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ بہت دنوں کے بعد ایسا الجھاوے والا کیس ملا تھا۔ عام طور سے ہمیں جو کام ملتے تھے وہ ایسے ہوتے تھے کہ تھوڑی سی ذہنی اور جسمانی ورزش کی اور مقصد پورا ہوگیا۔ میں نے جس رقم کا تعین کیا تھا۔ وہ صرف رانی آف اثر پور کی حیثیت دیکھ کر کیا تھا لیکن اب پتہ چل رہا تھا کہ کھیل معمولی نہیں ہے۔ بہت الجھاوے ہیں اور انہیں سلجھا کر اصل آدمی کی شناخت کرتی ہے۔

خاصی رات گئے تک میں سرور کے بارے میں سوچتا رہا۔ سرور کی بات نہ جانے کیوں دل کو نہیں لگ رہی تھی۔ ممکن ہے وہ مجھے فریب دینے کر آسانی سے نکل گیا ہو اور اب کمرہ نمبر اٹھائیس میں اس کا نام ونشان بھی نہ ملے یا ممکن ہے وہ سرے سے وہاں موجود ہی نہ ہو۔ ٹھیک ہے کل دن میں پہلے اسے چیک کرلیا جائے گا، اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے گا!

دوسری صبح میں نے ناشتہ اپنے کمرے ہی میں کیا تھا۔ ناشتہ لانے والی گلنار ہی تھی لیکن اب یہ لڑکی خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کے مجھ سے رابطے کو گہری نگاہ سے دیکھا جاسکتا تھا۔ اور ممکن ہے اس کو مارپیٹ کر یہ پوچھا جائے کہ میں نے اس سے کچھ معلومات حاصل کرنیکی کوشش تو نہیں کی۔ چنانچہ میں نے اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"ارے گلنار! تم!!"

"ارے، سرکار کیوں؟"

"کیا کسی کو علم ہے کہ میرے لئے تم ناشتہ لے کر آتی ہو؟"

"کسی کو علم نہیں ہے سرکار .... پر ہوا کیا؟"

"اوہ گلنار! تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ کسی کو پتہ چل گیا ہے کہ تم نے مجھے رانی صاحبہ کی باتیں بتائی ہیں۔ رانی صاحبہ مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھیں حالاں کہ میں نے منع کیا کہ میں گلنار کو نہیں جانتا لیکن انہیں یقین نہیں آیا۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ میں ایک ایک نمک حرام سے نمٹ لوں گی"۔

گلنار کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ پھر وہ کوئی بات کئے بغیر لرزتے قدموں سے باہر نکل گئی اور میں اطمینان سے ناشتے میں مصروف ہوگیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب گلنار میرے پاس نہیں آئے گی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے آج کے کاموں کے بارے میں غور کیا۔ پہلا کام سرور کی تلاش تھی۔ رانی صاحبہ کے بارے میں ایک ملازمہ سے پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ چند مہمانوں کے ساتھ مصروف ہیں جو کہیں باہر سے آئے ہیں، چنانچہ ان سے ملاقات کے امکانات نہیں تھے۔ میں نے لباس وغیرہ تبدیل کیا اور پھر صاحبزادہ منصور کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ ایک دم کوئی خیال آگیا۔ میں اس کمرے کے دروازے پر رکا اور پھر آہستہ سے دستک دی۔ "کون ہے بھائی .... اندر آجاؤ"۔ منصور کی آواز سنائی دی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ منصور کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور وہ دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔

"ہیلو منصور صاحب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کردیا۔

"تشریف لائیے!" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور میں اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ "آپ کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو میری آمد پسند نہیں آئی؟"

"عام حالات میں بھی زیادہ لوگوں سے ملاقات نہیں کرتا۔ میری زندگی تو الگ تھلگ ہے۔ محل کے معاملات میں بھی زیادہ دخل نہیں دیتا۔ یہ کمرہ ہی میرے لئے گوشہ عافیت ہے۔ آپ اس سکون کو مجروح کر رہے ہیں۔ بہرحال آپ فرمائیے.........؟"

"یونہی ادھر سے گزر رہا تھا، سوچا آپ کے نیاز حاصل کرلوں"۔

"اگر آپ میری تنہائی میں مداخلت نہ کیا کریں تو میں شکر گزار ہوں گا"۔

"افسوس......... لیکن مجھے آپ جیسے لوگوں سے ملاقات کا بڑا شوق ہے۔ وہ لوگ جو اپنی شخصیت پر اتنا گہرا خول چڑھا لیں، بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور مجھے بڑے لوگوں سے ملنے کا اشتیاق ہے"۔

"شخصیت کے خول سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"بس نہ جانے کیوں......... مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ وہ نہ ہوں جو نظر آتے ہیں"۔ میں نے گہری نگاہوں سے منصور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھل کر ہمیں گالیاں دیں۔ بخدا اگر یہ اختیار آپ کو رانی صاحبہ کی طرف سے

ملا ہے تو پھر ہم اس میں مداخلت نہیں کرسکتے!" منصور نے آزردہ لہجے میں کہا۔

"میری یہ جرات کہاں نواب صاحب! اور پھر میرا آپ سے کوئی اختلاف بھی نہیں، بس ان دنوں رانی صاحبہ کی الجھن کو سلجھانے میں مصروف ہوں۔ ویسے نوابزادہ منصور! ایک پیش کش آپ کے لئے بھی ہے"۔ اس نے مجھ کو تعجب سے دیکھا۔ "جو کام آپ دوسروں سے لے رہے ہیں، وہ مجھ سے بھی لے سکتے ہیں۔ اس بارے میں، سرور کا نام لے سکتا ہوں، آپ جب بھی مجھے طلب کریں گے۔ حاضر ہو جاؤں گا!" میں نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل آیا۔ میں نے پلٹ کر منصور کا ردعمل دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ویسے دل ہی دل میں، میں مطمئن تھا۔ معاملہ تو رانی صاحبہ سے طے ہوگیا تھا۔ اب اگر منصور کھل جاتے ہیں تو کام آسان ہو جائیگا۔ باہر نکل کر میں نے وہ کار سنبھال لی جو میرے چارج میں دے دی گئی تھی اور جس کی چابی میری جیب میں پڑی ہوئی تھی۔ کار اسٹارٹ کر کے میں باہر نکل آیا اور اب میرا رخ چاندنی کی طرف تھا۔

یہ ہوٹل جگنو سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے جگنو جاتے ہوئے اس کا بورڈ دیکھا تھا۔ میں تھوڑی ہی دیر میں چاندنی پہنچ گیا۔ اپنی کار میں نے چاندنی سے کافی دور، ایک گلی میں کھڑی کر دی تھی اور پھر اندر جانے کے لئے میں نے ایسے راستے اختیار کئے تھے جن سے کسی کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے۔ میں کاؤنٹر پر پہنچ گیا جہاں ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا۔ غلام سرور سے ملنا ہے"۔

"کون غلام سرور؟"

"کمرہ نمبر اٹھائیس!" میں نے جواب دیا اور بوڑھے نے ایک کاپی کھول لی۔ پھر اس نے چند اوراق الٹے اور پھر بولا "نہیں جناب! پورے ہوٹل میں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ کمرہ نمبر اٹھائیس تو پچھلے ایک مہینے سے خالی ہے"۔

"شکریہ!"............ میں واپس پلٹ پڑا۔ میرے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ نوابزادہ منصور کی شخصیت کو ابھی وہ رنگ نہیں دیا جاسکتا تھا جو سرور کی گفتگو سے اجاگر ہوا تھا۔ اگر سرور نے درست کہا ہوتا تو وہ اپنی رہائش گاہ کے بارے میں جھوٹ نہ بولتا اور یقیناً اس نے منصور والی بات بھی جھوٹ ہی کہی ہوگی۔ چنانچہ منصور کو ابھی اس نگاہ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس کے بعد میں دیر تک اثر پور اور اس کے نواح میں چکر لگاتا رہا۔ ایک بار لال کوٹھی کی طرف بھی گیا تھا لیکن بے سود............ یہ جگہ ایسے چھوٹے

چھوٹے کاموں کے لئے بہتر ہو سکتی ہے جیسا میں نے پچھلے دن انجام دیا۔ اس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں ہو سکتی تھی۔ دوپہر کا کھانا بھی میں نے ایک ریستوران میں کھایا اور کافی دیر وہاں گزارنے کے بعد واپس محل آگیا۔ محل میں داخل ہوتے ہی مجھے رانی صاحبہ کا پیغام ملا اور میں ان کی خدمت میں پہنچ گیا تھا"۔ آپ کہیں چلے گئے تھے مسٹر شباب!"

"جی............ کوئی خدمت............؟"

"کیا ہو رہا ہے آجکل............؟"

"اثر پور کے نواح کی سیر"۔ میں نے جواب دیا اور رانی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "ہماری زندگی میں خوشیاں بہت کم ہیں مسٹر شباب! ہم خوش رہنا چاہتے ہیں، حالات سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن تقدیر ہمارا ساتھ نہیں دیتی............ یقین جانیں ہم صرف اتنا جاننے کے خواہش مند ہیں کہ ہمارے دشمن ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر وہ کھل کر سامنے آ جائیں اور ہم سے بات کریں تو ہم وہ کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے!"

"مجھے یقین ہے رانی صاحبہ! اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا!!"

"آپ کی باتیں دل کو بڑا سہارا دیتی ہیں۔ بہرحال شباب صاحب! میں نے ایک پروگرام ترتیب دیا ہے اور آپ بھی اس میں شریک ہوں گے!"

"کیا پروگرام ہے یور ہائی نس؟"

"شکار سے دلچسپی رہی ہے آپ کو؟"

"عملی زندگی کی مصروفیات نے اجازت نہیں دی۔ البتہ انسانوں کا شکار تو پیشہ بن گیا ہے!"

"چلئے آیئے آپ کو جانوروں کے شکار سے روشناس کرائیں۔ دراصل ان حالات میں ایسی کسی تفریح کی گنجائش تو نہیں تھی لیکن میرے چند دوست آسٹریلیا سے آئے ہوئے ہیں۔ پرنس کلاریا میری عزیز دوست ہے اور شکار کی بے حد شوقین۔ اس کی فرمائش پر میں نے یہ پروگرام ترتیب دیا ہے"۔

"اگر صرف تکلفاً آپ نے میرا نام لکھ دیا ہے تو براہ کرم اسے کاٹ دیں۔ ہاں اگر آپ کے مشاغل میں حارج نہ ہوؤں تو ٹھیک ہے"۔

"قطعی حارج نہیں ہوں گے، اگر ان حالات سے نکل آئی اور جانبر ہو سکی تو ایک

دوست کی حیثیت سے آپ کو یہاں رکھوں گی۔ میں بہت زندہ دل ہوں"۔

"یقیناً یور ہائی نس .... ہم شکار کو کب چل رہے ہیں؟"

"آج ہی شام کو .... سخاوہ کے جنگلات یہاں سے صرف تین میل دور ہیں۔ بہترین شکار گاہ ہے جہاں درندے تک مل جاتے ہیں"۔

"تین روزہ پروگرام ہے"۔

"بہتر........... میں حاضر ہوں!" میں نے جواب دیا۔

"بس اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دی تھی اور ہاں رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایئے۔ مہمانوں سے آپ کا تعارف بھی کرانا ہے..........."

"بہتر..........." میں نے جواب دیا اور رانی صاحبہ کے کمرے سے نکل آیا۔ زندگی کے خطرے میں گھری ہوئی عورت .... سیر و شکار کے لئے جا رہی ہے........... میں نے سوچا...........یوں لگتا ہے جیسے کسی پاگل خانے میں آگیا ہوں۔ عجیب و غریب حالات تھے۔ لیکن صاحب دولت کمانا آسان کام تو نہیں ہے۔ آپ سب جانتے ہوں گے' دل و دماغ کا کچھ بھی حشر ہو۔

رات کو ایک خوبصورت سا سوٹ پہن کر میں ڈنر ہال میں پہنچ گیا جہاں رانی آف اثر پور اپنے مہمانوں کے ساتھ موجود تھیں۔ آسٹریلوی مہمانوں سے تعارف ہوا۔ دعوت میں عادل درانی بھی موجود تھا۔ حالانکہ پرکشش شخصیت کا مالک تھا لیکن میرے سامنے اس کی شخصیت کچھ دب گئی تھی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ اس وقت ان سارے لوگوں میں کوئی بھی مجھ جیسا نہیں تھا۔ آسٹریلوی شہزادی کلاریا نے مجھے خاص نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اور پھر طعام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پرنسس کلاریا نے جھک کر رانی صاحبہ سے کچھ کہا تھا اور رانی صاحبہ نے مسکرا کر میری طرف دیکھا تھا لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ کیا معاملہ ہے؟ ہاں رات کو تقریباً گیارہ بجے ایک ملازمہ نے مجھے رانی صاحبہ کا پیغام دیا تو چونک پڑا۔ بہرحال تیار ہو کر محل پہنچ گیا۔ یہ بھی محل کا ایک خاص حصہ تھا اور یہاں آسٹریلوی مہمان موجود تھے۔ ہال سے باہر میری ملاقات عادل درانی سے ہوئی اور میں نے اسے کہا۔ "ہیلو عادل صاحب!"

"ہیلو!"........... اس نے سرد آواز میں کہا۔

"یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

"ملازم آدمی ہوں' یہاں میری ڈیوٹی ہے"۔ اس نے جواب دیا۔ "یہاں محفل طرب ہے اور آپ شاید یہاں کے مہمان خصوصی"۔ اس نے تلخ لہجے میں کہا اور میں نے ہونٹ سکیڑ کر شانے ہلائے۔ اندر داخل ہوا تو موسیقی کی لہریں کانوں سے ٹکرائیں۔ ماحول خوابناک تھا۔ مدہم روشنی میں انسانی سائے رقصاں تھے۔ ریکارڈ بج رہا تھا اور پرنسس کلاریا اپنے ایک ساتھی کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ رانی ایک دوسرے آسٹریلوی مسٹر ہوٹ

کے ساتھ بیٹھی تھی۔ دونوں کے درمیان شراب کا ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ صرف ہوٹ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر رانی آف اثر پور مسکرانے لگی اور پھر اس نے مجھے دوسری کرسی پر بیٹھنے کی پیش کش کی اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"تمہارے لئے گلاس منگواؤں مسٹر شہاب!"

"نہیں شکریہ۔ شراب میرے حواس منتشر کر دیتی ہے اس لئے.........." میں نے ادب سے معذرت کی۔

"تکلف کی ضرورت نہیں!"

"معذرت چاہتا ہوں!" میں نے اسی انداز میں کہا۔

"عجیب ہو تم لوگ.......... میرا خیال ہے یہاں کے زیادہ تر لوگ شراب نہیں پیتے۔ لیکن مجھے حیرت ہے جی کیسے لیتے ہیں"۔ ہوٹ نے کہا۔

"جس طرح آپ شراب پی کر جی لیتے ہیں مسٹر ہوٹ!" میں نے جواب دیا اور رانی بے اختیار ہنس پڑی۔ ہوٹ نے مسکرا کر شانے ہلائے تھے۔ تب رانی نے میری طرف جھک کر اردو میں کہا۔ "پرنس کلاریا نے تمہارے ساتھ رقص کرنے کی خصوصی فرمائش کی ہے۔ میرا خیال ہے وہ تم سے بہت متاثر ہے"۔ میں نے اس بات کا جواب نہیں دیا تھا کہ دونوں رقص کرنیوالے ہمارے نزدیک آگئے۔ میں نے کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی تو کلاریا نے مجھے بیٹھے رہنے کے لئے کہا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ لوگوں کا تعارف تو کھانے کی میز پر ہی ہو گیا تھا"۔ مزید یہ کہ مس کلاریا نے آپ کے ساتھ رقص کی خواہش ظاہر کی ہے"۔ رانی نے کہا۔

"کیا میں اسے آپ کا حکم سمجھوں رانی صاحبہ..........؟" میں نے اردو میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟" شاہانہ نے تعجب سے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ کیا یہ بھی میرے پیشہ وارانہ عارضی تقرر کی کوئی ذمہ داری ہے؟"

"ارے نہیں.......... یہ تو .... یہ تو سو فیصدی تفریحی مشغلہ ہے ان لوگوں کا اس سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس کلاریا کی ایک دوست کی حیثیت سے میں نے اس کی یہ فرمائش پوری کی تھی"۔

"بھئی کیا گفتگو کرنے لگے تم دونوں' یہ غلط بات۔ ہے ہماری بھی سمجھ میں آنا

چاہئے"۔

"میں عرض کر رہا تھا مس کلاریا! کہ اول تو میں رقص سے نابلد ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بلند پایہ لوگوں کے درمیان کم حیثیت لوگوں کو محتاط رہنا چاہئے۔ یوں بھی میں نچلے درجے کا انسان ہوں"۔

"یہ تنگ نظری ہے مسٹر شہاب! آپ کی شخصیت بہت سے بلند پایہ لوگوں سے کہیں زیادہ جاذب نگاہ ہے اور میں نے آپ کو اپنی دوستی کے لئے پسند کر لیا ہے"۔

"اس کے باوجود میں نے پوری زندگی نہ تو شراب پی اور نہ رقص کیا"۔

"اوہ' میں نے کسی مذہبی آدمی کو اتنا اسمارٹ نہیں دیکھا۔ بہرحال جیسی آپ کی مرضی.......... آپ ہمارا ساتھ تو دے سکتے ہیں؟" کلاریا نے ہوشربا نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کیوں نہیں' حاضر ہوں"۔ میں نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ رانی اس دوران خاموش رہی تھی۔ پھر ان دونوں نے بھی اپنے لئے شراب کے گلاس بنائے اور کلاریا اپنا گلاس ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک گئی۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے رانی آف اثر پور کو دیکھا۔ "تم بھی نہیں پیو گی؟"

"یقین کرو کلاریا! عرصہ ہوا چھوڑ چکی ہوں"۔

"میں کچھ عجیب سی محسوس کر رہی ہوں"۔ کلاریا نے اپنا گلاس رکھ دیا اور رانی چونک پڑی۔

"کیوں.......... کیا بات ہے؟"

"یوں لگتا ہے شاہانہ! جیسے تم کچھ محتاط ہو گئی ہو۔ میرے آنے سے تم جس قدر خوش ہوئی تھیں' اب نہیں ہو۔ کسی بھی سلسلہ میں تم نے اب تک اس تپاک کا مظاہرہ نہیں کیا جو تم کرتی تھیں"۔

"ارے کلاریا! یہ تم کس انداز میں سوچنے لگیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا؟"

"مجھے اس کی وجہ بتاؤ گی شاہانہ!"

"ضرور.......... اگر پوچھو گی!" رانی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں میرے ذہن میں ایک خلش پیدا ہو گئی ہے۔ اب مجھے اس وقت تک کچھ

اچھا نہیں لگے گا جب تک میں اس بارے میں مطمئن نہ ہو جاؤں"۔ کلاریا نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں، میرے ذہن میں ایک خلش پیدا ہوگئی ہے۔ اب مجھے اس وقت تک کچھ اچھا نہیں لگے کہ جب تک میں اس بارے میں مطمئن نہ ہو جاؤں"۔ کلاریا نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"مشرق کی اقدار کسی قدر مختلف ہیں۔ میں ایک ایسی عورت ہوں جس کا شوہر مرچکا ہے۔ بدقسمتی سے بوڑھی نہیں ہوں، اس لئے میری طرف اٹھنے والی نگاہوں میں شبہ چھپا ہوتا ہے اور میں اس شبہ کو آنکھوں سے زبان تک آنے کا موقع نہیں دینا چاہتی!"

"فضول، بکواس.......... یہ ساری باتیں احمقانہ ہیں۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا.......... تھوڑی سی سہی.......... ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گی اور پھر یہاں کون ہے۔ کیا مسٹر شہاب تمہارے لئے ناقابل اعتبار شخصیت رکھتے ہیں!" کلاریا نے کہا۔

"اوہ.......... یہ بات نہیں ہے۔ لیکن.........." رانی آف اثر پور نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "لیکن ایک شرط پر!"

"کیسی شرط؟" کلاریا نے پوچھا۔

"خود مسٹر شہاب بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں گے"۔

"یہ تو کوئی بات نہیں مانتے.......... تم کیسی حکمران ہو۔ انہیں مجبور نہیں کرسکتیں! کلاریا نے پھر میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھا.......... "کیوں شہاب صاحب! اگر میں آپ کو مجبور کروں گی تو آپ مجبور ہو جائیں گے؟" رانی صاحبہ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور ہو جاؤں گا لیکن اس کے بعد آپ کو خود افسوس ہوگا۔ شراب میرے حواس بہت جلد چھین لیتی ہے"۔

"کبھی کبھی خود کو تنہا چھوڑ دینا بھی ضروری ہے"۔

"اگر آپ کا اصرار ہے تو ٹھیک ہے لیکن نتائج کے لئے آپ مجھے قصور وار نہیں ٹھہرائیں گی"۔ میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"منظور ہے!" رانی صاحبہ کی بجائے کلاریا نے کہا۔ اور پھر دو گلاس اور آگئے اور میں ان کے ساتھ مصروف ہوگیا لیکن خوف کا احساس میرے ذہن کے گوشوں میں پنہاں تھا۔ آج میری شخصیت کا بھرم کھل جائیگا۔ میں سوچ رہا تھا۔ شراب کے کئی پیگ میرے

حلق میں اتر گئے۔ لیکن نہ جانے آج کیوں مجھ پر سنجیدگی طاری تھی۔ وہی خوف، وہی کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ عقل و ذہن ساتھ تھے لیکن اعضاء کی بغاوت کا خطرہ تھا۔ وہ سب ابھی تک ہوش و حواس کے عالم میں تھے۔

"آپ ضرورت سے زیادہ خاموش ہیں شہاب صاحب اور خوب بے وقوف بنا رہے تھے آپ ہمیں.......... آپ پر تو ابھی تک کوئی اثر نہیں ہے"۔ کلاریا نے کہا۔ میں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ "بس ڈارلنگ! اب میں سونا چاہتی ہوں"۔ وہ ایک ہوشربا انگڑائی لے کر بولی۔

"ہاں، رات کافی گزر چکی ہے!" رانی آف اثر پور کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔

"ڈیئر! کیا تم مجھے میرے کمرے تک چھوڑ دوں گے؟" کلاریا نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا اور میں مشینی انداز میں اٹھ گیا۔ کلاریا بھی مچل کر اٹھ گئی تھی۔ پھر ہم دونوں خاموشی سے باہر نکل آئے۔ کلاریا کی چال میں کسی قدر لڑکھڑاہٹ تھی۔ ویسے وہ بھرے بھرے بدن کی ایک حسین عورت تھی اور اس وقت اس کی چال میں بے حد دلکشی تھی لیکن مغربی تہذیب کی پروردہ یہ لڑکی کیا عورت کہلانے کی مستحق ہے؟" اس نے کس بے باکی سے اپنے جذبات کا اظہار کردیا اور دوسرے بہت سے لوگوں کے سامنے مشرق کو رسوا کر دیا۔ احمق کہیں کی۔ مجھے لوٹ کا مال سمجھتی ہے۔ سوچتی ہے میں عورت ہوں، اس لیے ہر مرد میرا تابع ہے، مشرق کی روایات سے نابلد۔

کلاریا میرا ہاتھ تھامے تھامے اندر داخل ہوگئی۔ اس نے کمرے میں روشنی کر دی اور دروازہ بند کر دیا۔

"تم بھی یہیں سوجاؤ ڈارلنگ! مجھے تنہا سونے کی عادت نہیں ہے"۔

اس نے مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور مجھے چڑھ گئی۔

"پرنس کلاریا! رنگوں کے فرق سے واقف ہو۔ سفیدی اور سنولاہٹ میں یہی تو فرق ہے۔ میں مشرق کا ایک مرد ہوں اور تم مغرب کی عورت۔ کفر و اسلام میں یہی تو ایک جنگ ہے۔ ہم انسان کی پاکیزگی کے امین ہیں اور تم.......... تم کیا ہو کلاریا یہ خود محسوس کرو۔ اس وقت اس کمرے میں کفر و اسلام کے درمیان جنگ ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی ہوں۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر"۔ میرے سینے میں مذہب کا تقدس موجزن تھا۔ میں

نے کلاریا کو اٹھا کر دروازے سے باہر پھینک دیا۔ وہ بری طرح چیخ پڑی تھی۔ "کفر کو اسلام کے مقابلے میں ہمیشہ شکست اٹھانی پڑتی ہے"۔ .... میں نے گھونسہ لہراتے ہوئے کہا.......... باہر کیا ہو رہا تھا' مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر دروازہ بند کیا۔ آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ لیکن میں اطمینان سے کلاریا کے بستر پر لیٹ گیا۔ میں نے فتح پائی تھی اور ایک فاتح کی شان سے بستر پر دراز تھا۔ دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک بار' دوبار' اور پھر تیسری بار.......... کافروں کے گروہ صلح کی درخواست لے کر آئے تھے۔ میں اللہ اکبر کہتا ہوا بستر سے اتر آیا۔ دوازے کے قریب پہنچ کر میں نے جھکتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہو اور کیوں آئے ہو؟"

"دروازہ کھولو شہاب! یہ میں ہوں"۔ آواز شاید رانی آف اثر پور کی تھی۔

"یہاں کوئی شہاب نہیں ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی ہوں۔ اگر تم عیسائیوں کی جانب سے صلح کا پیغام لے کر آئی ہو تو میں اسے مسترد کرتا ہوں۔ میرے اور عیسائیوں کے درمیان فیصلہ میدان جنگ میں ہوگا!"

"شہاب دروازہ کھولو۔ پلیز دروازہ کھولو"۔ باہر سے رانی آف اثر پور کی آواز سنائی دی۔

"میں نے کہا نا یہاں شہاب نام کا کوئی شخص نہیں رہتا۔ اگر تم صلاح الدین ایوبی سے ملنے آئی ہو' تب بھی دن کی روشنی اس سے ملنے کے لئے بہتر رہے گی۔ رات کی تاریکی میں کوئی نسوانی آواز مجھے متاثر نہیں کرسکتی"۔ میں نے کہا اور دروازے کے قریب سے ہٹ آیا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہا ہو۔ مجھے اس کا پتہ نہیں تھا۔ میں بستر پر آرام سے سوگیا تھا۔ دوسری صبح خادماؤں نے ہی مجھے جگایا۔ دستک سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو محل کی خادمائیں کھڑی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" میں نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"دن نکل آیا ہے جناب! ناشتے کے لئے طلب کیا گیا ہے"۔

"ایں.........." میں نے تعجب سے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھا اور پھر کہا۔ "ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ' میں آتا ہوں"۔ لیکن واپس مڑتے ہی میں بری طرح چونک گیا۔ یہ میرا کمرہ تو نہیں تھا۔ میں کہاں تھا؟ اور پھر کمرے کو دیکھ کر چند واقعات میرے ذہن کے پردے پر ابھر آئے اور دوسرے لمحے میں سن رہ گیا۔ بڑی عجیب بات تھی' نشے

کے عالم میں میں جو کچھ کرتا تھا' وہ میرے ذہن سے محو نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ خود اس وقت میری یہ کیفیت ہوتی تھی کہ میں خود کو روکنے کی انتہائی کوشش کرتا لیکن اعصاب' زبان کی جنبش میری مرضی کے خلاف ہوتی۔ رات کے تمام واقعات مجھے یاد آگئے تھے۔ رانی آف اثر پور کے ساتھ شراب کے چند پیگ' اور اس کے بعد میری جو حالت ہوئی تھی۔ میں نے تو کلاریا کو اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ یہ تو بہت برا ہوا۔ رانی آف اثر پور کی نگاہوں میں میری پوزیشن خراب ہوگئی تھی۔ چند لمحات میں پریشانی سے سوچتا رہا کہ رات کے ان کے واقعات کو کس طرح نبھایا جائے۔ پھر مجھے یاد آیا میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ شراب میرے اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے اور میں خود پر قابو نہیں پاسکتا اس میں میرا کیا قصور تھا۔ رانی صاحبہ نے مجھے مجبور کردیا تھا۔ میں نے لاپرواہی سے شانے جھٹکے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا' لباس درست کیا' بال کاڑھے' اور اپنے لباس کو جھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس وقت دوسرا لباس پہننے کا موقع بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ملازموں کی اطلاع کے مطابق رانی صاحبہ ناشتے کے کمرے میں پہنچ چکی تھیں۔

جب میں ناشتے کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں موجود لوگوں کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی تھی۔ خود کلاریا بھی مسکرا رہی تھی۔ میں نے اطمینان کی گہری سانس لی اور ان لوگوں کی یہ بات مجھے خاصی پسند آئی۔ ناراض ہونے کی بجائے وہ میری رات کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میرے اندر ایک شرمندگی سی پیدا ہوگئی۔ تب میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا' رانی صاحبہ جو عام طور سے بہت کم مسکراتی تھیں' بے اختیار مسکرائے جا رہی تھیں۔ میں نے ایک بار شرمندہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا اور بولا۔

"رات کے واقعات میرے ذہن کے پردے پر محفوظ ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس کس سے معافی مانگوں؟"

"اوہ' مسٹر شہاب! کلاریا بہت کشادہ ذہن کی مالک ہے۔ آپ نے خود ہی کہا تھا کہ شراب آپ کے اعصاب کشیدہ کردیتی ہے!" رانی صاحبہ نے کہا۔

"ہائے میں تو ساری رات یہ سوچتی رہی کہ صلاح الدین ایوبی نے بالآخر میرا کمرہ بھی فتح کرلیا اور اس کی واپسی کے مذاکرات کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ اب اتنے دن دوسروں کے کمروں میں کیسے گزاروں گی۔ اس کے علاوہ کمر کی چوٹ بھی بہت دکھ رہی

ہے لیکن تاریخ کے ایک باب کی نقاب کشائی کے لئے میں مسٹر شہاب کی شکر گزار بھی ہوں۔ کم از کم یہ اندازہ ہوگیا کہ مسلمان صلاح الدین نے انگریزوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا؟" کلاریا نے کہا اور بے تحاشہ ہنس پڑی۔

دونوں آسٹریلوی مرد شاید اس بات سے زیادہ لطف اندوز نہیں ہوئے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر پھیکی پھیکی مسکراہٹ آتی رہی۔ پھر ناشتہ شروع ہوگیا اور خاموشی سے جاری رہا۔ ناشتے کے اختتام پر رانی صاحبہ نے کہا۔ "آپ بھی تیاریاں مکمل کرلیں مسٹر شہاب! ہم چند روز جنگل میں گزاریں گے۔ اس دوران کے لئے آپ جو سامان بھی لینا چاہیں' اسے پیک کرکے ملازم کے حوالے کردیں"۔

"بہت بہتر!" میں نے جواب دیا۔ اور ناشتے کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ رات کے واقعات میرے ذہن میں گردش کررہے تھے اور میں عجیب سی کیفیت محسوس کررہا تھا۔ رانی صاحبہ کا کردار بھی انوکھا تھا۔ رات کو مجھے کلاریا کے لئے بلوایا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلاریا نے رانی کو اپنے مقصد سے آگاہ کیا ہوگا اور رانی نے اس کی خواہش پوری کردی۔ انوکھی بات تھی۔ ممکن ہے شکار کے لئے بھی کلاریا کی فرمائش پر دعوت دی گئی ہو۔ پچھلی رات میں صلاح الدین ایوبی بن گیا تھا۔ لیکن جنگل کی راتوں میں اگر مس کلاریا نے رومانی ہونے کی کوشش کی تو .... میری آنکھوں میں شرارت کی چمک پیدا ہوگئی۔ کیا حرج ہے.......... ایسی تقریبات تو زندگی کے منتشر تار جوڑتی ہیں۔ پرنس کلاریا بھی میری یاد اپنے سینے میں لیکر اپنے وطن جائیں گی لیکن رانی .... میں نے ایک گہری سانس لی اور ضرورت کا سامان پیک کرنے لگا۔

شکار کا بندوبست رانی کے شایان شان تھا۔ چھ جیپیں تھیں جن میں سے دو جیپوں پر تو صرف سامان بھرا ہوا تھا۔ چار جیپوں میں سے ایک میں ہم تمام لوگ سوار تھے اور دوسری تین جیپوں میں دوسرے ملازم۔ عادل درانی بھی تھا جو ایک جیپ میں موجود تھا اور وہ جیپ ہماری جیپ کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے ملازم جو ضروری کاموں کے لئے ساتھ لے گئے تھے۔ یہ شخص یعنی عادل درانی اس رات کے بعد سے مجھے نمایاں طور پر کشیدہ محسوس ہوتا تھا۔ میری جانب اٹھنے والی نگاہیں خشمناک ہوتی تھیں اور اس کے ہونٹوں پر ایک تنفر آمیز مسکراہٹ صاف نظر آتی تھی۔ چند لمحات کے لئے میں نے اس کے بارے میں یہ بھی سوچا تھا کہ ممکن ہے رانی صاحبہ کے خلاف سازش میں یہ

شخص بھی ملوث ہو لیکن اس کے لئے کوئی ثبوت حاصل کرنا ضروری تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ اتنے دن اس محل میں گزارنے کے باوجود میں ابھی تک کوئی مناسب نکتہ تلاش نہیں کرسکا تھا اور اب یہ شکار کی بیخ نکل آئی تھی۔

رانی کا کردار بھی واقعی عجیب تھا۔ یا تو یہ سمجھا جائے کہ حالات اور ماحول سے وہ اس قدر سمجھوتہ کرچکی تھی کہ اب خطرات اس کے لئے ثانوی حیثیت رکھتے تھے اور زندہ دلی کو انسان کہاں لے جائے۔ تقدیر نے اسے شروع ہی سے پیسا تھا۔ جیسا کہ اس نے چند الفاظ میں مجھے بتایا کہ نواب فیروز اس سے عمر میں کہیں زیادہ تھا اور عمروں میں تفاوت کے باوجود ایک حادثے کے تحت وہ اس کی بیوی بن گئی تھی۔ ظاہر ہے رانی آف اثر پور نواب فیروز سے خوش نہیں تھی۔ اس ناخوشی کو اس نے نہ جانے کس کس انداز میں برداشت کیا ہوگا اور نواب فیروز کی موت کے بعد اسے ورثہ میں جو کچھ ملا تھا' وہ بھی اس کے لئے تکلیف دہ ہی ثابت ہوا تھا۔ یہ سازشیں کم از کم ایک عورت کے لئے ناقابل برداشت ہی تھیں.......... تو اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ بہرصورت انسان ہی تھی' اور اس اقتدار کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی جو اس نے ساری زندگی کی خوشیاں داؤ پر لگا کر حاصل کیا تھا اور اب اس کے چند دشمن اس سے اس کا وہ مقام بھی چھین لینا چاہتے تھے جو اس نے برسوں کی محنت اور کاوش کے بعد حاصل کیا تھا! ان حالات میں خوش مزاجی قائم رکھنا مشکل کام ہے لیکن انسان اپنی تمام تر حیثیتوں سے قطع نظر انسان ہوتا ہے۔ ان تمام خواہشات کا غلام جو انسانی ذہن میں پیدا ہوسکتی ہیں۔ گو وہ خود کو کافی لئے دیئے رکھتی تھی لیکن کبھی کبھی اس کی ذات سے ایک نامعلوم عورت جھانکنے لگتی تھی۔

جیپ ناہموار راستوں سے گزرتی رہی۔ مناظر بے حد حسین تھے اور تینوں آسٹریلوی باشندے ان سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ میں نے کئی بار رانی کو اپنی طرف متوجہ پایا لیکن خود میں نے اس کی جانب نہیں دیکھا اور سامنے دیکھتا رہا۔ "بڑی خاموشی ہے"۔

تھوڑی دیر کے بعد رانی صاحبہ نے اس جمود کو توڑا اور سب جاگ اٹھے۔

"تم نے اثر پور کو کچھ اور دلکش بنا دیا ہے شاہانہ"۔ کلاریا نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں' اثر پور کے نواح کا حسن نکھرتا جارہا ہے"۔ رانی صاحبہ نے کہا اور اس کے

لہجے میں ایک یاسیت سی ابھر آئی۔

"کچھ اور کہنا چاہتی تھیں تم؟" کلاریا اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں............ کچھ نہیں............ بس پچھلے کچھ دنوں سے میرے خلاف سازشیں ہونے لگی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ صرف چند دشمنوں کی شرارت ہے ورنہ میرے عوام مجھ سے ناخوش نہیں ہیں۔ وہ آج بھی مجھے بہت چاہتے ہیں؟"

"اوہ' کیا تمہارے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے؟" کلاریا نے تشویش سے پوچھا۔

"ہاں نواب فیروز اپنی موت کے بعد بڑی ذمہ داریاں ڈال گئے ہیں میرے اوپر!" رانی صاحبہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے' تم نے یہ بات پہلے مجھے کیوں نہیں بتائی کہ تم پریشان ہو۔ میں بھی سوچتی رہی کہ تم کھنچی کھنچی سی ہو"۔

"نہیں کلاریا! یہ تمہاری غلط فہمی تھی............ باقی اور تمہیں کیا بتائی؟"

"کون لوگ ہیں' معلوم نہیں ہوسکا؟"

"ابھی تک نہیں پتہ چل سکا۔ میرا خیال ہے اس ذکر کو جانے دو اور ان الجھنوں اور پریشانیوں کو ہم محل میں چھوڑ آئے ہیں۔ خواہ مخواہ یہ تصور پھر میرے ذہن کو پراگندہ کر دے گا!" رانی نے کہا اور کلاریا خاموش ہوگئی' لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ تیس میل کا فاصلہ ایک گھنٹے میں طے ہوگیا۔ چونکہ راستہ ناہموار تھا اس لئے جیپوں نے سست روی سے سفر کیا۔ بالآخر ہم گھنے جنگلوں میں داخل ہوگئے۔ انتہائی حسین علاقہ تھا۔ جنگلات کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان سے پرے برف پوش پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ جگہ جگہ ہرنوں کے غول' بارہ سنگھے اور چیتل نظر آتے تھے۔ گویا یہ شکار گاہ شکار سے بھری ہوئی تھی۔

"یہ شکار گاہ تو تمہاری ملکیت ہے!" کلاریا نے پوچھا۔

"ہاں تھوڑے فاصلے پر ایک پہاڑی ندی ہے جس کے ایک کنارے پر ایک بہت بڑی چٹان دیوار کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ بس اس کے سائے میں ہم اپنا شکاری کیمپ لگائیں گے!"

"درندے بھی ہوں گے یہاں؟"

"ہاں ریچھ اور دوسرے چھوٹے جانور نظر آ جاتے ہیں۔ شیر کبھی کبھی پہاڑوں کی

سمت سے آجاتا ہے۔ میں اسے شکار کروا لیتی ہوں۔ میں اس جنگل میں شیر اور چیتے نہیں چاہتی!"

"قرب و جوار میں آبادیاں بھی ہوں گی؟"

"نہیں جنگلوں کے بعد پہلی آبادی اثر پور کی ہے۔ پہاڑیوں سے تقریباً سو میل دور تک کوئی آبادی نہیں ہے"۔ رانی صاحبہ نے جواب دیا۔ جیپیں اس ندی کے قریب پہنچ گئیں۔ کنارے پر ایک چٹانی دیوار نظر آ رہی تھی۔ سیاہ رنگ کی ایک بہت بڑی چٹان دریا میں چلی گئی تھی اور پانی اس سے ٹکرا ٹکرا کر گزرتا تھا۔ اسی چٹان کے سائے میں جیپیں روک دی گئیں اور ملازمین جلدی جلدی چٹان کے نزدیک خیمے نصب کرنے لگے۔ خوبصورت رنگین شمعوں سے ماحول اور خوبصورت ہوگیا۔ درمیان میں رانی صاحبہ کا خیمہ تھا۔ اس کے دونوں طرف ہمارے خیمے لگائے گئے تھے۔ میرا خیمہ رانی صاحبہ کے خیمے کے بائیں طرف تھا اور اس کے بعد عادل درانی کا خیمہ تھا۔ دائیں سمت آسٹریلوی مہمانوں کے خیمے تھے اور اس کے بعد ملازموں کے۔ چھوٹی سی آبادی ہوگئی تھی۔ حالانکہ یہاں میری آمد کا مقصد کچھ اور تھا۔ عام حالات میں ہمیں ایسی دلچسپیوں سے واسطہ نہیں پڑتا تھا بلکہ زندگی کسی قدر کھردری ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن فطرت اور نظارے کس پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ یہی تو انسان اور پتھر کی تخصیص ہے۔ چنانچہ اس حسین ماحول میں میرے ذہن پر بھی ایک سرور انگیز کیفیت طاری ہوگئی تھی اور پھر یہاں خصوصی توجہ مل رہی تھی۔ کلاریا کی دلچسپی کی وجہ سے رانی صاحبہ بھی کسی قدر بے تکلف ہوگئی تھیں۔ آسمان ابر آلود تھا۔ دوپہر کا کھانا کھلے آسمان کے نیچے ندی کے شفاف کنارے پر کھایا گیا۔ اس دوران دلچسپ گفتگو ہوتی رہی تھی۔ عادل درانی ہماری کمپنی میں شریک نہیں ہوتا تھا حالانکہ وہ ایک اہم عہدیدار تھا لیکن بہرحال رانی صاحبہ اثر پور کا ملازم تھا اور ملازموں کو یہ حیثیت نہیں دی جاسکتی تھی۔ کھانے کے بعد آرام کی ٹھہری۔ پروگرام طے ہوا تھا کہ چار بجے تک آرام کیا جائے اس کے بعد شکار پر نکلا جائے۔ میں بھی اپنے خیمے میں چلا گیا۔ آرام کے لئے فولڈنگ بیڈ موجود تھا۔ اس کے علاوہ کینوس کے اسٹول بھی رکھے ہوئے تھے۔ میں نے جوتے وغیرہ اتارے اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ خیمے کا پردہ ہٹا کر کلاریا اندر داخل ہوگئی۔ اس کی یہ بے تکلفی مجھے بڑی عجیب لگی تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "سلطان صلاح الدین واقعی بے حد

ہوشیار اور مستعد ہے شب خون بھی ناکام رہا"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ نے دن کے وقت شب خون مارنے کی کوشش کی ہے"۔ میں نے کہا۔

"ارے ہاں! صلیبی جنگوں میں یہ غلطی ہوئی ورنہ سلطان ناقابل تسخیر نہیں تھا!"

"سلطان ناقابل تسخیر تھامس کلاریا!" میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"تب تو میرے لئے بڑی مشکل ہوگئی"۔ کلاریا ایک اسٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں' آپ کو کیا مشکل پیش آگئی؟"

"فرض کرو' میں تمہیں تسخیر کرنا چاہوں؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو ایک معمولی حیثیت کا انسان ہوں۔ اتنا کم ظرف کہ شراب کے چند پیگ پی کر اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھنے لگتا ہوں"۔

"ویسے تمہاری شخصیت کافی پراسرار ہے۔شاہانہ نے بھی تمہارے بارے میں کھل کر نہیں بتایا حالانکہ وہ میری بے تکلف دوست ہے!"

"میں کوئی قابل ذکر شخصیت ہی نہیں ہوں"۔

"خیر میں یہ بات تسلیم نہیں کروں گی۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو تم ان محفلوں میں شریک نہ ہوتے۔ شاہانہ اپنے معیار کا کافی خیال رکھتی ہے۔ اور مجھے اس سے غرض بھی نہیں کہ تم کون ہو' بس جو کوئی بھی ہو' مجھے پسند آئے ہو"۔ کلاریا نے بے تکلفی سے کہا۔ حالانکہ اس سے قبل میں نے سوچا تھا کہ کلاریا کے ساتھ جنگل کا ماحول کچھ اور دلچسپ ہو جائیگا لیکن .... شاید میری فطرت نے اس کی برتری قبول نہیں کی تھی۔ اس نے مجھے کوئی کمتر شے سمجھا تھا' اس لئے ایک بار میرے دل میں اس کی شخصیت سے بغاوت ابھر آئی۔ "پسندیدگی کا شکریہ" میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"خود تمہارے نزدیک میں کیا حیثیت رکھتی ہوں؟" کلاریا نے لگاوٹ سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔ آپ رانی صاحبہ کی مہمان ہیں' میں آپ کی عزت کرتا ہوں' اور بس ....!"

"نہ جانے تم کیسے انسان ہو' میں تمہارے قریب آنا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں اپنے قرب سے نوازنا چاہتی ہوں لیکن تم مسلسل اجتناب برت رہے ہو۔ تم مجھے پسند آگئے ہو۔

ممکن ہے میں تمہیں اپنے ساتھ آسٹریلیا چلنے کی پیش کش بھی کردوں۔ تم میری حیثیت سے واقف نہیں ہو۔ اتنے بڑے بڑے لوگ میرا التفات حاصل کرنا چاہتے ہیں جو شہر کے شہر خرید کر پھینک دیں لیکن وہ میری ایک نگاہ التفات کے حصول میں ناکام رہے ہیں۔ تم اس عزت کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو میں تمہیں دینا چاہتی ہوں"۔

"آپ بھی میری حیثیت سے واقف نہیں ہیں خاتون کلاریا! اور نہ میں آپ کو واقف کرانا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے چند بیوقوف آپ کے دیوانے ہوں' لیکن میں ان میں شامل نہیں ہوں۔ میں آپ کو اس حیثیت سے قطعی ناپسند کرتا ہوں"۔

"تم میری توہین کررہے ہو"۔

"جی نہیں' میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں"۔ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا اور کلاریا مجھے خونخوار نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں تم سے اس توہین کا انتقام لوں گی' میں تم سے بہت کچھ چھین لوں گی۔ تم اس محل میں نہ رہ سکو گے!"

"اطلاع کا شکریہ!" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "ویسے میں آپ کے خیمے میں ہوتا تو فوراً باہر نکل جاتا!"

"اوہ! تم گدھے ہو.......... ذلیل انسان ہو"۔

"اگر آپ عورت نہ ہوتیں تو میں آپ کی زبان کھینچ کر باہر پھینک دیتا۔ تاہم اگر آپ دس سیکنڈ کے اندر یہاں سے نہ نکل گئیں تو میں آپ کی کمر پر اتنی زور دار لات رسید کروں گا کہ آپ میرے خیمے سے پرواز کر جائیں گی!"

"اوہ ....اوہ .... کلاریا دانت پیستی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں اطمینان سے اپنے بستر پر دراز ہوگیا تھا۔ جس انداز میں وہ گئی تھی' اس سے تو یہی اظہار ہوتا تھا کہ ابھی پستول لے کر آئے گی اور میرے اوپر خالی کردے گی۔۔۔۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور وقت گزر گیا۔

ٹھیک چار بجے شکار کی تیاریاں ہونے لگیں اور پھر ہم شکار کے لئے چل پڑے۔ کلاریا بھی ساتھ تھی لیکن غضب کی عورت تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے رانی کو کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ عورت اپنی توہین کی داستان کبھی کسی عورت کو نہیں سناتی لیکن اس کے چہرے پر تو تکدر بھی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح خوش و خرم تھی' البتہ اس دوران اس نے

ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا۔ شکار کھیلا گیا۔ دو ہرن شکار کئے گئے۔ ان میں سے ایک رانی نے شکار کیا تھا اور دوسرا کلاریا کے ساتھی ہوٹ نے۔ پھر چند پرندوں کے شکار کئے گئے۔ عادل درانی بھی ہمارے ساتھ تھا۔ لیکن حسب حیثیت وہ دوسرے ملازموں کے ساتھ مصروف رہا تھا۔ رانی کے انداز میں البتہ تھوڑی سی کشمکش پائی جاتی تھی' نہ جانے کیوں.........؟

سورج چھپے تک ہم شکار گاہ میں بھٹکتے رہے۔ شکار کی ضرورت تو پوری ہوگئی تھی۔ اب صرف نشانوں کے شوق پورے کئے جا رہے تھے۔ پیش پیش وہی لوگ تھے۔ میں نے ایک بھی گولی نہیں چلائی تھی۔ البتہ رانی کی فرمائش پر عادل درانی نے کئی پرندے شکار کئے تھے۔ رانی اس کے نشانے کی بڑی تعریفیں کر رہی تھی۔ پھر ہم کیمپ واپس آگئے۔ ملازم شکار وغیرہ تیار کرنے میں مصروف ہوگئے تھے۔ فضاء میں گوشت بھننے کی خوشبو پھیل گئی۔ میں نے لباس تبدیل کرلیا اور پھر یونہی اپنے خیمے سے نکل کر چٹان کی دیوار پر چڑھنے لگا۔ تاریکی پھیل گئی تھی اوپر پہنچ کر میں ایک مسطح جگہ بیٹھ گیا اور نیچے ندی کے گنگناتے ہوئے پانی کے نغمے سنتا رہا۔ پھر اپنے عقب میں ایک آہٹ سن کر میں چونک پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو رانی آف اثر پور تھی۔ میں احتراماً کھڑا ہوگیا۔ تاریکی میں اس کے خدوخال نہیں نظر آرہے تھے۔ واہ! بڑی عمدہ جگہ منتخب کی ہے.......... مجھے رانی صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

"آپ کی یہ شکار گاہ جنت کا عکس معلوم ہوتی ہے"۔

"بہت پسند آئی؟"

"تعریف نہیں کرسکتا؟"

"شکریہ.......... ویسے یہ ذوق کی بات ہے!" رانی نے کہا۔

"اب شکریہ میرے اوپر ادھار ہوگیا"۔

"ادھار ہی رہنے دو"۔ رانی آہستہ سے ہنس پڑی اور مجھ سے چند گز کے فاصلے پر بیٹھ گئی۔ "بیٹھ جاؤ.......... مجھے افسوس ہے تمہاری تنہائی میں مخل ہوئی۔ کیا سوچ رہے تھے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ اس خاموشی میں ندی کے پانی کی گنگناہٹ کی نغمگی کو روح میں اتار رہا تھا۔"

"مجھے تعجب ہے!"

"کیوں؟"

"تمہارا پیشہ ذوق لطیف سے دور کی چیز ہے۔ لیکن اس کے باوجود.........؟"

"میری فطرت انسانی ہی ہے۔"

"ہاں یقیناً! لیکن کلاریا کو تم سے بہت شکایت ہے!"

"کیا.........؟"

"بس یہی کہ تمہارا رویہ اس کے ساتھ بہت خراب ہے!"

"کیا ان کی چاپلوسی اور ان کی خواہشات کی تکمیل بھی میرے فرائض میں شامل کر دی گئی ہے؟"

"نہیں.......... لیکن میں ذاتی طور پر تم سے چند سوالات ضرور کروں گی!"

"فرمایئے!"

"کیا تم عورت کی دنیا کے انسان نہیں ہو۔ حالانکہ تمہاری فطرت میں شعریت ہے اور حسن سے متاثر ہوتے ہو۔ جیسے یہ جگہ"۔

"میں عورت کی دنیا سے دور نہیں ہوں رانی صاحبہ!"

"تب میرا خیال ہے.......... کلاریا کو ہزاروں میں انتخاب کیا جاسکتا ہے اور اس نے سچ ہی کہا' اس کے وطن کے ہزاروں افراد اس کے التفات کے طالب ہیں!"

"تو اس نے ساری تفصیل بتا دی آپ کو لیکن رانی صاحبہ! میری اپنی حیثیت کو کیوں نظر انداز کیا گیا۔ اگر وہ اپنا التفات دے کر یہ سمجھتی ہیں کہ میں اس کی ایک نگاہ پر اس کے قدموں میں آپڑوں گا تو میں اس کے اس خیال کی تردید کیوں نہ کروں۔ ہزاروں افراد انہیں پسند کرتے ہوں گے۔ میں نہیں کرتا۔ یہ تو اپنی پسند کی بات ہے"۔

"وہ تمہاری زندگی بنا سکتی ہے"۔

"میں نے اپنی زندگی خود بنائی ہے اور میں کسی سہارے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا!"

"اوہ! تم تو اس کے لئے کوئی لچک پیدا کرنے کو تیار نہیں ہو"۔

"کسی قیمت پر نہیں!" میں نے جواب دیا اور رانی کے انداز میں کسی قدر اضطراب پیدا ہوگیا۔ وہ کافی دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "ٹھیک ہے۔ یہ جوان آواز ہے۔

میں ان آوازوں کو بوڑھا سمجھتی ہوں جو ہر نسوانی آواز کے سامنے مدھم ہو جاتی ہیں۔ کلاریا نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ بس وہ تیز آواز میں بول رہی تھی اور میرا خیمہ تمہارے خیمے کے نزدیک ہے"۔

"اوہ! میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ویسے اگر وہ اپنی ناکامی کا رونا آپ کے سامنے روتی تو میری نگاہوں سے کچھ اور گر جاتی"۔

"اچھا۔ اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے میرا خیال ہے ملازم اپنا کام کر چکے ہوں گے۔ آؤ کھانا کھائیں"۔

"بہتر......" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔ کلاریا کھانے کے دوران بھی مطمئن تھی۔ یا تو اس کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ تھا جس نے اسے اس قدر مطمئن کر دیا تھا یا پھر وہ ان عورتوں میں سے تھی جو اپنی ناکامی کو بہ آسانی بھول جاتی ہیں۔ کھانے کے بعد چاندنی میں ندی کے کنارے چہل قدمی رہی اور پھر جنہیں نیند آ رہی تھی وہ سونے چلے گئے۔ ان میں رانی صاحبہ بھی تھیں۔ مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی تھی اس لئے میں ندی کے کنارے پر ہی رک گیا۔ چاندنی میں ندی کا پانی بے حد حسین لگ رہا تھا۔ اسے چھو کر آنے والی نم ہوائیں اس خاموشی میں ہولے ہولے گیت گا رہی تھیں۔ بلاشبہ کیف و سرور کی یہ دنیا مجھے بے حد بھلی لگ رہی تھی اور میں اس میں کھو گیا تھا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ خیموں کی روشنیاں گل ہو چکی تھیں لیکن فضا کا یہ سناٹا ایک بھیانک آواز سے ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی کوئی چیز زن سے میرے کان کے نزدیک سے نکل گئی۔ فائر نہ جانے کس طرف سے ہوا تھا لیکن پہلی ہی آواز سے میں سنبھل گیا اور ایسے موقع کی حفاظتی تدابیر کے لئے میرے اعضاء سوچ کے پابند نہیں تھے۔ یہی پھرتی کام آئی ورنہ گولیوں کی دوسری بوچھاڑ میرے بدن میں لاتعداد سوراخ کر دیتی۔ دوسرے لمحے میں نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ بچنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پانی میں گولیوں کے چھپاکے سنائی دینے لگے۔

میں مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر خود کو گولیوں سے بچانے لگا۔ ندی اتنی گہری نہیں تھی کہ غوطہ لگایا جاتا اس لئے میں نے تیزی سے آگے تیرنا شروع کر دیا۔ میری تمام تر ذہنی صلاحیتیں جاگ رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ پانی میں آنے والی گولیاں بلندی سے چلائی جا رہی تھیں اور یہ بلندی اس چٹانی دیوار کے علاوہ کہیں اور نہیں تھی۔

چنانچہ میں دیوار کی مخالف سمت تیرتا رہا تھا۔ اگر میں دیوار کی جانب جانے کی کوشش کرتا تو یقیناً شکار ہو جاتا۔ جب کہ عام حالات میں میری جگہ کوئی اور ہوتا تو فوراً دیوار کی پناہ میں جانے کی کوشش کرتا۔

میری یہی کوشش زندگی بن گئی۔ میں کسی قدر گہرے پانی میں پہنچ کر ساکت ہو گیا تاکہ حملہ آور میرے بارے میں اندازہ نہ لگا سکیں۔ پھر میں پانی میں چت ہو کر اوپر ابھرا اور اب کے صرف ناک اوپر نکالی لیکن چند ہی ساعت کے بعد پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔ یہ فائرنگ خیموں کی طرف سے ہو رہی تھی لیکن نشانہ شاید میں ہی تھا کیونکہ حملہ آوروں نے اندھادھند پانی پر گولیوں کی باڑھیں ماریں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ فائرنگ رک گئی تھی اور پھر اس کے بعد بہت سی آوازیں سنائی دینے لگیں لیکن میں ابھی باہر نکلنے کی بیوقوفی نہیں کر سکتا تھا۔ میں پانی کے نیچے ہی نیچے تیرتا ہوا دور نکل گیا اور ایک جگہ درختوں کو دیکھ کر کنارے پہنچ گیا۔ پانی سے نکل کر میں چند ساعت حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر ندی سے دور نکل گیا۔ ایک لمبا چکر لے کر میں خیموں کے قریب پہنچا لیکن اب بھی پوشیدہ رہا۔ میں پورا اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ ندی کے کنارے میری تلاش جاری تھی۔ شاید ملازم پانی میں اتر کر میری لاش تلاش کر رہے تھے۔

میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا کہ ساری رات ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہوں گا اور اس کے لئے بہترین جگہ میرے خیمے میں موجود تھی۔ میں نے اپنے لباس کا جائزہ لیا اور اس طرح خیمے میں داخل ہوا کہ نشان نہ مل سکیں۔ اس کے بعد میں اطمینان سے اپنے کینوس کے بستر کے نیچے لیٹ گیا۔ یہاں میں آسانی سے پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ اس وقت ذہن میں کوئی خاص خیال نہیں تھا۔ میں باہر سے آنیوالی آوازوں کا منتظر تھا اور تھوڑی دیر کے بعد یہ آواز سنائی دینے لگیں۔ رانی کی آواز نمایاں تھی۔ "کوئی نہیں لوٹے گا۔ ندی کے کنارے کنارے پہاڑ کے رخ پر اسے تلاش کرو"۔

"میں نے ملازموں کو پھیلا دیا ہے یور ہائی نس!" یہ عادل درانی کی آواز تھی۔

"اسے ملنا چاہئے؟" رانی کی آواز غضب ناک تھی۔

"ممکن ہے وہ بچ گیا ہو"۔

"لیکن کہاں گیا؟...... ملنا تو چاہئے"۔

"ممکن ہے حملہ آوروں کے پیچھے نکل گیا ہو"۔

"عادل! وہ ہمارا مہمان تھا' اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ایک شاندار آدمی تھا۔ بلاشبہ ایک انوکھا انسان..........."

باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں خیمے میں داخل ہوگئے۔ میں اگر چاہتا تو درمیان کا پردہ نیچے سے اٹھا کر انہیں جھانک بھی سکتا تھا لیکن میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی اور ساکت و جامد پڑا رہا۔

"آپ اس سے بہت متاثر تھیں یور ہائی نس!" عادل درانی نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے محسوس کیا اسے خصوصی حیثیت جا رہی تھی"۔

"عادل!" رانی کے لہجے میں ایک تشویش سی ابھر آئی۔

"جی' یور ہائی نس!"

"کہیں .... کہیں تم نے تو .... تم نے تو .... اوہ عادل! کہیں یہ سب کچھ تم نے تو نہیں کیا؟"

"میں چھپ کر وار کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں یور ہائی نس! اگر وہ زندہ مل جائے تو اسے کسی بھی دن میری طرف سے للکار دیں"۔

"میں نے ان اوقات میں تمہارے چہرے پر ناخوشگوار تاثرات دیکھے ہیں جب میں اس پر توجہ دیتی ہوں"۔

"آپ رانی ہیں رانی صاحبہ! آپ کی نگاہ جس جانب ہو جائے' کون روک سکتا ہے؟"

"تمہارا لہجہ بتاتا ہے کہ تم .... تم .... عادل! اب تو میں تمہاری طرف سے مشکوک ہوگئی ہوں۔ ممکن ہے اس پر میری توجہ نے بھڑکا دیا ہو یا پھر........... یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم اپنی اس رات کی شکست نہ بھول سکے ہو"۔

"وہ شکست نہیں تھی' صرف اتفاق تھا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ اگر وہ زندہ مل جائے تو طاقت آزمائی کے لئے کسی بھی کھیل میں' اسے میرے مقابل لے آئیے"۔

"تو یہ سب کچھ........... تم نے تو نہیں کیا عادل!"

"آپ ضرورت محسوس کریں تو اس سلسلہ میں بھی کوئی کمیشن مقرر کر دیں۔ آپ کا تنہا معتمد میں ہی تو نہیں ہوں"۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو عادل..........."

"کبھی کبھی اپنی اوقات پر غور کرلیا کرتا ہوں۔ خاص طور سے ان حالات میں' جب آپ کے ہم پلہ لوگ آپ کے ساتھ ہوتے ہیں!"

"یہ عدم اعتماد کا اظہار ہے تم ان حالات سے سمجھوتہ نہیں کر رہے ہو جو ہمیں درپیش ہیں........... تم سارے خطرات مول لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں کل ہی تمہاری اصل حیثیت کا اعلان کردوں گی لیکن اس کے بعد ہمیں یہ سب کچھ چھوڑنا ہوگا اور ہمارے دشمن ہمارے سینوں پر مونگ دلیں گے۔ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں گے!"

"نہیں میں پر ہوس انسان نہیں ہوں۔ میں پہلے آپ کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے بارے میں سوچوں گا"۔

"بہرحال غلط فہمیوں کا شکار مت بنو۔ پتہ لگاؤ شباب پر کس نے حملہ کیا اور حملہ آور یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"ہمارے دشمنوں کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔ رہی میری بات تو میں نے آپ کے سامنے دشمنوں پر گولیاں برسائی تھیں"۔

"لیکن ایک بات تم نے محسوس نہیں کی"۔

"وہ کیا؟"

"خیموں پر گولیاں نہیں برسائی گئیں۔ ایک بھی گولی اس طرف نہیں چلائی گئی۔ وہ سب اسی پر گولیاں برساتے رہے گویا صرف اسے ہی قتل کرنا چاہتے ہوں"۔

"ممکن ہے اس وقت وہ یہی چاہتے ہوں!"

"لیکن کیوں!"

"اس کی ذہانت اور مستعدی کا خطرہ محسوس کرکے!"

"لیکن ان کا مقصد تو مجھے ہی قتل کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنا اصل کام بھی کرسکتے تھے اور ان خیموں میں' میں محفوظ بھی نہیں تھی"۔

"آپ کی بات گھوم پھر کر وہیں پہنچ رہی ہے"۔ عادل درانی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یعنی آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جس شخص نے اس پر گولیاں برسائی ہیں' وہ ان خیموں کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا اور ایسا انسان میرے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے"۔

"تمہاری گفتگو زیادتی کی حدود میں داخل ہو گئی ہے میں تمہیں کیا سمجھتی ہوں' تمہارے لئے کیا جذبات رکھتی ہوں' تم ان کا مذاق اڑا رہے ہو"۔ رانی صاحبہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"معاف کرنا شاہانہ! تمہارے وہ جذبات اب مجھے مشکوک نظر آ رہے ہیں"۔ عادل درانی نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ جس بے تکلفی سے اس نے رانی کو مخاطب کیا تھا وہ کچھ اور ہی کہانیاں سناتی تھیں۔

"لیکن کیوں؟"

"حالات............ اور دنیا کے سامنے میری حیثیت اپنی جگہ لیکن تم نے پہلے مجھے اس طرح نظرانداز کبھی نہیں کیا تھا۔ آج کل مَیں خود کو صرف ایک ملازم .... ایک غلام محسوس کر رہا ہوں"۔

"تو تم سے علی اعلان اظہار عشق کرتی پھروں .... کیوں؟"

رانی کے لہجے میں جھلاہٹ پیدا ہو گئی اور ان الفاظ نے میرے شبے کی تصدیق کر دی۔

"نہیں .... بہرحال میں جو کچھ ہوں' اسے کبھی نہیں بھولوں گا۔ باقی رہے میرے تصورات تو ممکن ہے ان کو بھی سہارا مل جائے؟"

"تمہارے ان الفاظ نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ میں تو تمہیں اپنی رگ جاں سے قریب سمجھتی تھی لیکن آج تم نے اجنبیت کا احساس دلایا ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو .... تو میں اس کو اس کا معاوضہ ادا کر کے واپس بھیج دوں گی"۔

"میں یہ نہیں چاہتا"۔ عادل درانی نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

"تب میں نہیں جانتی تم کیا چاہتے ہو.......... براہ کرم مجھے تنہا چھوڑ دو۔ جاؤ عادل اس وقت چلے جاؤ۔ تمہارے الفاظ نے مجھے بڑی ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں کہتی ہوں اس وقت چلے جاؤ"۔ رانی نے کسی قدر تیز آواز میں کہا۔

"شکریہ یور ہائی نس!" عادل نے کہا اور شاید باہر نکل گیا۔ رانی کے خیمے میں سے پھر کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ لیکن میرے ذہن میں خیالات کا سمندر موجزن ہو گیا۔ رانی

اور عادل درانی کا کوئی پوشیدہ معاملہ بھی ہے۔ عشق .... لیکن عادل درانی کون ہے؟ مغرور رانی نے اسے اپنے قابل کس طرح سمجھ لیا۔ معاملات پھر کافی دور چلے جاتے تھے۔ بوڑھا نواب۔ اس کے دو بچے۔ رانی' عادل درانی' لیکن رانی عادل درانی کو کس طرح اپنائے گی۔ کیا نواب فیروز کو راستے سے ہٹایا گیا ہے۔ ممکن ہے۔ اوہ۔ اس سازش کی جڑیں گہری بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً' رانی آف اثر پور نے کسی طرح نواب فیروز کے ساتھ زندگی گزاری لیکن بالآخر اسے ایک منظور نظر مل گیا۔ اس نے اور عادل درانی نے مل کر نواب فیروز کو راستے سے ہٹا دیا اور اس کے بعد' شاہینہ تو بے چاری معذور تھی۔ منصور ہی ایک کانٹا تھا۔ چنانچہ ممکن ہے رانی اور عادل درانی مل کر ہی یہ کھیل کھیل رہے ہوں۔ مقصد منصور کو مجرم قرار دینا ہو۔ تاکہ وہ بھی راستے سے ہٹ جائے۔

کہانی اس طرح جامع ہو گئی تھی کہ مجھے اس کی صداقت کا یقین ہونے لگا۔ پھر تو ذہن راستوں پر آ پڑا۔ لیکن پھر یہ حملہ' اور اس کے ساتھ ہی ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں جاگ اٹھا۔ کہیں یہ حملہ کلاریا کی طرف سے نہ ہو۔ اس نے مجھ سے انتقام کی بات کی تھی۔ حملہ آور اس کے دونوں ساتھی بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن اب اس وقت ان کے بارے میں معلوم ہونا ناممکن تھا۔ ہاں دن کی روشنی میں کچھ کروں گا۔ لیکن عادل درانی اب میری نگاہوں میں مشکوک ہو گیا تھا۔ رانی کے بارے میں نیا انکشاف ہوا تھا اس لئے اب اسے بھی نگاہ میں رکھنا ہو گا لیکن سرور کو کس خانے میں رکھوں گا۔ ابھی بہت سے سوالات سے الجھے ہوئے تھے اور انہیں سلجھاتے سلجھاتے مجھے نیند آ گئی۔ صبح ہونے میں کچھ دیر باقی تھی جب میری آنکھ کھل گئی۔ گھڑی میں پونے پانچ بجے تھے۔ میں بستر کے نیچے سے نکل کر بستر پر آ لیٹا' لیٹنے سے قبل بھیگا ہوا لباس بدل لیا تھا۔ آنکھوں میں ابھی نیند تھی اس لئے دوبارہ سو گیا اور پھر کسی کے جھنجھوڑنے پر ہی آنکھ کھلی تھی..........!"

سب سے پہلے رانی کی صورت نظر آئی۔ وہی جھنجھوڑ رہی تھی۔ اس کے عقب میں دوسرے لوگ بھی نظر آئے جن میں عادل درانی بھی تھا۔ "کیسے ہو شباب؟" رانی نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں"۔ میں نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

"زخمی تو نہیں ہوئے؟"

"جی ....؟" میں نے حیرانگی سے کہا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"آپ رات کے حملے کی بات کر رہی ہیں۔ آپ لوگ بھی جاگ گئے تھے؟"

"جاگ گئے تھے .... ارے ہم نے مقابلہ کیا تھا حملہ آوروں سے!" رانی نے کہا۔

"کوئی مارا گیا؟"

"بھاگ گئے تھے۔ وہ چٹان پر تھے۔ میں خود جا کر دیکھ آئی۔ وہاں خون وغیرہ موجود نہیں ہے"۔ رانی صاحبہ نے جواب دیا۔

"تب پھر جانے دیں۔ وہ دوبارہ آئیں گے تو دیکھ لیا جائیگا!" میں نے لاپرواہی سے کہا اور سب ہی مجھے تعجب سے دیکھنے لگے۔

"یوں لگتا ہے جیسے یہ حملہ خود تم نے اپنے اوپر کرایا ہو"۔ کلاریا نے کہا۔

"ہاں لگتی تو بہت سی باتیں ہیں........... آپ بھی تو یہ کوشش کر سکتی ہیں!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم چلے کہاں گئے تھے شباب؟" رانی نے جلدی سے بات کاٹ کر پوچھا۔

"حملہ آوروں کی اٹھکیلیوں سے بیزار ہو کر جنگل کی طرف، کمبختوں کو صحیح نشانے لگانے بھی نہیں آتے؟" میں نے بیزاری سے کہا۔

"اب مسٹر شباب خود کو نڈر ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں!" آسٹریلوی ہوٹ نے کہا اور میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پستول یا بندوق کا ایک بھی کارتوس بیکار ضائع ہو جائے، تو دوبارہ ہاتھ میں بندوق نہیں اٹھانی چاہئے۔ مسٹر ہوٹ! یہی میرا اصول ہے۔

"تمہارا اصول........... لیکن شکار کے دوران تو تم نے ایک بھی فائر نہیں کیا"۔ کلاریا نے پھر کہا۔

"میں درندوں کا شکاری ہوں...........بہرحال آپ لوگوں کی تشویش کا شکریہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ فکرمند نہ ہوں"۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ عادل درانی بڑی تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس شخص نے رانی کے سامنے چیلنج کیا تھا اور اچانک میرا دل چاہنے لگا تھا کہ میں کسی طرح سے اسے غصہ دلا دوں تاکہ وہ اپنی اوقات سے آگاہ ہو جائے اور ناشتے کے دوران اس کا موقعہ خود عادل درانی نے فراہم کر دیا۔ اس وقت

رانی نے اسے بھی ناشتے میں شریک کیا تھا۔ غالباً رات کی گفتگو کے زیر اثر۔

"شباب صاحب! آپ کا نشانہ دیکھنے کو دل چاہتا ہے لیکن اب اس جنگل میں درندے کہاں سے لائے جائیں!"

"آپ کی خواہش کی تکمیل سر آنکھوں پر مسٹر عادل! لیکن میری طبیعت دوسروں سے کچھ مختلف ہے۔ اگر گولی چلانے کی بات ہو تو پھر اس کے ضمن میں دوسری چیزیں بھی آتی ہیں"۔

"مثلاً؟" عادل نے پوچھا۔

"اول تو میں ایسے کھیل کھیلتا نہیں اور جب کھیلتا ہوں تو تشنہ نہیں رہنا پسند کرتا۔ مثلاً اگر میں کسی درندے کو زخمی کرتا ہوں تو اس طرح کہ وہ ہلاک نہ ہو اور پھر میں اسے خالی ہاتھوں سے شکست دیتا ہوں۔ آپ کسی ایسے شخص کو لائیے جو جسمانی ورزش میں بھی میرے مقابل آسکے تاکہ کھیل مکمل ہی کھیلا جائے"۔

"عجیب بات ہے۔ ویسے اگر رانی صاحبہ حکم دیں تو میں خود کو اس کے لئے پیش کر دوں"۔ عادل درانی نے کہا۔

"آپ...........!" میں نے کسی قدر مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ "ارے نہیں........... آپ شریف اور نازک سے آدمی ہیں۔ آپ کہاں ان جھگڑوں میں پڑیں گے!"

"تجویز تو عمدہ ہے، کیوں نہ یہ کھیل ہو جائے۔ کیا تم سنجیدہ ہو شباب؟ دیکھو نا ہم تفریح کے لئے آئے ہیں ان تفریحات میں جو بھی اضافہ کر دیا جائے"۔

"میں بالکل سنجیدہ ہوں، لیکن یہ عادل صاحب پرجوش نظر آ رہے ہیں۔ اگر میرے ہاتھوں سے ٹوٹ پھوٹ گئے تو آپ ناراض ہو جائیں گی! میں نے بدستور مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ اب میں کیا کرتا عادل درانی نے خود ہی اپنی شامت کو آواز دی تھی۔

"میں قطعی ناراض نہ ہوں گی۔ لیکن کھیل........... کھیل کی حدود میں رہنا چاہئے"۔

"میں تیار ہوں!" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ عادل درانی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"تم بھی قواعد کی پابندی کرو گے عادل!" رانی نے کہا۔

"کوشش کروں گا یور ہائی نس! لیکن میرا استاد ایک ریڈ انڈین تھا۔ اس کا قول تھا

کہ جب ہتھیار ہاتھ میں اٹھاؤ تو ہلاک کر کے رکھو!" عادل درانی نے کہا۔

"آپ عادل درانی کو اجازت دے دیں رانی صاحبہ! ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں زخمی کروں گا!"

"یہ غلط ہے جنگی کھیل.......... اخلاق کی گرافت میں نہیں آتے، تم کوئی رعایت نہیں کرو گے"۔ عادل درانی نے غصے سے کہا۔ رانی مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے جلدی سے نگاہیں جھکالیں۔ بہرحال ہم اب باہر نکل آئے۔

ویسے میری لاپرواہ فطرت نے سب کو متاثر کیا تھا اور عادل جل کر خاک ہو رہا تھا!

رانی کی آنکھوں میں دلچسپی کے آثار نظر آرہے تھے اور اس کی یہ کیفیت دیکھ کر مجھے گلنار کے الفاظ یاد آرہے تھے۔ بہرحال خیموں سے کچھ دور مقابلے کا بندوبست کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں پہلے نشانہ بازی کی مشق، پھر خنجر زنی اور آخر میں جسمانی مقابلے کی ٹھہری، ہم دونوں کو نشانہ بازی کے لئے پستول دیئے گئے۔ تمام لوگ ایک دائرے کی شکل میں کھڑے ہوگئے اور نشانہ بازی کی جگہ منتخب کرلی گئی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کی سب سے بلند شاخ پر ایک پرندے کو نشانہ بنایا گیا یہ گولی عادل درانی نے چلائی تھی۔ پرندے کے چیتھڑے اڑ گئے۔ سب نے بے اختیار تالیاں بجائی تھیں اور پھر ہم کسی دوسرے پرندے کے کسی درخت کی شاخ پر بیٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔ فائر کی آواز سے پرندے اڑ گئے لیکن اس کثرت سے تھے کہ کہاں جاتے۔۔۔۔۔چنانچہ چند ثانیوں کے بعد دوسرا پرندہ عین اسی جگہ آبیٹھا۔

"اب اگر تم بھی اسے نشانہ بنا لیتے تو مقابلہ برابر ہو جائیگا۔ پھر کوئی دوسری کوشش! رانی صاحبہ نے کہا۔

"میں اس نشانے میں ندرت پیش کروں گا"۔ میں نے کہا اور پھر پرندے پر فائر کر دیا۔ پرندہ فضا میں تھوڑا سا اڑا اور لڑکھڑاتا ہوا نیچے آن لگا۔

"اس میں کیا ندرت رہی، میرا خیال ہے ٹھیک نشانہ بھی نہیں لگا۔ کلاریا نے جلدی سے کہا۔

"اس کی صرف چونچ غائب ہوگی" میں نے ہونٹ بھینچ کر رانی کو دیکھتے ہوئے کہا اور رانی چونک پڑی۔

"تمہیں یقین ہے"۔ اس نے پوچھا۔

"ملاحظہ فرمالیں! میں نے کہا۔ ایک ملازم کو پرندہ اٹھانے کے لئے دوڑایا گیا۔ اور وہ پرندہ اٹھالایا۔ پرندے کی چونچ ٹوٹ گئی تھی۔

"چونکہ نشانہ ٹھیک نہیں تھا زخمی چونچ دیکھ لی..........."

عادل درانی نے کہا لیکن میری پستول سے لگا تار تین دھماکے ہوئے، اور عادل درانی کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ میں نے اچانک ایک درخت سے پرواز کرنیوالے تین کوؤں کو نشانہ بنایا تھا۔ "ان کے صرف پاؤں ٹوٹے ہوں گے"۔ میں نے مسرور لہجے میں کہا۔

"اوہ، خدا کی پناہ! تینوں کے؟" رانی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"جی! پیروں کے علاوہ بدن کا کوئی حصہ زخمی ہوا تو پانچویں گولی اپنے دماغ میں اتار دوں گا!" میں نے جواب دیا۔

"جاؤ، دوڑو، انہیں پکڑو!" رانی نے کچھ فاصلے پر اترنے والے کوؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ملازم پھر دوڑ پڑے۔ تینوں کوے لا کر سامنے ڈال دیئے گئے۔ تینوں کے پاؤں غائب تھے۔ "اوہ میرے خدا! کیا یہ بھی اتفاق ہے؟" اس نے کلاریا کی طرف دیکھا پھر عادل سے بولی۔ "عادل! تم کوشش کرو!"

"نشانہ بازی میں یہ مجھ سے زیادہ ماہر ہیں!" عادل درانی نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور میں نے پستول ایک طرف اچھال دیا، پھر ہم دونوں نے خنجر سنبھال لئے اور لوگوں کے چہروں پر تھوڑی سی تشویش نظر آنے لگی، ہم دونوں ایک دوسرے کو تول رہے تھے۔ دفعتاً عادل درانی ایک پاؤں پر گھوما اور گھومتے ہی اس نے سیدھے ہاتھ میں پکڑا خنجر الٹے ہاتھ میں پکڑلیا۔ اس طرح دھوکہ دے کر وہ کامیاب ہونا چاہتا تھا لیکن اس داؤ سے میں بخوبی واقف تھا۔ میں پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن عادل نہ رکا۔ وہ پھر گھوما اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اس بار پھر اس نے ہاتھ بدل دیا ہے لیکن خنجر اسی ہاتھ میں رہا۔

میں نے خنجر کی چمک دیکھ لی تھی۔ چنانچہ پینترا بدل کر میں نے اسکے خنجر والے ہاتھ پر ہلکا سا چرکا لگا دیا اور عادل ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اب اس کے چہرے پر جھلاہٹ نمودار ہو رہی تھی۔ اس بار پھر اس نے الٹی قلابازی کھائی اور نیچے پاؤں ٹکانے کے بجائے فضاء میں ہی اچھل کر میرے اوپر آرہا۔ کیونکہ وہ جسمانی دھوکے دے رہا تھا اس لئے اس بار میں نے بھی کوشش کی اور اس کے توازن کو نگاہ میں رکھ کر اس کی ٹانگوں پر ایک

ضرب لگائی۔ درانی کروٹ کے بل گرا اور میں نے اس کے خنجر والے ہاتھ پر پاؤں رکھ دیا اور دوسرے لمحے میرے خنجر کی نوک اس کی گردن سے جا لگی۔ رانی نے بے اختیار تالیاں بجائیں اور ملازم بھی بادل ناخواستہ اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔

"ہٹالوں؟" میں نے رانی سے پوچھا۔

"ہاں........ اب کیا گنجائش ہے؟" وہ بولی اور میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دشمنوں کی طرف سے لاپرواہی پاگل پن ہوتی ہے' رانی عادل درانی کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے قمیض اتار دی۔ اب جسمانی مقابلے کی باری تھی۔ عادل درانی کو دونوں کوششوں میں تکلیف ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ اتر گیا۔ اس جسمانی کوشش کا نتیجہ بھی اسے معلوم تھا۔ کیونکہ ایک بار تجربہ کر چکا تھا!

اس موقع پر رانی نے اس کی مدد کی "میرا خیال ہے یہ مقابلہ ملتوی کر دیا جائے"۔

"اوہ........ نہیں شاہانہ .... ہونے دو"۔ کلاریا بھوکی نگاہوں سے میرے بدن کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"عادل! اپنے خیمے میں جاؤ"۔ رانی نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

عادل ایک لمحے کے لئے جھجکا اور پھر سیدھا اپنے خیمے کی جانب بڑھ گیا۔ تب رانی نے تحسین آمیز نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور بولی۔ "تم نے ہر لحاظ سے اس پر فوقیت حاصل کر لی ہے!"

"شکریہ یور ہائی نس!" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ کلاریا کا موڈ کسی حد تک خراب ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنے خیمے میں چلی گئی اور اس کے ساتھی بھی! تب رانی کی پیشانی پر کسی قدر ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئیں۔ "کچھ لوگ وقت اور ماحول کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ خود عادل بھی تمہارے سامنے سے ہٹ جانے کا خواہش مند تھا!"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں!" میں نے انکساری سے کہا۔

"تم حیرت انگیز ہو۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ اپنی ذات میں یکتا ہو"۔

"عزت افزائی کے لئے ایک بار پھر شکر گزار ہوں!"

"آؤ........!" رانی نے ندی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور میں اس سے ایک قدم پیچھے چلتا ہوا کنارے پر پہنچ گیا۔ "ایک بات کہنا چاہتی ہوں' لیکن وعدہ کرو کہ اس

سلسلہ میں زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کرو گے"۔

"جی........ وعدہ کرتا ہوں"۔

"ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔ رات کو تمہارے اوپر جو حملہ ہوا' میں اسے اپنے دشمنوں کی کارروائی نہیں کہہ سکتی کیونکہ وہ تمہارے اوپر حملہ کرنے کے ساتھ ساتھ میرے خیمے پر بھی گولیاں برسا سکتے تھے!"

"جی........ قابل غور بات ہے"۔

"کیا کلاریا کے انتقامی جذبے نے تو........؟"

"لیکن آپ لوگ تو جاگ گئے تھے۔ آپ کے ملازموں نے حملہ آوروں پر فائرنگ بھی کی تھی۔ کیا آپ نے اس وقت کلاریا کے ساتھیوں پر غور کیا تھا؟"

"تصور بھی نہیں تھا ذہن میں اس لئے توجہ ہی نہیں دی۔ لیکن بعد میں انہیں دیکھا تھا"۔

"ممکن ہے مس کلاریا نے یہ شغل کیا ہو؟"

"بہرحال میں اس کی تحقیقات کروں گی۔ وہ انتہا پسند ہے یقین جانو اب تو مجھے بھی تم سے تھوڑی سی شرمندگی ہو رہی ہے"۔

"اوہ' وہ کیوں رانی صاحبہ!" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس مذاق ہی مذاق میں........ میرا خیال تھا کہ تم کلاریا کو پسند کرو گے مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنے ٹھوس کردار کے مالک نکلو گے' مجھے معاف کرنا!"

"نہیں رانی صاحبہ........ ٹھوس کردار تو نہیں ہوں البتہ خود پرست ضرور ہوں۔ ان کے سامنے نہیں جھکتا جو میری سربلندی کی جانب سے مشکوک ہوتے ہیں!"

"یہی تو مرد کی شان ہوتی ہے۔ بہرحال یہاں تفریح کی غرض سے آئے تھے لیکن حالات بڑے بیزار کن ہو گئے ہیں۔ کیوں نہ واپس چلیں۔ یقین کرو جب سے یہ خیال آیا ہے کہ ممکن ہے کلاریا نے تم پر فائرنگ کرائی ہو' طبیعت مکدر ہو گئی ہے۔ تمہیں واپس چلنے میں اعتراض تو نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں........ بلکہ میں تو محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں آ کر میں معطل ہو گیا ہوں۔ بہرصورت مجھے اپنے کام کی تکمیل کے بعد واپس بھی جانا ہے!"

"واپس جانے کی بہت جلدی ہے؟" رانی صاحبہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ

پوچھا۔

"ڈاکٹر برہان اصول پرست انسان ہیں۔ ہمیں لمحوں کا تعین کرنا پڑتا ہے!"

"ڈاکٹر برہان!" رانی نے پرخیال انداز میں کہا اور پھر چونک پڑی۔ "آؤ واپس چلیں، کسی اور وقت میں تم سے کچھ ذاتی گفتگو کروں گی قطعی ذاتی!"

"بہتر!" میں نے جواب دیا اور پھر خیموں میں آگئے، لیکن جونہی ہم خیمے کے نزدیک پہنچے، کلاریا اپنے خیمے سے نکل آئی۔

"سوری شاہانہ! میں واپس جانا چاہتی ہوں.......... اگر تم ابھی نہ چل سکو تو براہ کرم میری واپسی کا بندوبست کردو!"

"ارے، اچانک فیصلہ کرلیا..........!" رانی مصنوعی انداز میں مسکرائی..........

"ہاں.......... پلیز میرے لئے"

"ٹھیک ہے ہم سب چلتے ہیں کچھ دیر آرام کرو.......... میں ہدایات دے رہی ہوں"۔

"شکریہ!" کلاریا ایک جھٹکے سے واپس مڑگئی۔ رانی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنے خیمے میں داخل ہوگئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم واپسی کا سفر کررہے تھے۔ میرے ذہن میں بے شمار خیالات رقصاں تھے۔ بڑے ہی دلچسپ جھگڑوں میں آپھنسا تھا۔ رانی صاحبہ کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ ان کے محبوب کو میرے ہاتھوں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ نہ جانے ان کے دل میں کیا ہو؟ البتہ عادل درانی کی طرف سے ہوشیار تھا۔ یہ شخص یہاں صاحب اختیار تھا اور میری اس سے براہ راست چل گئی تھی۔ اپنے اوپر ہونیوالے حملے کے بارے میں، ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکا تھا لیکن رہ رہ کر خیال عادل درانی کی طرف ہی جاتا تھا اور یہ احساس ہوتا تھا کہ اس حملے کا فیصلہ یہاں آکر نہیں کیا گیا بلکہ پہلے ہی سے یہ پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ بہرصورت دیکھا جائیگا ان عادل صاحب کو بھی، راستے میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا اور ہم محل پہنچ گئے۔

میں اپنی رہائش گاہ میں چلا آیا تھا۔ یہاں آکر میں نے پہلے اس بات کا جائزہ لیا کہ محل کے اندر اگر میرے اوپر حملہ کیا گیا تو حملہ آوروں کو کیا سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اگر مجھے بستر پر گولی مارنے کی کوشش کی جائے تو اس سے بچاؤ کے کیا انتظامات ہوسکتے ہیں۔

اور یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ میں نے تھوڑی سی کوشش کے بعد اپنے لئے بہترین انتظامات کرلئے اور اس کے بعد مطمئن ہوگیا لیکن اس کام کی طوالت سے الجھن ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر برہان سے یہاں آنے کے بعد کوئی رابطہ نہیں قائم ہوسکا تھا۔ خود ڈاکٹر نے بھی ایسی کوشش نہیں کی تھی اور عموماً نہیں کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجھ سے ضرورت سے زیادہ مطمئن تھا۔ لیکن ایسا اس صورت میں مناسب تھا جب حالات ناگفتہ بہ ہوتے اور ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ یہاں جسمانی ورزش کے بجائے ذہنی ورزش زیادہ تھی۔ ہاں یہ دوسری بات تھی کہ ابھی تک میں کوئی اہم نکتہ تلاش نہیں کرسکا تھا وقت محدود تھا کوئی ایک سرا ہاتھ لگ جاتا تو پھر ساری گتھی آسانی سے سلجھ جاتی۔

دوپہر کے کھانے کے لئے درخواست کی گئی کہ اپنے کمرے ہی میں کھاؤں۔ رات تک رانی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن رات کے کھانے پر ملازمہ بلانے آگئی۔ کھانے کے کمرے میں پہنچا تو رانی صاحبہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

"بیٹھو!" انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

"مہمان..........؟" میں نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

"واپس چلے گئے"۔

"اوہ، شاید ناراض ہوکر!"

"ہاں! لیکن میں نے کلاریا کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ حالات یونہی خراب ہیں۔ وہ میری الجھنوں کو محسوس کرنے کی بجائے اپنی تفریحات جاری رکھنا چاہتی تھی"۔

"میری طرف سے شکریہ قبول فرمائیں!" میں نے کہا اور رانی بے اختیار ہنس پڑی۔

"ہاں میں شرمندہ ہوں۔ تمہیں غلط سمجھ کر میں نے تمہارے لئے الجھنیں پیدا کردی تھیں۔ یقین کرو اس کے ساتھ میں نے یہ سلوک تمہاری وجہ سے بھی کیا۔ میں محسوس کررہی تھی کہ وہ .... وہ دوسروں کو صرف کھلونا سمجھتی ہے۔ کھانا شروع کرو!" انہوں نے پلیٹیں سرکاتے ہوئے کہا۔ اور ہم کھانے میں مشغول ہوگئے۔

"شہاب!" کھانے کے دوران اچانک رانی نے سرجھکائے جھکائے مجھے پکارا۔

"جی رانی صاحبہ!"

"تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں!"

"فرمایئے!"

"اتنی مختصر بھی نہیں.......... اور پھر یہ جگہ مناسب بھی نہیں ہے"۔

"پھر جہاں آپ فرمائیں"۔

"رات کو تقریباً بارہ بجے' میری خواب گاہ میں آ جانا"۔

رانی نے بدستور سرجھکائے ہوئے کہا اور میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی' جسے میں نے جلدی سے چھپالیا۔

"حاضر ہو جاؤں گا!"

"انتہائی احتیاط سے' یہ تمہاری ذہانت پر مبنی ہو گا کہ کس طرح پہریداروں کو دھوکہ دیتے ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی کو خبر ہو"۔

"بہت بہتر"۔ میں نے جواب دیا اور رانی خاموش ہو گئی۔ کھانے کے بعد میں اپنی خواب گاہ میں چلا آیا۔ لیکن بدن میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ دل میں خوشی کا احساس تھا۔ رانی بے حد حسین تھی اور میری طرف مائل ہو رہی تھی۔ بہرحال وہ کلاریا کی طرح میرے لئے ناپسندیدہ نہیں تھی اور مجھے دوسروں پر فوقیت دے رہی تھی۔ اس لئے اس کی یہ کشش انگیز دعوت میرے لئے دل خوش کن تھی۔

رات کو اپنی خواب گاہ سے نکل آیا۔ پہریداروں کو دھوکا دینا کونسی بڑی بات تھی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک ستون کی آڑ میں ہلکی سی آہٹ پیدا کی وہ دونوں اس طرف دوڑ گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا' میں اندر داخل ہو گیا۔

خواب گاہ میں ٹھنڈی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ رانی آف اثر پور ایک کرسی میں دراز تھیں۔ ان کے بدن پر سیاہ رنگ کا گون تھا جو مکمل طور پر بدن کی پردہ پوشی کر رہا تھا۔ البتہ بال کھلے ہوئے تھے اور ان کھلے ہوئے سیاہ بالوں کے درمیان ان کا سفید چہرہ چمک رہا تھا۔ "دروازہ بند کردو"۔ ان کی آواز سرگوشی کے انداز میں ابھری اور ان کی فرمائش پر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ خواب گاہ بے حد وسیع تھی اور انتہائی نفاست سے آراستہ تھی۔ رانی صاحبہ اس کرسی سے اٹھ گئیں۔ "اس طرف آ جاؤ" انہوں نے خواب گاہ کے دوسرے سرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ان کے پیچھے چلتا ہوا میں اس جگہ پہنچ

گیا جہاں بہت بڑے بڑے آرام دہ صوفے پڑے ہوئے تھے۔

"بیٹھو شباب!"......... رانی صاحبہ بھی ایک صوفے پر گر گئیں۔ میں ادب سے بیٹھ گیا تھا۔ ان کے چہرے پر میں نے گہری سنجیدگی پائی تھی صرف ایک لمحے کے لئے مجھے حیرت ہوئی.......... شاید میں اس دعوت پر غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ بہرحال میں نے خود کو سنبھال لیا۔ چند منٹ خاموشی رہی پھر انہوں نے میری طرف دیکھا اور بولیں۔ "شباب صاحب! کیا انسان بہت بڑا پیدا ہوتا ہے کیا ذاتوں اور حیثیتوں کی تفریق قدرتی ہوتی ہے؟"

"میرا خیال ہے نہیں!"

"ہم کسی دولت مند گھرانے میں پیدا ہو جاتے ہیں تو رئیس' نواب' اور شہنشاہ کہلانے لگتے ہیں' کسی غریب کی جھونپڑی میں پیدا ہوتے ہیں تو غریب اور پنچ تصور کئے جاتے ہیں' اپنی کوششوں سے کچھ بن جائیں تو لوگ ہمیں وہی درجہ دے دیتے ہیں جو ان کے سامنے ہوتا ہے۔ اس میں ہماری اپنی حیثیت کیا ہے؟"

"صرف ایک بے بس اور بے کس انسان کی!" میں نے جواب دیا۔

"کیا کوئی دولت مند مظلوم نہیں ہوتا؟"

"کیوں نہیں رانی صاحبہ!"

"پھر تو انسان بذات خود کچھ نہیں ہوا۔ لوگ مجھے رانی کہتے ہیں تو میں سوچتی ہوں کہ خود اپنی ذات میں میرے اختیارات کیا کیا ہیں۔ شباب! بعض اوقات انسان بے بس ہو کر کسی دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی نگاہوں میں مدد کی طلب ہوتی ہے۔ دوسرے انسان کو اس وقت کیا کرنا چاہئے؟"

"اگر ممکن ہو تو ضرورت مند کی امداد"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ مختصراً اپنے بارے میں بتا چکی ہوں۔ حالات نے مجھے رانی بنا دیا لیکن میرا بستر ہمیشہ خالی رہا۔ اس سے زیادہ میں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ ہاں ایک سوال ضرور کروں گی۔ کیا انسان خالی رہ کر پوری زندگی گزار سکتا ہے؟"

"مشکل ہے.......... لیکن بعض اوقات مجبوریاں مشکل کی تابع نہیں ہوتیں"۔

"وہ فریاد تو کر سکتا ہے؟" رانی نے دکھی لہجے میں کہا۔

"ہاں یہ قدرت اسے حاصل ہے!"

"میں بھی ویسی ہی انسان ہوں.......... بڑی کمزور بنیادوں پر میری نشوونما

ہوئی۔۔۔۔۔پتلی پتلی دیواریں میری پشت پناہ نہیں تھیں‘ اور پھر یہ دیواریں گر گئیں اور میں بے بس ہو کر محل میں آکر قید ہو گئی۔ میں نے تقدیر سے سمجھوتہ کیا لیکن تقدیر کے کھیل نہ بدل سکی۔ نواب فیروز مر گئے اور اس کے بعد میں سازشوں میں گھر گئی۔ کیا اس کو زندگی کہتے ہیں۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ مجھے بھی انسان سمجھا جائے۔ میں نے زندگی کے ایک بڑے حصے کو رو رو کر کاٹا ہے۔ کب تک روتی رہوں۔ شباب! کب تک روتی رہوں؟“ رانی سسکنے لگی۔

”میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں رانی صاحبہ!“ میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ میں اس تمہید کا اختتام چاہتا تھا!

”شباب! ایک وعدہ کرو.......... کہ اس وقت پورے خلوص و دیانت سے سچ بولو گے۔ وہ سچ جو کسی کے سامنے نہ بولا جائے۔ میری پہلی خواہش یہ ہے!“

”آپ بولئے.......... میں آپ کے سوالات کے جواب سچ دونگا!“

”میری اس وقت کی دعوت کو تم نے کیا سمجھا تھا؟ دیکھو سچ بولنے بونے کا وعدہ کر چکے ہو“۔

”آپ برداشت کر لیں گی!“ میں نے پوچھا۔

”پورے خلوص سے وعدہ کرتی ہوں“۔

”میں نے اسے ایک عورت؟ کی آواز سمجھا تھا۔ ایک نوجوان عورت کی طلب..........اور میں ان لمحات میں‘ وقفے کے ان لمحات میں ایک مسرت کا شکار رہا ہوں!“ میں نے جواب دیا اور اور رانی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ دیر تک وہ سر جھکائے رہی۔ پھر نگاہیں اٹھائیں تو ان میں پیار جھلک رہا تھا!

”اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہے لیکن اس سوچ میں تھوڑی سی ترمیم کرنا چاہتی ہوں“۔

”جی!“ میرا دل پھر دھڑک اٹھا تھا۔

”سچ کہہ رہی ہوں شباب! میرا تعلق ایک شریف گھرانے سے ہے‘ وہ گھرانہ کن حالات کا شکار ہوا جس کے تحت میں اپنی حیثیت سے بڑھ گئی‘ یہ ایک طویل داستان ہے جو پھر کبھی سناؤں گی لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ جس منصب پر مجھے زبردستی دھکیلا گیا‘ اور اتنا کچھ چھینا گیا کہ میں کنگال ہو گئی‘ اسے آسانی سے چھوڑ دوں‘ یہ سب کچھ تو اب میری ملکیت

ہے!“

”درست فرمایا آپ نے!“

”میں اسے برقرار رکھتے ہوئے اپنے دل کا سکون بھی چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں میری پشت پر ایک مضبوط دیوار کھڑی ہو جائے اور کوئی میرا بوجھ اپنے شانوں پر لے لے‘ لیکن کچھ لوگ مجھ سے میری زندگی کے مسخ شدہ لمحات کا معاوضہ بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ میں یہ سب کچھ کسی کو نہیں دوں گی لیکن اس کے لئے مجھے ایک مضبوط سہارا درکار ہے۔ شباب! میں‘ میں تمہاری آغوش میں آنے کی خواہش مند ہوں۔ تم میرے معیار کے انسان ہو۔ لیکن اس طرح نہیں کہ گزارنے والی رات کا تصور مجھے شرمسار کر دے۔ میں تمہیں اپنا حق سمجھنا چاہتی ہوں۔ میں تم سے شادی کی خواہش مند ہوں تاکہ لوگ میری حیثیت جان لیں!“

میرے حلق میں قہقہے کا گولہ سا پھٹا اور میں نے اس ہنسی کو کھانسی میں تبدیل کر لیا۔ دل ہی دل میں میں نے سوچا رانی صاحبہ‘ کیوں میرے دوستوں کو یتیم اور مجھے لاوارث کرنا چاہتی ہو۔ میرا بس چلے تو اس دنیا سے شادی کی رسم ہی ختم کر دوں تاکہ انسان ساری زندگی کے لئے گدھا بن کر رہ جائے۔ آپ مجھے بھی گدھوں کی صف میں کھڑا کرنے کی خواہش مند ہیں۔ اور پھر آپ جیسی خاتون .... میں نے خود کو سنبھالا۔ اب یہاں تو خلوص اور دیانتداری سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ اپنا معاوضہ تھوڑی گنوانا تھا!

”خاموش کیوں ہو شباب! جواب دو“۔

”آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں رانی صاحبہ؟“

”ضرور!“

”عادل درانی کی کیا حیثیت ہے؟“ میں نے پوچھا اور رانی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہ اتنی نروس ہو گئی کہ اس کے حلق سے کئی منٹ تک آواز ہی نہ نکل سکی۔ لیکن پھر دروازے پر ہونیوالی دستک نے اس کی مدد کی اور وہ چونک پڑی۔ اوہ‘ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔ شباب پلیز۔ تم ذرا اس طرف ہٹ جاؤ۔ میں دیکھوں کون ہے؟“ رانی نے کہا اور میں ایک دیوار کے پیچھے پوشیدہ ہو گیا جو دوہری تھی۔ اس وقت میں خود کو نمبرون گدھا محسوس کر رہا تھا۔

اندر آنیوالا عادل درانی تھا۔ رانی اس کے سامنے اتنی بے بس تھی کہ اس وقت

اسے اندر آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ "کیا بات ہے درانی!" تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" باہر کی آواز سنائی دی اور میں نے ان کی آوازوں پر کان لگا دیئے۔ گو وہ اس طرف نہیں آئے تھے' لیکن آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"بہت کچھ شاہانہ!" عادل درانی کی آواز ابھری۔

"لیکن میں تمہیں بتاچکی ہوں کہ میرے سر میں شدید درد ہے۔ میں دیر سے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت تم نے میرے اوپر ظلم کیا ہے!"

تمہارے صرف سر میں درد ہے شاہانہ' لیکن میرا وجود مجسم درد بن گیا ہے۔ بولو کیا اپنے درد کو میرے درد پر ترجیح دو گی!"

"براہ کرم جو کچھ کہنا ہے' صبح کو کہہ دینا"۔ رانی نے التجا کی۔

"صبح تک میرا سینہ پھٹ جائیگا شاہانہ! میں یہ رات آسانی سے نہیں گزار سکتا۔ براہ کرم میرے درد کو اس طرح نظرانداز نہ کرو!"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" رانی کی آواز میں لاچاری تھی۔

"تمہارے بدلے ہوئے رویے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ شباب کون ہے اور تم اس کی جانب ملتفت کیوں ہو؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے درانی!"

"میں بھی تو تمہاری ذات ہی کا ایک حصہ ہوں"۔

"لیکن تم خود کو اس کا اہل ثابت نہیں کر سکے۔ بتاؤ میرے دشمنوں کے خلاف تم کیا کر سکے۔ بتاؤ میں کہاں محفوظ ہوں؟"

"تمہارا دشمن صرف صاحبزادہ منصور ہے مجھے اجازت دو کہ اسے گولی مار دوں۔ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے گا!"

"اور اس کے بعد دنیا کے سامنے جوابدہی کون کرے گا؟"

"دنیا خود بخود خاموش ہو جائے گی' ہم اس کی زبان بند کر دیں گے؟"

"اور اگر دشمنی جاری رہے تو کیا ایک بے گناہ.........."

"لیکن تم اس بات کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہو۔ اور مجھے ناکام لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے! شباب کوئی بھی ہے لیکن تم سے برتر ہے۔ تم اس سے ہر طرح شکست کھا چکے ہو!"

"شاہانہ!" عادل درانی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "تو کیا اب تمہارے دل سے میرا اعتماد' میرا پیار ختم ہو گیا ہے؟"

"تم اپنی کوشش میں ناکام رہے ہو درانی!"

"شاہانہ! مجھ سے اس لہجے میں بات مت کرو۔ میں مر جاؤں گا۔ میں.......... میں ...." عادل درانی کی آواز بھرا گئی۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا درانی!۔ اس وقت میں شدید منتشر ہوں' تسلی بخش جواب نہ دے سکوں گی! براہ کرم اب مجھے تنہا چھوڑ دو۔ درانی! میں سونا چاہتی ہوں!"

"میں جا رہا ہوں شاہانہ! لیکن للہ! مجھے اس طرح دل سے نہ نکالو۔ میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ میرے بارے میں سوچنا میں جا رہا ہوں۔ میں جا رہا ہوں.........." درانی دروازے سے باہر نکل گیا اور شاہانہ نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔ دیر تک وہ کھڑی شاید درانی کے چلے جانے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی.........." آجاؤ شباب!" اور میں دوبارہ اسی صوفے پر آبیٹھا۔

"اب تم نے اندازہ لگالیا ہو گا کہ عادل درانی کی کیا حیثیت ہے؟ دراصل شباب! بے سہارا انسان' بڑا بدنصیب ہوتا ہے' دنیا اسے لوٹ کا مال سمجھ لیتی ہے۔ عادل درانی مجھے مضبوط نظر آیا تھا۔ میری نگاہیں بھٹک رہی تھیں۔ میں ایک خوفزدہ عورت تھی' اس لئے میں نے اس کا سہارا تلاش کیا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میرے دشمنوں کو بے نقاب کر کے انہیں فنا کر دے گا اور اس کے لئے اس نے مجھ سے محبت کا سوانگ رچایا۔ میں نے ایک بے سہارا عورت ہونے کی حیثیت سے اس کی پذیرائی کی اور بس.......... اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی کہ وہ اندر سے کیا ہے؟"

"واقعی یہ مجبوری کے لمحات تھے!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ اس تھوڑی سی دیر میں میں نے اپنا کیس بدل لیا تھا۔ ڈاکٹر برہان نے مجھے یہاں اس لئے بھیجا تھا کہ میں اس کیس پر کام کر کے ادارے کے لئے دولت حاصل کروں۔ یہاں ذاتی چکر میں الجھ کر یہ رقم ڈوبتی محسوس ہو رہی تھی اور مجھے یہ ناکامی پسند نہیں تھی اس لئے ضروری تھا کہ رانی کو مطمئن رکھا جائے۔ میرے ان الفاظ نے رانی صاحبہ کے چہرے پر روشنی پھیلا

دی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری اس مجبوری سے تم کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوئے"۔ رانی نے روتے ہوئے کہا۔

"تمہارے دل میں میرے لئے کوئی غلط فہمی تو نہیں ہے!؟"

"بالکل نہیں!"

"اوہ شہاب! تم واقعی بلند انسان ہو' تم.......... تم.......... میں نے آج سے خود کو تمہارے حوالے کر دیا ہے! تم جس طرح چاہو' تم جس طرح پسند کرو!"

"ہمیں کچھ اصولوں کی پابندی کرنی ہوتی ہے رانی صاحبہ! اگر زندگی میں اصول نہ ہوں تو انسان آدھا کہلانے کا مستحق ہے"۔

"یقیناً"!

"اس مسئلے کے اختتام تک.......... ہم دونوں کے درمیان اصول کی دیوار رہے گی.......... میں آپ کو آپکی الجھنوں سے نجات دلا دوں۔ اور ڈاکٹر برہان کو مطمئن کر دوں۔ اس کے بعد ہم اپنی زندگی کا فیصلہ کریں گے!"

"میں خود بھی یہی چاہتی ہوں.......... لیکن اب میرا دل بہت بڑھ گیا ہے۔ اب میں خود کو کمزور اور بے سہارا نہیں سمجھتی"۔

"آپ مطمئن رہیں۔ میں اب اور تیزی سے اپنا کام انجام دوں گا!" میں نے جواب دیا اور رانی اپنی جگہ سے اٹھ کر میری آغوش میں آگری۔ "شہاب! شہاب!.......... میں نے اپنے کردار میں کوئی جھول نہیں آنے دیا۔ میں اپنی ذات میں مکمل طور پر زندہ ہوں۔ اگر مجھے یہ زندگی عزیز نہ ہوتی تو.......... تو میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں خود میں سمو لوں۔ ان تمام محرومیوں کو قتل کر دوں جو آج تک مجھے قتل کرتی رہی ہیں.......... لیکن تم بھی ایک اصول پرست انسان ہو' میں بھی.......... ہم انتظار کریں گے اس دن کا جب ایک دوسرے کے قریب آتے ہوئے' ہمارے ذہن میں کسی شرمندگی کا احساس نہ ہو.......... !"

"ٹھیک ہے رانی صاحبہ!" میں نے جواب دیا۔

"بس اب تم جاؤ.......... میں تمہاری کامیابی کی منتظر ہوں"۔ اور میں سر کھجاتا باہر نکل آیا۔ آج کل عورت کے معاملے میں ستارہ گردش میں تھا۔ نورین درانی کی تاریخ بھی گزر گئی تھی۔ کلاریا اگر ملکہ نہ بنتی تو قابل توجہ عورت تھی اور رانی صاحبہ

نے شادی کے وعدے پر کھسکا دیا تھا۔ ٹھیک ہے بھائی ستارے!!

دوسری صبح کو درانی صاحبہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ناشتے پر بھی وہ نہیں ملیں۔ کسی کام میں مصروف تھیں۔ میں نے درانی کو تلاش کرنیکی کوشش کی لیکن وہ بھی غائب تھا۔ میں نے سوچا کہ میں خود ہی کیوں نہ غائب ہو جاؤں۔ چنانچہ کار لے کر باہر نکل آیا۔ اب اس سلسلہ میں کسی حل کا خواہش مند تھا۔ رات کو دیر تک رانی صاحبہ کی پیش کش پر سوچتا رہا تھا۔ بھلا مجھ جیسے سیماب صفت انسان کے لئے یہ کس طور ممکن تھا کہ ساری تفریحات اور ہنگامے چھوڑ کر ایک بیوی کا شوہر بن جاؤں اور بچے پیدا کرنے کے سوا کچھ نہ کرسکوں!

سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا تھا اور پھر دوپہر کو ایک ریستوران میں سے کھانا کھا کر نکل رہا تھا کہ سرور نظر آگیا۔ سرور کو دیکھ کر میں اچھل پڑا تھا۔ وہ بھی چوروں کی طرح ایک اسٹور سے نکل رہا تھا۔ غالباً" ان دنوں روپوش رہا تھا اور کسی ہنگامی ضرورت کے تحت باہر نکل آیا تھا۔ اس وقت اسے چھوڑنا کسی طور ممکن نہیں تھا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ سرور سڑک کے کنارے کنارے پیدل چل رہا تھا۔ ایک لمحے میں میرے ذہن میں ایک پروگرام ترتیب پاگیا۔ میں نے اچانک کار کی رفتار بڑھائی اور اسے کنارے لے جا کر آہستہ سے سرور کو دھکا دیا۔ سرور اچھل کر کئی فٹ دور جاگرا۔ دوسرے لمحے میں دروازہ کھول کر نیچے اترا اور اسے اٹھالیا۔ پھر اس طرح گردن ہلائی جیسے اس سے کوئی بات کی ہو لیکن اس کے بازو پر میری گرفت انتہائی سخت تھی۔

"جنبش کی تو کتے کی موت مار دوں گا!" میں نے انتہائی سفاک لہجے میں کہا۔ سرور جو کار کے دھکے سے نروس ہوگیا تھا' میری آواز سن کر بری طرح کپکپا گیا۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور جیسے اس کی جان نکل گئی ہو۔

"تمہیں سڑک پر گولی مار دینا میرے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ اس لئے میرے ساتھ آؤ!".......... میں نے پھر اسی انداز میں کہا اور سرور بے جان سے قدموں سے میری کار کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ کے نزدیک کا دروازہ کھولا اور اسے اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ چند لمحات کے بعد میری کار کا رخ پھر اسی لال کوٹھی کی طرف تھا لیکن میں نے سرور پر نگاہ رکھی تھی اور پستول بھی اسی انداز میں تھام رکھا تھا کہ اس کی ذرا سی جنبش سے اسے جہنم واصل کر دوں۔ لال کوٹھی تک

سرور نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جو میرے لئے پریشانی کا باعث ہوتی۔ البتہ کوٹھی میں داخل ہوتے ہوئے وہ بری طرح گڑگڑانے لگا.......... "دیکھو........... مجھے ایک بار اور معاف کر دوں۔ میں حالات کا شکار ہوگیا ہوں۔ اس دن کی غلط باتوں کے لئے میں معافی کا طلب گار ہوں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ آئندہ تم سے بھرپور تعاون کروں گا.......... میں وعدہ کرتا ہوں.......... یقین کرو میں اس بار.......... وہ کوٹھی کے اس کمرے تک بولتا چلا آیا جہاں میں اسے پہلے لایا تھا۔

کمرے میں لاکر میں نے اسے ایک زور دار دھکا دیا اور وہ چاروں شانے چت فرش پر جاپڑا۔ میں اسے خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "ہوں!.......... تو تم اب سچ بولنا چاہتے ہو!"

"یقین کرو بالکل سچ! اگر اس بار میری بات جھوٹ ثابت ہو تو تم مجھ سے گفتگو کئے بغیر مجھے گولی مار دینا۔ دراصل میں خود بھی اکتا گیا ہوں۔ حالات اس طرح الجھے ہوئے ہیں کہ مجھے اپنے بس سے باہر معلوم ہوتے ہیں!"

"ہوں.......... تو سچ بولو.......... بتاؤ کس کے لئے کام کر رہے ہو؟" میں نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا۔

"بڑا گہرا چکر ہے.......... اتنا الجھا ہوا کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ دراصل مجھے.........." اس نے کہا اور اچانک ہی کمرے میں دھماکوں کا طوفان آگیا۔ اسٹین گن سے ایک باڑھ ماری گئی تھی۔ بے شمار گولیاں کمرے کی دیواروں سے ٹکرائیں۔ میں نے کئی فٹ اونچی چھلانگ لگائی اور سوچے سمجھے بغیر دروازے کی طرف کئی فائر جھونک دیئے۔ میری یہی کوشش میرے لئے زندگی بن گئی۔ ورنہ شاید وہ مزید فائرنگ کرتا۔ میں دروازے کی طرف بھاگا۔ اس دوران میں نے دو فائر اور کئے تھے۔

حویلی کے دوسرے سرے پر مجھے ایک شخص بھاگتا نظر آیا۔ ایک فائر میں نے اور کیا لیکن دوسرے لمحے وہ ایک دیوار کی آڑ میں ہوگیا تھا۔ سرور کا حشر بھی مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں نے سوچا کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ چنانچہ میں پھر کمرے میں داخل ہوگیا۔ اور سرور کو دیکھ کر میں نے گہری سانس لی۔ اس کا بدن بری طرح مڑا تڑا پڑا تھا۔ گولیوں کے پانچ زخم اس کے بدن کے مختلف حصوں میں نظر آ رہے تھے اور رہ رہ کر وہ تڑپنے لگتا تھا۔ میں نے اسے سیدھا کر دیا۔ سرور کی آنکھیں خون میں ڈوبی

ہوئی تھیں۔ انتہائی کوشش کے باوجود اس کی آواز نہیں نکل سکی اور پھر وہ سرد ہوگیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ تھوڑی سی غلطی مجھ سے بھی ہوئی تھی۔ میں نے ایک بار بھی تعاقب کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ بات صاف ظاہر تھی۔ میرا تعاقب ہوتا رہا تھا اور پھر سرور کو ساتھ لانے کی کارروائی بھی دیکھی گئی اور تعاقب کرنیوالے نے اس مرحلے پر آکر ہم دونوں کو ہلاک کرنیکی کوشش کی۔ اگر اس کوشش میں بدحواسی نہ ہوتی تو اس کمرے میں اسٹین گن کی گولیوں سے بچنا مشکل تھا۔ بہرحال سرور کے بارے میں اتنا اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ وہ کوئی خاص بات جانتا تھا! اور ممکن ہے کہ اس وقت.......... دفعتاً" میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس خیال کے تحت میں نے سرور کی جیبوں کی تلاشی لی۔ پلاسٹک کے ایک چھوٹے سے پرس میں مجھے چند چیزیں مل گئیں۔ ایک رسید قابل توجہ تھی جس میں ہوٹل شب وروز کا نام چھپا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی روم نمبرانیس بھی درج تھا!

شب وروز کمرہ نمبر 19.......... میں نے سوچا.......... اور پھر اس کی دوبارہ تلاشی لے کر میں وہاں سے نکل آیا۔ اب میری کار برق رفتاری سے شب و روز کی طرف جا رہی تھی۔

شب و روز اثرپور کے عمدہ ہوٹلوں میں سے تھا۔ میں وہاں داخل ہوگیا اور پھر اندازے سے اوپر چل پڑا۔ میرا خیال تھا کہ کمرہ نمبر 19 پہلی منزل پر ہوگا۔ لیکن ایک جدت کی گئی تھی۔ نمبر اوپر سے شروع ہوئے تھے اور کمرہ نمبرانیس ٹاپ فلور پر تھا۔ اب میں اتنا ناکارہ بھی نہیں تھا کہ ایک معمولی سا تالا بھی نہ کھول سکوں۔ جیب سے قلم نکال کر میں نے اس کا ہک کھولا اور اسے الٹا کر کے تالے کے سوراخ میں ڈال دیا۔ اوپری منزل میں چند ہی کمروں کی آبادی تھی' اس لئے گیلری سنسان پڑی تھی۔ اندر داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کر دیا اور پھر انتہائی پھرتی سے میں نے سرور کے سامان کی تلاشی لے ڈالی لیکن یہاں بھی مایوسی ہوئی تھی۔ ایک بھی چیز اس میں نہ مل سکی جس سے کوئی اندازہ ہوسکتا۔ میرے ذہن میں شدید جھلاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ بہرحال اس کے بعد میں محل چل پڑا۔ لیکن اب میرے ذہن میں چند خوفناک ارادے تھے۔ شرافت کا دور ختم۔ اب اصل کام کرنا ہوگا۔ محل میں داخل ہو کر میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ رانی صاحبہ سے رات کے کھانے پر بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ممکن ہے وہ

شرمندگی کی وجہ سے منہ چھپا رہی ہو۔ اس نے مجھ سے اظہار عشق جو کر دیا تھا!

گلنار ہمیشہ میرے برے وقت کام آئی تھی۔ میں نے اسے تلاش کیا اور وہ محل کے ایک گوشے میں مل گئی۔ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ گلنار........... میں نے اسے آواز دی۔

"کیا ہے سرکار؟"

"ناراض ہو گئی ہو؟"

"ہماری یہ مجال سرکار!"

"پھر اتنی دور دور کیوں رہتی ہو؟"

"ڈر لگتا ہے سرکار!.......... ہماری حیثیت ہی کیا ہے۔ کتوں کی طرح مار ڈالے جائیں گے!"

"میری زندگی میں یہ ناممکن ہے گلنار!"

"آپ ہمیں اتنا منہ کیوں لگاتے ہیں سرکار! ہماری حیثیت ہی کیا ہے۔ باندی ہیں' باندی رہیں گے۔ نہ نہ سرکار! ہم مارے جائیں گے!"

"خیر.......... میں تمہارے لئے کچھ کروں گا گلنار! کہاں جا رہی تھیں؟"

"مہارانی جی کے کمرے کی صفائی کرنے!"

"عادل درانی کہاں ملے گا؟"

"اپنے کمرے میں سرکار!"

"اس کا کمرہ کہاں ہے؟"

"وہ ہے ناسرکار! گلنار نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں نے گردن ہلا دی........... اچھا گلنار! میں جلدی تم سے ملوں گا اور پھر ہم دونوں مل کر کوئی پروگرام بنائیں گے!" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ انتہائی احتیاط کے ساتھ میں نے عادل درانی کے کمرے کے دو چکر لگائے۔ کمرے کی پچویشن میرے حق میں تھی۔ پشت کی ایک کھڑکی سے اندر داخل ہوا جاسکتا تھا۔ کھڑکی کے عقب میں دیوار تھی اور اس دیوار کو آسانی سے عبور کیا جاسکتا تھا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے رانی صاحبہ کے کمرے کا رخ کیا۔ پہریدار بھی مستعد تھے کیونکہ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ میں نے پیغام بھجوایا کہ شہاب ملنا

چاہتا ہے اور رانی صاحبہ نے فوراً مجھے بلوالیا۔ جب میں اس کے سامنے پہنچا تو وہ کسی قدر شرمائی ہوئی تھی میرا اندازہ درست نکلا۔ "مجھ سے کوئی گستاخی ہوگئی رانی صاحبہ!" میں نے پوچھا۔

"ایسی باتیں نہ کرو شہاب!" رانی صاحبہ نے شرماتے ہوئے کہا۔

"پھر دن میں ملاقات سے کیوں محروم رہا!"

"شہاب! کچھ مہمان بھی آگئے تھے' کچھ ہم شرمندگی کا شکار بھی رہے۔ میں تمہارے سامنے آنے کی ہمت نہیں کر سکی!"

"کیوں؟"

"ہم نے سوچا' نہ جانے تم ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوگے لیکن ہم بے قصور ہیں شہاب! ہم اتنے محروم رہے ہیں کہ ان دلکش امور سے آگاہ بھی نہ ہوسکے' جن کا تعلق عورت کی زندگی سے ہوتا ہے' ہم ان سارے معاملات میں اجنبی ہیں شہاب!" رانی صاحبہ نے دوسری طرف رخ کر کے کہا۔

"لیکن آپ کو ان حقیقتوں کا سامنا تو کرنا ہوگا شاہانہ!"

"کریں گے نا۔ سنبھلنے تو دو!!"

"میں نے تو یہی سوچا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی گستاخی نہ ہوگئی ہو!"

"ایسی باتیں نہ سوچا کرو.......... اب تمہیں ہر گستاخی کی اجازت ہے!" رانی صاحبہ نے بدستور شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس وقت ایک ضروری کام سے حاضر ہوا ہوں"۔

"کہو!"

"اس دوران عادل درانی سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں دوپہر کو ملا تھا!"

"کوئی خاص بات ہوئی؟"

"نہیں! میں نے اسے ہدایت کی ہے کہ جنگل میں تم پر ہونیوالے حملے کی پوری پوری تحقیقات کر کے مجھے رپورٹ دے!"

"اس کے علاوہ اور کچھ؟"

"نہیں.......... کیوں کوئی خاص بات ہے؟" رانی نے بغور مجھے دیکھتے ہوئے

پوچھا۔

"خاص بات تو نہیں ہے بس میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تک آپ کے دشمنوں کا مسئلہ حل نہ ہو جائے، ہمیں ایک اور دشمن نہیں بنانا چاہئے"۔ میں نے کہا اور رانی نہ سمجھنے کے انداز سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "تمہاری مراد درانی سے ہے؟"

"ہاں!"........... میں نے جواب دیا۔ اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر گردن ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔ "تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"میرا خیال ہے آپ اسے ابھی طلب کریں اور پھر اس سے گفتگو کریں۔ اسے یہی تاثر دیں کہ میں صرف ایک مہمان ہوں، اس سے زیادہ آپ کے لئے اور کوئی اہمیت نہیں رکھتا!"

"کس دل سے یہ الفاظ کہوں گی!" رانی نے پیار بھری نگاہوں سے مجھے یہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"مصلحت رانی صاحب مصلحت!"

"ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کرتی ہوں"۔

"بس اس وقت یہی چاہتا ہوں۔ اجازت دیں اور یہ کام کرلیں!"

"کل ناشتے پر ملاقات ہوگی!"

"خیر..........." میں نے کہا اور رانی کے کمرے سے نکل آیا لیکن اس کے بعد میں اپنے کمرے میں نہیں گیا۔ ضروری تیاریاں کر کے نکلا تھا۔ تھوڑی دور سے درانی کے کمرے کی نگرانی کرنے لگا۔ پانچ منٹ کے بعد ایک پہریدار نے درانی کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھل گیا۔ پھر ان دونوں کی گفتگو ہوئی اور پہریدار وہیں چلا گیا۔ صرف دو منٹ کے بعد عادل درانی بھی ایک گاؤن پہنے ہوئے رانی کے کمرے کی طرف جاتا نظر آیا اور میں نے گہری سانس لی۔ اندازے کے مطابق جب میں عادل درانی کی طرف سے مطمئن ہوگیا تو اس کے کمرے کی عقبی کھڑکی کی جانب چل پڑا۔ اس کھڑکی کو کھول کر اندر داخل ہونے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ کمرے کی روشنی جل رہی تھی۔ میں نے سب سے پہلے دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر برق رفتاری سے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ عادل درانی کے سامان کی تلاشی لیتے ہوئے میں ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ الماریوں وغیرہ میں کوئی خاص چیز نہیں ملی تھی لیکن رائٹنگ

ٹیبل کی ایک خفیہ دراز جو اتفاق سے نظر میں آ گئی تھی، میرے لئے بے حد کارآمد ثابت ہوئی۔ اس دراز میں مجھے چند کاغذات اور ایک نوٹ بک دستیاب ہوگئی۔ میں نے نوٹ بک کا جائزہ لیا۔ اس میں چند یادداشتیں درج تھیں۔ اس کے علاوہ کاغذات میں مجھے جو کچھ ملا، اسے دیکھ کر میری آنکھیں پھیل گئیں۔

مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ میں اس وقت ان چیزوں کو یہیں چھوڑ دیتا۔ لیکن جس کام میں اتنا وقت صرف ہو جائے، اس میں مصلحت کا کوئی دخل نہیں رہتا۔ چنانچہ میں نے یہ چیزیں اپنی جیب میں ڈالیں اور پھر حتی الامکان سارے نشانات مٹا دیئے۔ جن سے عادل درانی کو شبہ ہوسکتا تھا کہ یہاں کوئی داخل ہوا ہے۔ اس کے بعد میں اطمینان سے اپنے کمرے میں آگیا لیکن اس امکان کو میں نے نظرانداز نہیں کیا تھا کہ عادل درانی کو میرے اوپر شبہ ہوسکتا ہے اس لئے یہ رات میں نے اپنے بستر کے بجائے اس کارنس پر گزارنے کا فیصلہ کیا جسے میں نے پہلے منتخب کرلیا تھا۔ البتہ اپنے بستر کو میں نے اس انداز میں ترتیب دیا تھا کہ نائٹ بلب کی روشنی میں دیکھنے والے کو یہی اندازہ ہو کہ کوئی بستر پر سو رہا ہے۔ جو کچھ میں نے کاغذات میں دیکھا تھا، اس نے میری نیند اڑا دی تھی۔ کافی رات گئے تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اور پھر کارنس کے عین اوپر بنے ہوئے روشندان میں مجھے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ یہ صرف میری ذہانت تھی کہ میں نے اس آہٹ کو محسوس کرلیا۔ عام لوگ اس پر توجہ نہیں دے سکتے تھے۔ پھر ایک اور آواز ابھری اور اسے بھی میں نے پہچان لیا۔ چنانچہ میرے منہ سے ایک طویل کراہ نکلی، دوسری آواز، دوسری کراہ اور پھر تیسری آواز کے ساتھ جو کراہ نکلی تھی وہ مدہم اور کسی دم توڑتے ہوئے انسان کی تھی۔

پھر خاموشی چھاگئی۔ حالات خود بھی میرے ساتھ تھے۔ اگر اس وقت میں کارنس کے بجائے بستر پر ہوتا تو سائلنسر پستول کی گولیاں تکیوں کی بجائے میرے بدن میں لگی ہوتیں۔ لیکن یہ تھوڑی سی احتیاط کام آگئی۔ البتہ مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ درانی کو نوٹ بک کا فوراً کیوں خیال آگیا۔ سخت حیرت کی بات تھی۔ لیکن اب........... اب وہ نوٹ بک کی تلاش میں میرے کمرے میں ضرور داخل ہوگا۔ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا اس کھیل کو اسی وقت ختم کر دوں........... ثبوت تو موجود تھے۔ ان کاغذات کے تحت میں بہ آسانی کام کرسکتا تھا لیکن کچھ تفریح اور ہونی

چاہئے۔ کافی دیر تک میں دروازے کی جانب دیکھتا رہا لیکن کوئی اندر داخل نہیں ہوا۔ تب میرے ذہن میں ایک اور خیال پیدا ہوا۔ عین ممکن ہے کہ نوٹ بک کا راز نہ کھلا ہو اور یہ پروگرام عادل درانی کے ذہن میں پہلے سے موجود ہو۔ یہی بات قرین قیاس تھی۔ عادل درانی نے سارے جھگڑے ختم کرنے کے لئے مجھے راستے سے ہٹا دینا ہی مناسب سمجھا ہو۔ بہرحال یہ عمدہ بات تھی۔ اس طرح مجھے کام کرنے کا کچھ اور موقع مل گیا تھا۔ اب یہ رات سونے کی رات نہیں تھی۔ آج کی رات مجھے آخری کام انجام دے لینے چاہئیں۔ میں ذہن دوڑانے لگا اور فوری طور پر ایک پروگرام ترتیب دے دیا۔

محل کے ایک حصے میں مرغی خانہ بھی تھا۔ یونہی روا روی میں دیکھ لیا تھا لیکن اس وقت وہ بڑے کام کی چیز تھی۔ کافی دیر انتظار کے بعد میں احتیاط کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ رات کا دوسرا پہر اختتام کو تھا۔ میں مرغی خانے کی طرف چل پڑا۔ مرغی خانے کا محافظ مرغی خانے کے نزدیک ایک چار پائی پر سو رہا تھا۔ میں نے اطمینان سے اس کی گردن بھینچ لی' دوسرا ہاتھ میں نے اس کے منہ پر جما دیا۔ کمزور سا آدمی دو تین بار تڑپا پھر گردن کے دباؤ سے بے ہوش ہوگیا۔ تب میں نے مرغی خانے کی چابی نکالی اور اندر داخل ہوگیا۔ سوئی ہوئی مرغیاں مجھے دیکھ کر چیخ پڑی تھیں۔ مجھے ایک مرغی درکار تھی۔ میں نے اپنی مطلوبہ مرغی کی چونچ دبائی تاکہ وہ چیخ نہ سکے اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کر کے چابی اس کی جیب میں ڈالی اور پھر اپنے کمرے میں آگیا۔ مرغی کے معاملے میں بڑی احتیاط برتنی پڑی تھی۔ اگر چونچ کھل جاتی تو سارا کام بگڑ جاتا۔ مرغی کو اپنے بستر پر لے جا کر میں نے چاقو نکالا اور پھر مظلوم مرغی مجھ پر قربان ہوگئی۔ ذبح شدہ مرغی کو میں نے بستر پر چھوڑ دیا اور وہ تڑپنے لگی۔ سارا بستر خون کے دھبوں سے داغدار ہوگیا تھا۔ اس کے بعد میں نے مرغی کو بستر پر ہی چھوڑا اور اپنے سامان سے چند ضروری چیزیں لے کر مرغی کو ہاتھ میں لٹکائے باہر نکل آیا۔ میں نے ایسے راستوں کا انتخاب کیا جو باہر جانے میں معاون ہوسکتے تھے' خون کے قطرے ٹپکتے آرہے تھے۔ تب میں اس محل سے باہر نکل آیا۔ کافی دیر تک میں مرغی کو اسی طرح لٹکائے لٹکائے چلتا رہا اور پھر میں نے اسے اس طرح سنبھال لیا کہ اب خون نہ ٹپکے۔ اس سلسلہ میں سخت احتیاط برتنی پڑی تھی۔ محل سے کافی دور نکل آیا تھا۔ اور پھر ایک

مناسب جگہ میں نے ذبح شدہ مرغی کو الوداع کہا اور اسے ایک گندے نالے میں ڈال دیا۔

صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔ جب میں ایک پارک کے نزدیک پہنچ گیا۔ پارک کے بنچ پر بقیہ وقت گزارا اور جب خوب دھوپ نکل آئی تو وہاں سے نکل کر بازار کی طرف چل پڑا۔ دوکانیں ابھی پوری طرح نہیں کھلی تھیں۔ لیکن مجھے سامان ہی کونسا خریدنا تھا۔ سوٹ کیسوں کی ایک دوکان سے ایک سوٹ کیس خریدا اور اسے لٹکاتے ہوئے ہوٹل شب و روز کا رخ کیا اور شب و روز کا روم نمبر18 مجھے مل گیا۔

ساری رات جاگتے ہوئے گزر گئی تھی۔ کاؤنٹر پر میں نے بتایا کہ میں دارالحکومت میں سے آیا ہوں۔ پھر ناشتہ کرنے کے بعد جو سویا تو تقریباً" تین بجے دوپہر جاگا تھا۔ نیند پوری ہوگئی تھی اس لئے طبیعت بھی ہلکی ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے ہوٹل کے کمرے میں ہی وقت گزارا۔ تین بجے چائے کے ساتھ ہی میں نے کچھ سینڈوچ وغیرہ کھائے تھے۔ شام کا کھانا گول کر دیا۔ تقریباً" پونے دس بجے میں ہوٹل سے باہر آیا۔ پوری طرح تیار تھا اور میرے خیال میں آج اس کھیل کے اختتام کی رات تھی۔

ساڑھے دس بجے کے قریب محل کے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن اندازہ ہوا کہ جلدی آگیا ہوں۔ اس لئے وہیں ایک جگہ میں نے وقت گزاری کی اور ٹھیک بارہ بجے میں محل کے ایک دور افتادہ حصے سے اندر داخل ہوا۔ محل میں اتنا سناٹا نہیں تھا جتنا میں نے تصور کیا تھا۔ ملازموں کی ٹولیاں چہ میگوئیاں کر رہی تھیں۔ ان حصوں میں روشنی ہو رہی تھی جہاں اس وقت اندھیرا ہونا چاہئے تھا۔ کوئی اور بات ہوگئی کیا؟ میں نے سوچا لیکن کہیں موقع نہیں مل سکا کہ میں ان کی باتیں سن سکتا۔ بہرحال میں لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا رانی آف اثرپور کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔ دونوں پہریدار موجود تھے۔ میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور دوسرے لمحے مجھے موقع مل گیا۔ ایک پہریدار کو میں نے عقب سے دبوچا اور اس کی آواز نہیں نکلنے دی۔ میں نے اس کی کنپٹیاں دبا کر اسے بے ہوش کیا اور ایک ستون کی آڑ میں ڈال دیا۔ دوسرا پہریدار خواب گاہ کے دوسرے سرے پر تھا وہ شاید کچھ کہہ رہا تھا اور اسے اپنے ساتھی کا حشر نہیں معلوم تھا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اس کے سر پر پہنچ گیا اور چند منٹ کے بعد دونوں بے ہوش پڑے تھے۔ تب میں نے رانی کی خواب گاہ پر دستک دی۔ "کیا بات

ہے؟" آواز آئی اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ اندر تیز روشنی تھی۔ رانی نے مجھے دیکھا اور اس کی سرخ آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے............ دوسرے لمحے وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور سسکنے لگی۔ میں نے اسے تھوڑا سا پیچھے دھکیلا اور دروازہ بند کر دیا۔

"اوہ............ شہاب............ شہاب تم............ آہ تم............ کیسے ہو؟"............ تمہارے زخم............" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی............"تم زخمی ہو شہاب!"

"مجھے زخمی کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے رانی صاحبہ! حملہ آور ایک بار پھر ناکام رہے ہیں"۔ میں نے کہا۔

"اوہ شہاب! میری زندگی!!"............ وہ دوبارہ مجھ سے لپٹ گئی۔ بمشکل تمام اس کا جذباتی طوفان تھما............ "لیکن تمہارا خون آلودہ بستر............ براہ کرم مجھے بتاؤ............ تمہارے کہاں زخم ہے!" وہ میرا بدن ٹٹولنے لگی۔

"ایک خراش بھی نہیں ہے میرے بدن پر............ میں نے کہانا مجھے زخمی کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن............ آپ کے مجرم روشنی میں آگئے!!" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا اور رانی کے ہاتھ کی گرفت میرے بازو پر سخت ہوگئی۔ وہ ہیجانی انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی۔

"سچ شہاب! کیا یہ سچ ہے............؟" اس نے بمشکل تمام اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ہاں............ میں نے انہیں شکنجے میں کس لیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک شرط بھی ہے"۔

"شرط؟ کیسی اور کس سلسلہ میں؟" رانی نے پوچھا"۔

"میں آج رات آپ کے مجرموں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں گا............ لیکن اس سے قبل آپ کو وہ کہانی مجھے سنانی پڑے گی جس کے کچھ پہلو آپ نے پوشیدہ رکھے ہیں!" میں نے اس کی صورت بغور دیکھتے ہوئے کہا اور رانی کا چہرہ پھیکا پڑگیا۔ وہ سراسیمہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی............ پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا"۔ "پہریدار............ پہریداروں کا کیا ہوا!............

کیا انہیں تمہاری آمد کا علم ہے؟"

رانی آف اٹرپور نے نہ جانے کس تصور کے ساتھ یہ سوال کیا تھا۔ میں چند ساعت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "وہ دونوں بے ہوش ہیں!"

"کسی کی نگاہوں میں تو نہیں آپائیں گے؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔ کیا کسی کے یہاں آنے کا امکان ہے؟"

"بظاہر تو نہیں ہے لیکن بہتر سمجھتی ہوں کہ وہ دروازے پر مستعد ہوتے!"

"تب پھر کسی دوسری جگہ چل کر گفتگو کریں"۔ میں نے تجویز پیش کی اور رانی نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اسے قبول کرلیا۔ "اس کے لئے کوئی مناسب جگہ بھی آپ ہی تجویز کریں"۔ میں نے دوبارہ کہا۔ رانی صاحبہ مجھے جس کمرے میں لائیں' وہ محل کا بالکل اندرونی حصہ تھا' لیکن یہاں سے ہم پرنس شاہینہ کے علاقے میں بہ آسانی جاسکتے تھے۔ میں نے اس کمرے کو دیکھ کر سوچا کہ بلاشبہ محل کے بے شمار گوشے میری نظروں سے پوشیدہ ہیں"۔

"یہ جگہ مناسب ترین ہے۔ کوئی ہمارے یہاں ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا"۔

"آپ مطمئن ہیں تو ٹھیک ہے۔ ہاں یہ تو بتائیں کہ رات کے اس حصے میں محل میں غیر معمولی چہل پہل کیوں ہے جبکہ عام دنوں میں اس وقت لوگ سو جاتے ہیں!؟"

"تمہاری وجہ سے۔ لیکن تم حیرت انگیز انسان ہو۔ تمہارا خون آلود بستر اور خون کے وہ قطرے جو دور تک چلے گئے ہیں' دیکھ کر تو یہ اندازہ ہوتا تھا کہ تم شدید زخمی ہوگئے ہو"۔

"حملہ آور نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے بستر میں آپ کو گولیوں کے نشانات نہیں ملے!؟" میں نے پوچھا۔

"ملے ہیں' اسی لئے تو یہ خیال تھا کہ تم............ لیکن تم تو واقعی زخمی بھی نہیں معلوم ہوئے"۔

"ہاں' وہ خون ایک مظلوم مرغی کا تھا جو آپ کے مرغی خانے سے چرائی گئی تھی"۔

"میرے خدا۔ تم نے چرائی تھی!؟" رانی صاحبہ حیرت سے چیخ کر بولیں۔

"جی!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟"

"حملہ آور کو یقین دلانے کے لئے وہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہوگیا ہے"۔

"خدا کی پناہ! لیکن کیا تم اس وقت اپنے بستر پر موجود نہیں تھے"۔

"صرف تکیئے تھے اور میں سامنے والی کارنس پر تھا۔ اس کارنس پر جس کے اوپر والے روشندان سے گولیاں چلائی گئی تھیں؟"

"اوہ!" رانی کی آنکھوں میں شدید حیرت اور خوف کے آثار تھے۔ پھر اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے تمہارے غیر معمولی ہونے کا تو پہلے ہی یقین تھا لیکن کیا تم نے حملہ آور کو دیکھ لیا تھا؟"

"افسوس اس وقت ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن اس کے بعد بہت کچھ ہوگیا"۔

"کیا؟"

"یہاں سے آپ کے سوالات ختم۔ اب مجھے سوالات کرنے کی اجازت دیں۔ اس کے علاوہ رانی صاحبہ! ہمارے اور آپ کے آئندہ معاملات کا دارومدار انہی سوالات کے صحیح جواب پر ہوگا۔ اگر آپ نے مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کی تو میں اسی وقت محل چھوڑ دوں گا اور صبح کو دارالحکومت واپس چلا جاؤں گا!"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ صحیح جواب دوں گی"۔ رانی صاحبہ نے کہا۔

"تب عادل درانی کے اور اپنے تعلقات کی مکمل نوعیت اور اس کے ایک ایک پہلو سے مجھے روشناس کرائیں"۔ میں نے کہا اور رانی کا چہرہ پھر پھیکا پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ گردن جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "تم بدظن تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

"وعدہ کرتا ہوں، نہیں!" میں نے جواب دیا۔

"جو کچھ میں نے اب تک تمہیں بتایا ہے اس میں صرف تھوڑا سا اضافہ کروں گی۔ میں نے عادل درانی سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ میں اپنے دشمنوں کو منظر عام پر لا کر ان کے وجود کو ختم کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کے بعد عادل درانی کے ساتھ پرسکون زندگی گزاروں"۔

"آپ کے خیال میں آپ کا دشمن کون ہو سکتا ہے؟"

"میرا شبہ صرف منصور پر ہے۔ اس کی پوزیشن سب سے مضبوط ہے لیکن وہ

بے حد گہرا انسان ہے!"

"عادل درانی کا بھی یہی خیال ہے؟"

"ہاں۔ لیکن کوششوں کے باوجود ہم اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں حاصل کر سکے!"

"پرنس شاہینہ کے ساتھ آپ کا رویہ کیسا ہے؟"

"مجھے اس سے نفرت ہے اور اس نفرت نے نواب فیروز کی زندگی میں ہی جنم لیا۔ اس وقت وہ معذور نہیں تھی۔ نواب فیروز نے اسے ہمیشہ مجھ پر فوقیت دی۔ اسے مجھ پر برتری حاصل رہی اور وہ مجھے خود سے کمتر سمجھتی رہی اور پھر قدرت نے مجھے اس سے انتقام کا موقع فراہم کر دیا۔ اب وہ انتہائی بے کسی کی زندگی گزار رہی ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی کیونکہ وعدہ کر چکی ہوں۔ میں نے اس پر زندگی تنگ کر دی ہے۔ منصور کے ساتھ ہی میں اس کا قصہ بھی پاک کر دینا چاہتی تھی!" رانی نے نفرت سے کہا۔

"عادل درانی نے کبھی شاہینہ کی طرفداری کی؟"

"نہیں۔ وہ بھی اسے راستے سے ہٹانے کا خواہش مند تھا"۔ رانی صاحبہ نے جواب دیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ رانی آف اٹر پور کسی قدر الجھی ہوئی نگاہوں سے میری مسکراہٹ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ آتے تھے۔ پھر اس نے کسی قدر کربناک انداز میں کہا۔ "تم نے مجھ سے سچ بولنے کا وعدہ لیا تھا اس لئے میں نے ایک ایک لفظ درست کہا ہے۔ اس بات کا خیال کئے بغیر کہ اس سے میری پوزیشن کیا ہو جائے گی، لیکن یوں لگتا ہے کہ جیسے تم نے میری باتوں پر یقین نہیں کیا۔ آخر کیوں؟"

"نہیں رانی صاحبہ! میں آپ کی بات کو جھوٹ سمجھنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ آپ نے یہ تصور کیوں کیا؟"

"تمہاری مسکراہٹ اس بات کا ثبوت ہے!" اس نے کسی قدر شکایتی لہجے میں کہا۔

"ایک غیر متعلق سا سوال کروں گا۔ آپ ناراض تو نہ ہوں گی؟"

"شباب! کیا دنیا کے تمام مرد عورتوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں خواہ وہ

کسی عمر‘ کسی حیثیت کی مالک ہوں!'' رانی نے سوال کیا۔

''میں نہیں سمجھا!''

''میں نے تمہارے سامنے اپنا دل کھول دیا ہے۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اثر پور کی مطلق العنان حکمران ہونے کے باوجود میں کتنی بے بس‘ کتنی لاچار ہوں۔ میں نے تمہارے سامنے اپنی شخصیت کا ایک ایک پہلو بے نقاب کر دیا ہے۔ کیا صرف اس لئے کہ تم تکلف کی فضا برقرار رکھ کر میرے جذبات اور احساسات اپنائیت سے اس طرح کھیلتے رہو۔ تم اپنی گفتگو میں دوری کی فضا برقرار رکھ کر گفتگو کر رہے ہو جب کہ میں اپنے وجود کی تمام گہرائیاں تمہارے لئے کھول چکی ہوں''۔

''یقین فرمایئے! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو آپ کی سادگی پر مسکرا رہا ہوں۔ آپ نے اپنی دانست میں اپنے بہترین وسائل بروئے کار لاتے ہوئے اپنے دشمنوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن رانی صاحبہ! اگر چارہ گر ہی صیاد بن جائے تو............''

''اب تم مجھے سمجھاؤ''۔ رانی نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''لیکن میرا وہ سوال ادھورا رہ جائے گا!''

''تو خدا کے واسطے وہ سوال کر ہی ڈالو! میرا دماغ پھٹ جائے گا!''

''آپ کو جسمانی مظاہرے دیکھنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ اتنا کہ آپ چھپ چھپ کر کشتیوں کے مقابلے دیکھنے جاتی ہیں!''

''ہاں یہ حقیقت ہے اور میرا خیال ہے کہ اب تمہیں اس کیفیت کی وجہ بھی معلوم ہو ہی جانی چاہئے۔ میں عورت ہوں اور عورت‘ عمر کی ایک منزل میں داخل ہو کر اپنی ذات کے ہر پہلو کے لئے ایک مضبوط مرد کی طلب گار ہوتی ہے۔ وہ کچھ بھی بن جائے‘ اس کی فطرت نہیں بدلتی اور پھر میں تو ہمیشہ کی کچلی ہوئی عورت ہوں۔ کیا سیم و زر کے انبار انسانی ذات کے لئے مکمل حیات بن سکتے ہیں۔ نواب صاحب کے بارے میں میں بتا چکی ہوں کہ وہ کیا تھے۔ اپنے خاندان کے بارے میں بھی بتا چکی ہوں۔ بچپن کی تربیت نے میرے کردار پر کوئی داغ نہ لگنے دیا لیکن طلب فطرت کا خاصہ ہے میں ایک درمیانی حیثیت رکھتی ہوں۔ ایک طرف اخلاق و آداب اور کردار کے تقاضے اور دوسری طرف بدن کی پکار۔ آدھا تیتر‘ آدھا بٹیر۔ اس کے باوجود شباب!

یقین کرو میں نے خود کو زندہ رکھا ہے۔ میں نے اپنے پیاسے وجود کو ہمیشہ تھپکیاں دی ہیں۔ ہاں آنکھوں کا گناہ کرتی رہی ہوں!'' اس کے رخسار بھیگ گئے۔

''معاف کیجئے‘ میں نے ایک غیر متعلق سوال کر کے آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی''۔

''براہ کرم ایسے الفاظ مت ادا کرو مجھے کھول دو۔ میرے وجود کے ذرے ذرے کو جھنجھوڑ دو تاکہ میں تمہارے سامنے ایک حقیقت بن جاؤں اور اس حقیقت کا تجزیہ کر کے اس کے بارے میں فیصلہ کر لو''۔ رانی نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور سسکنے لگی۔ میں دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر جب آہستہ آہستہ وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ ''میں دراصل یہی چاہتا تھا رانی صاحبہ! کہ آپ کسی ایک صدمے سے دوچار ہو کر دوسرے صدمے کے لئے تیار ہو جائیں۔ دراصل میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں''۔

میرے ان الفاظ نے رانی کی کیفیت ایک دم بدل دی۔ وہ رونا بھول کر میری شکل دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر سخت حیرت کے اثرات تھے۔ ''یعنی............ یعنی............ تمہارا مطلب ہے............ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے میرے دشمن کی شناخت کر لی ہے!''

''جی............ میرا یہی مطلب ہے!''

''ثبوت کے ساتھ؟''

''جی ہاں! میں ایک محتاط آدمی ہوں۔ تاریکی کی چھلانگوں میں لگی ہوئی چوٹ کو چھپا لیتا ہوں۔ جب تک روشنی نہ ہو جائے!''

''کون ہے وہ............ کیا منصور؟'' رانی نے سوال کیا۔

''جی نہیں!''

''پھر............؟'' رانی کا ہیجان ابھر رہا تھا۔

''عادل درانی!'' میں نے جواب دیا اور رانی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کافی دیر تک وہ گنگ بیٹھی رہی۔ شدت حیرت سے اس کی آواز ہی بند ہو گئی۔ پھر اس نے عجیب سے انداز میں گردن ہلائی۔ ''نہیں‘ یہ ناممکن ہے!''

''مجھے یقین تھا کہ آپ یہی الفاظ ادا کریں گی۔ یہ کچھ کاغذات پیش خدمت ہیں‘

امید ہے آپ کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں گے!" میں نے وہ کاغذات نکال کر رانی کے سامنے رکھ دیئے جنہیں میں نے عادل درانی کی قیام گاہ سے حاصل کیا تھا لیکن ان میں سے کچھ کاغذات میں نے اپنے پاس بھی رہنے دیئے تھے۔ انہیں اس وقت رانی کو دکھانا مناسب نہیں تھا اور پھر ان میں سے چند میری ذاتی ضرورت بھی تھے۔ رانی ان کاغذات کو دیکھتی رہی۔ وہ اس قدر ہیجان کا شکار تھی کہ مجھے خطرہ ہوا کہ اس کے دماغ کی کوئی رگ ہی نہ پھٹ جائے۔ کافی دیر تک وہ ان کاغذات کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر میری طرف دیکھنے لگی۔ "اب.......... اب کیا ہوگا؟" اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"آپ کا مجرم آپ کے سامنے ہے رانی صاحبہ!"

"لیکن.......... لیکن اسے کیا فائدہ تھا..........؟ اس نے یہ سازش کیوں کی.......... اسے اس سے کیا ملتا.......... وہ تو.......... وہ تو میرا ساتھ دے کر ہی فائدے میں رہ سکتا تھا"۔

"یہ دوسرا سوال ہے اور میرے پاس اس کا جواب بھی موجود ہے لیکن اس کے لئے آپ کو چوبیس گھنٹے کی زحمت اور برداشت کرنا پڑے گی..........!"

"کیوں؟"

"ضروری ہے۔ بعض چیزوں کو ثابت کرنے کے لئے کچھ انتظامات بھی ضروری ہوتے ہیں۔ ہاں عادل درانی تو ابھی یہیں موجود ہے۔ اگر میں خون کا چکر نہ چلاتا تو شاید وہ ہمارے سامنے رہتا!"

"کیا مطلب؟"

"اس نے مجھے قتل کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگر بستر پر اتنا خون نہ ملتا تو وہ خود روپوش ہو جاتا۔ میری موت ہی اس کے لئے سکون بخش ہو سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب وہ اپنے پورے وسائل سے میری لاش تلاش کر رہا ہوگا!"

"تو اس نے تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"ان کاغذات کی موجودگی میں بھی آپ اس بات پر شبہ کریں گی؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آہ! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آہ! میں کس قدر تنہا ہوں کوئی بھی تو مجھ سے ہمدردی نہیں رکھتا۔ اسے آخر ان باتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے دل میں کیا تھا؟ اور اب تم ہی مجھے بتاؤ، ان چوبیس گھنٹوں میں، میں کیا کروں گی؟"

"میں آپ کو مشورہ دیتا کہ آپ عادل درانی کو گرفتار کرلیں لیکن اس سے دوسرا مجرم ہوشیار ہو جائے گا۔ آپ صرف اتنا کریں کہ کل شام کو ان لوگوں کو تیار رکھیں جو آپ کے حکم پر کسی کو بھی گرفتار کرسکیں۔ کیا ایسے لوگ آپ کے پاس موجود ہیں۔ اگر نہ ہوں تو میں دوسرا بندوبست بھی کر سکتا ہوں!"

"نہیں! اب میں دوسرے معاملات میں اتنی بے حقیقت بھی نہیں ہوں"۔

"میرا خیال ہے، اب اجازت دیں۔ مجھے ایک ایسا کام کرنا ہے جو بظاہر کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن بہت اہم ہے اور ہاں، ممکن ہو تو کل عادل درانی کو اپنے کاموں، میں مصروف رکھیں اور اپنی کسی بات سے اس کا اظہار نہ ہونے دیں کہ آپ اس کی طرف سے مشکوک ہیں!"

"ٹھیک ہے، لیکن تم..........؟"

"ممکن ہے کل میں کسی وقت واپس آ جاؤں۔ بہرحال آپ سے رات کو ملاقات کروں گا!"

"کس وقت؟"

"ٹھیک آٹھ بجے۔ یا ممکن ہے اس سے کچھ پہلے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ آپ ٹھیک آٹھ بجے اسی جگہ پہنچ جائیں"۔ میں کھڑا ہوگیا۔

"احتیاط سے جانا اور اپنی پوری پوری حفاظت کرنا اور ہاں کل آٹھ بجے تک کا وقت میں جس طرح گزاروں گی، ممکن ہے تم اس کا اندازہ نہ کرسکو۔ ٹھیک وقت پر آ جانا!"

"خدا حافظ"۔ میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔

دوسرا دن زیادہ مصروفیت کا نہیں تھا۔ البتہ اٹرپور کی سڑکوں اور گلیوں میں کسی سپیرے کی تلاش خاصا مشکل کام ثابت ہوئی لیکن بہرحال میں نے ایک سپیرا تلاش کر ہی لیا۔ سپیرے کو اچھی خاصی رقم دے کر میں نے ایک ایسا سانپ حاصل کیا جس کا زہر اور دانت نکال لئے گئے تھے لیکن دیکھنے میں وہ بہت خوفناک لگتا تھا۔ سپیرے نے مجھے

ایک تھیلی بھی فراہم کر دی جس میں سانپ کو بند رکھا جاسکتا تھا۔ بس آج کے لئے یہی کام تھا۔ میں اطمینان سے اپنے ہوٹل میں واپس آگیا۔

پونے سات بجے میں محل کی طرف چل پڑا۔ محل میں جانے کے لئے مجھے کافی احتیاط برتنی پڑی تھی لیکن کوشش کرکے میں دوسروں کی نگاہوں سے بچتا ہوا اندر پہنچ گیا۔ محل کے اس گوشے میں جانے کے لئے مجھے سخت جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ بہرحال وقت سے کچھ پہلے ہی میں اس جگہ پہنچ گیا اور آرام سے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ٹھیک آٹھ بجے رانی آف اثرپور اندر داخل ہوگئی۔ میں نے روشنی نہیں کی تھی اور تاریکی میں ہی آرام کر رہا تھا۔ رانی نے اندر داخل ہوکر بتی جلائی اور مجھے دیکھ کر اس کے حلق سے ایک آواز نکل گئی چنانچہ وہ پھیکے انداز میں مسکرا دی۔ ''آسانی سے یہاں تک پہنچ گئے تھے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں!'' میں نے جواب دیا۔ اور وہ ایک گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔

''اگر تم انتہائی انوکھے انسان نہ ہوتے تو یہ بات بھی میرے لئے سخت تشویش کا باعث ہوتی کہ میرے محل کے اندرونی گوشوں تک بھی اتنی آسانی سے رسائی ہے حالانکہ یہ حصہ تم نے پہلی بار کل ہی دیکھا ہے''۔

''ہاں! میرے خیال میں اس کے دوسری طرف پرنس شاہینہ کی رہائش گاہ ہے!'' میں نے پوچھا۔

''بے شک! اور اس رہائش گاہ تک پہنچنے کا ایک خفیہ راستہ بھی ہے!''

''خوب! آپ اسی راستے سے آتی جاتی ہوں گی!''

''ہاں!'' رانی نے جواب دیا۔

''کیا اس کے بارے میں شاہینہ کو بھی علم نہیں ہے؟''

''نہیں! میں نے اسے سب سے پوشیدہ رکھا ہے سوائے عادل درانی کے اور کوئی اس راستے سے واقف نہیں ہے!'' اس نے کہا اور اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ نہ تو میں نے اور نہ ہی رانی آف اثرپور نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ دروازہ بند کر دیا جائے۔ ہم دونوں غافل تھے۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والا عادل درانی تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا پستول دبا ہوا تھا اور اس کا چہرہ بے حد خوفناک نظر آ رہا تھا۔ رانی اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگی لیکن عادل درانی میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''تو تم زخمی بھی نہیں ہوئے؟'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''تو تم کھل کر سامنے آگئے؟'' میں نے بھی اس کے انداز میں جواب دیا۔ ویسے مجھے اس کے اس طرح آ جانے کی توقع نہیں تھی۔

''ہاں لیکن مجھے یہ امید نہیں تھی کہ اس وقت تم بھی یہاں موجود ہوگے لیکن تقدیر جب کامیابی کے راستے کھولتی ہے تو.........'' عادل درانی کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اوہ' تو تم صرف رانی صاحبہ کے تعاقب میں آئے تھے!'' میں نے کہا۔

''میرے کاغذات کہاں ہیں؟'' عادل درانی نے پوچھا۔

''رانی صاحبہ کے پاس!'' میں نے سکون سے جواب دیا۔ ویسے اس دوران میں نے صورت حال کا جائزہ بھی لیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ عادل درانی اگر تھوڑی دیر تک اپنی جگہ تبدیل نہ کرے تو میں اسے نشانہ بناسکتا ہوں اور اس کے لئے میرا پاؤں غیر محسوس انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ خاتون شاہانہ فیروز کو سب کچھ معلوم ہوگیا۔ بہرحال مجھے شبے میں مبتلا کرنے والی بھی یہی ہیں۔ ان کا آج کا رویہ میرے لئے بے حد پراسرار تھا۔ ان کی حالت بہتر نہیں تھی لیکن یہ ضرورت سے زیادہ خوش مزاج بننے کی کوشش کرتی رہی ہیں اور آج کا سارا دن بھی انہوں نے میرے ساتھ ہی گزارا ہے''۔ عادل درانی نے کہا اور رانی ایک دم بپھر گئی''۔ عادل درانی! ٹکر گدے کیا تجھے یہ مرتبہ' یہ عزت میرے طفیل نصیب نہیں ہوئی۔ کیا میں نے تجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر نہیں پہنچا دیا!'' وہ غراتی ہوئی آواز میں بولی۔

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے شاہانہ! اگر تم اپنی ذات کے لئے مجھے کوئی پیشکش کرتیں تو خدا کی قسم! میں اسے ٹھکرا دیتا۔ مجھے تمہاری دولت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو......... میں تو صرف شاہینہ کو تمہارے ظلم و استبداد سے بچانا چاہتا تھا!''

''کیسے؟'' رانی چیخ پڑی۔ اس پر حیرت کا شدید حملہ ہوا تھا۔

''میرے کاغذات سے تمہیں سب کچھ پتہ چل گیا ہوگا اس لئے اب اس اداکاری کو جاری رکھنے سے کیا فائدہ۔ ہاں میں شاہینہ سے پیار کرتا ہوں۔ میں اسے اتنی شدت سے چاہتا ہوں کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتیں......... میں جانتا تھا کہ تم شاہینہ کے

سینے کا سانپ ہو۔ میں اسے تم سے بچانا چاہتا تھا چنانچہ میں تمہاری سازش میں شریک ہوگیا اور اس کے بعد میں نے تمہارے لئے ایک جال بچھا دیا۔ تم آسانی سے اس جال کی طرف آ رہی تھیں لیکن یہ کمبخت درمیان میں آگیا اور اس نے میرا سارا کھیل بگاڑ دیا۔ لیکن اب.......... اب میں انتظار نہیں کرسکتا شاہانہ! حالات میرے خلاف جا رہے ہیں۔ تم نے اس چالاک آدمی کا سہارا لے کر یہ سمجھا ہوگا کہ میں.......... میں بے وقوف ہوں.......... میں اس سے ہار مان گیا ہوں۔ اس سے خوفزدہ ہوگیا ہوں لیکن میرے پاس ہر بات کا توڑ موجود ہے۔ صرف اس کا خطرہ تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ بھی دور ہوگیا۔ اب تم دونوں.......... اب میں تم دونوں کو.........." عادل بے اختیار ہنس پڑا۔ "اور اس کے بعد.........."

"اس کے بعد تم کیا کرو گے؟" رانی آف اٹرپور کی آواز بے حد خوفناک تھی۔

"میں نے پورا کھیل مکمل کرلیا ہے اور اس شخص کی موجودگی نے تو باقی مشکل بھی حل کر دی ہے۔ رانی قتل ہو جائے گی اور اس کے قاتل کو بھی گولی مار دی جائے گی۔ میں بے شمار ثبوت مہیا کردوں گا کہ تم نے میرے سامنے شاہانہ کو گولی ماری اور تم ہی اس کے پوشیدہ دشمن تھے۔ تمہاری ذات سے کوئی بھی خوبصورت کہانی منسلک کی جاسکتی ہے!" عادل درانی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ! عادل کتے! بے ضمیر!! میں نے تیرے ساتھ.........." رانی بپھرے ہوئے انداز میں اٹھ گئی اور عادل کی نگاہ ذرا سی چوکی تھی کہ میں اپنا کام کرگیا۔ میرا پاؤں اب اس تپائی کے نیچے بھرپور انداز میں موجود تھا جو میرے سامنے رکھی ہوئی تھی' بس اسے کامیابی سے اچھالنا تھا جس میں رانی نے میری مدد کی۔ میں نے پوری قوت سے تپائی اچھال دی اور تپائی بھرپور انداز میں عادل کے منہ پر پڑی۔ ضروری نہیں تھا کہ پستول ہی نشانہ بن جاتا' اس لئے میں خود بھی تیار تھا چنانچہ میں اڑتا ہوا عادل پر جاپڑا اور میرے بھرپور ہاتھ نے عادل کا پستول بھی گرا دیا جسے میں نے ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا حالانکہ عادل کی پیشانی پر تپائی کی ضرب شدید تھی لیکن اس وقت زندگی موت کا مسئلہ تھا۔ وہ کسی خونخوار درندے کی طرح مجھے بھنبھوڑنے لگا۔ اس نے میرے بازو کو دانتوں میں لیا اور تیز ناخنوں سے میری آنکھیں نوچنے کی کوشش کی لیکن بپھرا ہوا انسان نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ میں نے اس کی پیشانی پر جاپ مارا اور اس کے دانتوں کی گرفت

ڈھیلی پڑگئی۔ دوسری جاپ نے اسے چکرا دیا اور تیسرے ہاتھ نے زمین چٹا دی۔ وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت کا شکار ہوگیا تھا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر آخری ٹھوکر رسید کی اور اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

رانی کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پستول اٹھا لیا۔

"میں اس کتے کو گولی مار دوں گی!" وہ خونخوار لہجے میں بولی۔

"نہیں! ہرگز نہیں!" میں عادل کے بے ہوش جسم کے سامنے آگیا۔

"ہٹ جاؤ۔ براہ کرم ہٹ جاؤ۔ براہ کرم ہٹ جاؤ۔ میں.......... میں.........."

"نہیں شاہانہ نہیں! اس طرح آپ اپنے مجرم کو عدالت کے سامنے پیش ہونے سے قبل ہی ختم کر دیں گی اور لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کریں گے!" میں نے کہا اور رانی نے عجیب نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر پستول پھینک دیا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ .... کہ .... کہ ...."

"یہ شاہینہ کو چاہتا ہوگا!" میں نے جملہ پورا کر دیا۔

"ہاں! لیکن کیا تمہیں یہ بات معلوم تھی؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

"ظاہر ہے۔ میں نے پوری تفصیل معلوم کرنے کے بعد ہی کھیل شروع کیا تھا لیکن یہ بدحواس ہوکر الٹے سیدھے اقدامات پر اتر آیا۔ مجھے اتنی جلدی کی توقع نہیں تھی"۔ میں نے کہا اور رانی کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔ پھر وہ روتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔ "اوہ شہاب! تم موجود نہ ہوتے تو.......... یہ کمینہ مجھے گولی مار دیتا۔ شہاب! تم نے میری جان بچا کر مجھے خرید لیا ہے!" غم سے وہ بری طرح سسک رہی تھی۔ بمشکل تمام میں اسے خاموش کرانے میں کامیاب ہوسکا تھا!

"ابھی ایک باقی ہے!" میں نے کہا اور رانی اچھل پڑی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ "شاہینہ!" اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "اس نے ہمیشہ مجھ پر برتری حاصل کی ہے۔ اس نے ہمیشہ مجھے تکلیف دی ہے لیکن آخری بار.......... اور پہلی بار اس نے دھوکہ دیا ہے.......... لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ آہ' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ درانی اس سے عشق کرتا ہوگا۔ کم بخت کئی بار مجھے اس کے قتل کے مشورے دے چکا ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ نفرت کا اظہار کرتا تھا اس سے صرف اس کا تحفظ حاصل کرنے کے لئے لیکن شاہینہ! آخر تو تھی

ہی..........!"

"اب مجھے ایک رسی درکار ہے تاکہ عادل کو کس لیا جائے"۔

"میں لاتی ہوں"۔ وہ باہر نکل گئی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ شاہینہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے میں درانی کے سر پر ایک اور ٹھوکر رسید کرکے باہر نکل آیا لیکن وہ رسی ہی لینے گئی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئی۔ رسی سے درانی کو کس کر میں نے اس کے حلق میں کپڑا ٹھونسا اور پھر جادو کی تھیلی لے کر وہاں سے نکل آیا۔

خفیہ راستے سے ہم شاہینہ کی آرام گاہ کی طرف چل پڑے۔ "اس تھیلی میں کیا ہے؟" رانی نے اچانک پوچھا۔

"جادو کی تھیلی ہے۔ اس کی وجہ سے میں نے یہ کھیل آج پر ملتوی کیا تھا!"

"میں نہیں سمجھی!" رانی نے تعجب سے پوچھا۔

"اس تھیلی کے ذریعہ میں ایک اور انکشاف کروں گا۔ کیا آپ اس بات پر یقین کریں گی رانی صاحبہ کہ.........." میں اچانک خاموش ہو گیا۔ ہم شاہینہ کی خواب گاہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دروازے کے سامنے ہی شاہینہ کی پشت نظر آ رہی تھی۔ وہ پہیوں والی کرسی پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے رانی کو اشارہ کیا اور ہم بے آواز دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ پھر میں نے تھیلی کھولی اور اس میں سے سانپ نکال کر چشم زدن میں اندر اچھال دیا۔ شاہینہ نے چونک کر گرنے والی چیز کو دیکھا اور پھر.......... اچانک اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ "سانپ"۔ وہ چیخی اور بے اختیار کرسی سے اٹھ کر باہر نکل آئی۔ باہر آکر وہ اپنے لباس میں الجھ کر گرتے گرتے بچی تھی اور رانی آنکھیں پھاڑے اپاہج شاہینہ کو دیکھ رہی تھی۔ تب میں آگے بڑھ گیا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں' وہ بے ضرر ہے!" میں نے نرم لہجے میں کہا اور وہ خوف سے منہ پھاڑ کر رہ گئی۔ پھر مجھے دیکھ کر اچھل پڑی۔

"کیا.......... کیا مطلب؟"

"وہ آپ کو کاٹ نہیں سکتا!"

"تمہیں کیا معلوم؟" اس نے بے اختیار کہا۔

"اس لئے کہ میں نے اسے بے ضرر بنا ڈالا تھا!"

"کیا بکواس ہے؟" شاہینہ جھنجلا کر بولی۔ ابھی تک اس کی نگاہ رانی پر نہیں پڑی تھی۔

"میں آپ کے پاؤں ٹھیک کرنا چاہتا تھا!" میں نے کہا اور وہ اچھل پڑی۔ پھر اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ "دراصل رانی صاحبہ سے شرط لگ گئی تھی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ معذور نہیں ہیں لیکن انہوں نے یہ بات نہیں مانی۔ میں نے اس کا عملی تجربہ کرکے ان کو دکھا دیا!"

"ہاں مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ.......... اتنی گندی کتیا ہے! رانی آگے بڑھ آئی اور شاہینہ ایک بار پھر اچھل پڑی اور پھر اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ "یہ تو وقت بتائے گا کہ گندی کتیا کون ہے!" اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا تونے یہ بات مجھ سے کہی ہے؟"

"ہاں قابل نفرت عورت! کیا روئے زمین پر تجھ سے زیادہ گھناؤنی شخصیت اور کسی کی ہوگی۔ تو نے جس طرح ہمارے حقوق پر ڈاکہ ڈالا.........." شاہینہ بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ رانی اس پر ٹوٹ پڑی۔ اس نے ہاتھ گھمایا لیکن شاہینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "اگر تو نے مزید بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو میں تیری آنکھیں نکال لوں گی۔ بہت دنوں سے تمہاری نفرت کا کھیل برداشت کر رہی ہوں"۔ اس نے رانی کو زوردار جھٹکا دیا اور رانی منہ کے بل گرتے گرتے بچی۔ شاہینہ رانی سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔

مجھے یہ کھیل کافی دلچسپ معلوم ہو رہا تھا۔ بہرحال میں نے آگے بڑھ کر مداخلت کی۔ "میرا خیال ہے اب یہ باتیں ختم کی جائیں۔ انہیں درانی کی لاش دکھا دی جائے"۔

"کس کی لاش؟" شاہینہ چیخ پڑی۔

"عادل درانی خود اپنی سازش کا شکار ہو گیا۔ وہ گولی کا نشانہ بن گیا ہے!" میں نے کہا۔

"بکواس مت کرو کتے! ذلیل.......... یہ نہیں ہو سکتا.......... آہ.......... یہ نہیں ہو سکتا۔ عادل۔ عادل!!" شاہینہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی اور پھر وہ مجھ پر ٹوٹ

پڑی۔ اس نے کسی پاگل کتیا کی طرح مجھے بھنبھوڑ کر رکھ دیا اور اسے قابو کرنے میں مجھے بڑی دقت پیش آئی تھی۔ کسی عورت کی یہ بے پناہ طاقت میرے لئے حیرت انگیز چیز تھی لیکن اس کے بعد وہ بے ہوش ہوگئی تھی!

رانی آف اثرپور کی بری حالت تھی۔ وہ ان دونوں کے خلاف شدید اقدامات پر آمادہ تھی لیکن میں نے اسے روک دیا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ میری بات مانی تھی۔ میں نے اسے مجبور کیا تھا کہ ان پر مقدمہ چلائے اور لوگوں کے سامنے حقیقت لے آئے ورنہ لوگ اسے قاتل اور غاصب سمجھیں گے۔ بہرحال ان دونوں کو قید کر دیا گیا تھا اور رانی نے اپنے تمام مشیروں اور گورنمنٹ کے عہدیداروں کو بلاکر مقدمے کا آغاز کر دیا تھا۔ رانی نے ان دونوں پر شدید الزامات لگائے تھے اور اس کے لئے اس کے پاس ثبوت موجود تھے۔ عادل درانی پر سرور کے قتل کا الزام بھی تھا۔ شاہینہ کو بھی قتل ہی کے مقدمے میں پھانسا گیا تھا تاکہ اسے سزائے موت دی جاسکے۔ میں نے رانی سے درخواست کی تھی کہ میرا نام درمیان میں نہ آنے پائے' ورنہ اس سے میرا پیشہ متاثر ہوتا ہے۔

"اپنے مددگار کی حیثیت سے بھی تمہارا نام نہ لوں!" رانی نے پوچھا۔

"نہیں' یہ میرے پیشے کا تقاضا ہے اور میں پولیس سے بھی مدد لینا چاہتا ہوں؟"

"اپنی زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے تو میں تمہیں متعارف کراسکتی ہوں؟" رانی جذباتی آواز میں بولی اور میں گڑبڑا گیا۔ ابھی معاوضے کی رقم کی وصولی کرنی تھی۔ اس لئے کوئی سخت بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ "ابھی آپ جذبات میں ڈوبی ہوئی ہیں رانی صاحبہ! ان حالات سے نکلنے کے بعد پہلے آپ کیفیات کا جائزہ لیں۔ اس کے بعد آپ کی زندگی میں میری کوئی گنجائش رہے تو..........."

"تمہیں شبہ ہے شہاب!" رانی شکایتی انداز میں بولی۔

"یہ بات نہیں ہے رانی صاحبہ! آپ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ کوئی بھی شخص آپ کی قربت میں فخر محسوس کرے گا۔ میں نے آپ کا ایک چھوٹا سا کام کیا ہے جس کا آپ نے مجھے معاوضہ ادا کیا ہے۔ اگر میں فوراً" ہی ایک ریاست کا نواب بننے کے خواب دیکھنے لگوں تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا چنانچہ اس سلسلہ میں آپ اس وقت سوچیں جب ان معاملات سے فارغ ہو جائیں؟"

"شہاب! میں نے ساری زندگی ایک مضبوط سہارے کی آرزو کی ہے اور یقین کرو کہ تم سے بہتر انسان روئے زمین پر میرے لئے کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔ بہرحال ان دونوں کو کیفرکردار تک پہنچا دیں' اس کے بعد دیکھا جائے گا!"

"گرفتاری کے بعد آپ نے ان سے ملاقات کی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا دماغی توازن بگڑنے لگتا ہے ان کی شکلیں دیکھ کر! اس دن عدالت میں دیکھا تھا اس کے بعد سے پھر نہیں دیکھا اور نہ دیکھنا چاہتی ہوں"۔

"میں ان سے ملوں گا۔ اجازت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ریاستی امور میں کہیں بھی دخل اندازی کرسکتے ہو۔ تمہارا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے"۔

"اس کے علاوہ رانی صاحبہ! چونکہ اصولی طور پر آپ کا کام ہوچکا ہے اس لئے بقیہ معاوضہ بھی ڈاکٹر برہان کو بھجوا دیں"۔

"ٹھیک ہے یہ کام کل ہی ہو جائے گا!"

"میں دو تین روز کے لئے دارالحکومت جاؤں گا۔ یوں بھی فی الوقت آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔ اب کون ہے جو آپ کے راستے میں ہو"۔

"تمہارے طفیل میں اپنے دشمنوں کے غول سے نکل آئی ہوں۔ خدا کی پناہ! سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ میری شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ اور اگر تم نہ ہوتے تو بالاخر میں ان کا شکار ہو جاتی لیکن یہ جانے کی بات تکلیف دہ ہے۔ کیوں جانا چاہتے ہو۔ اب تمہیں اس ملازمت سے کیا دلچسپی ہے!؟"

"پھر بھی رانی صاحبہ! ڈاکٹر میرا دوست بھی ہے۔ وہ جیسا انسان ہے' اگر آپ اس سے کچھ دن قریب رہیں تو آپ کو احساس ہو"۔

"ہم ڈاکٹر سے دوستی جاری رکھیں گے۔ اسے ایک معزز شخصیت کے طور پر مدعو کیا کریں گے!" رانی نے جواب دیا۔ تصور میں اس نے اپنی ریاست مجھے سونپ دی تھی اور اس کے خیال میں' میں نے قبول بھی کرلی تھی لیکن کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ وہ غلط فہمی کا شکار تھی۔ وہ میری اور میرے گروہ کی فطرت سے واقف نہیں تھی۔ ہمارے سامنے چند نظریات تھے اور ہم نے زندگی کی آخری سانس تک ان نظریات کے لئے وقف کر دی تھی۔ ان حالات میں ہمیں دولت کی اشد ضرورت تھی

لیکن کسی ریاست کی نہیں اور نہ ہی عورت کی۔ رانی آف اثر پور یعنی شاہانہ فیروز اگر ریاست سے الگ ہو جاتی تو ایک عام سی عورت تھی اور مجھے ریاست کی ضرورت نہیں تھی تو اس عام سی عورت کی ضرورت کیا ہوتی؟

چنانچہ دل ہی دل میں، میں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ ذرا مختلف تھا۔ میں جانتا تھا کہ شاہانہ فیروز کسی قیمت پر ان دونوں کو نہیں بخشے گی۔ وہ صاحب حیثیت تھی لیکن منصور.......... نوابزادہ منصور کا کیا ہوگا؟ اور یہ سوال میں نے اس سے کر دیا۔

"ہاں۔ اس کے لئے میں سوچ رہی ہوں"۔

"کوئی فیصلہ نہیں کیا؟"

"ایک خیال ہے ذہن میں۔ ظاہر ہے وہ کتنا ہی معصوم ہو لیکن اس ناگن کا بھائی ہے اور میں سانپوں کو قریب نہیں رکھنا چاہتی، میرا خیال ہے اس کے لئے ایک وظیفہ مقرر کر دوں اور اسے ریاست سے باہر نکال دوں!"

"یہی مناسب ہے"۔ میں نے تائید کر دی لیکن میرے ذہن میں ایک اور خیال پیدا ہوگیا تھا۔ جو فیصلہ میں نے کیا تھا اس کے تحت منصور کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ رانی منتقم المزاج تھی۔ وہ کسی قیمت پر منصور کو نہ چھوڑتی اور میرے ذہن میں بہت سی نئی راہیں کھل گئیں۔

"اسی رات میں اس قید خانے میں پہنچ گیا جہاں شاہینہ اور عادل درانی قید تھے۔ نہ جانے کیوں یہاں رانی کا ذہن انتقام کا شکار نہیں ہوا تھا، ورنہ وہ ان دونوں کو کبھی ساتھ نہ رکھتی لیکن ان کی صورتیں دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ دونوں خوش و خرم اور مسرور تھے!

"ہیلو مسٹر شاب! کیسے ہیں آپ!" عادل درانی نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ لیکن آپ دونوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی!"

"کیوں؟" عادل درانی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ دونوں سخت مایوسی اور اداسی کا شکار ہوں گے۔ رانی آف اثر پور آپ کی جان کی دشمن ہے۔ ظاہر ہے وہ آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گی!"

"ہاں ہم دونوں اس بات سے بخوبی واقف ہیں لیکن میرے دوست! زندگی کے کچھ اور بھی تقاضے ہیں۔ میں شاہینہ کو چاہتا ہوں اور وہ مجھے۔ ہم دونوں اس بات پر

خوش ہیں کہ ایک ساتھ ہی دنیا سے جا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے زندگی اتنی ہی تھی، کوئی کیا کر سکتا ہے، کیا ہم ان لمحات کو افسردگی کے جہنم میں جھونک دیں۔ ہم نے وقت کی خوشیاں سمیٹ لی ہیں۔ لمحات مختصر ہیں لیکن ہم نے انہی لمحات کو جاوداں کرلیا ہے اور بس یہی ہماری خوشی کا راز ہے!"

"خوب!" میں نے تعریفی نگاہوں سے دونوں کو دیکھا۔

"تمہارا کردار آج تک ذہن میں الجھا ہوا ہے دوست! درحقیقت تم کون ہو۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ اب تم اسٹیٹ کے سربراہ ہوگئے، وہ تمہی سے شادی کرے گی اور اس کے لئے میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔ حالانکہ تمہاری وجہ سے ہم قید ہوئے لیکن ہم نے وقت کے فیصلے کو خلوص دل سے قبول کرلیا ہے۔ ہم دونوں ایک ہی کھیل، کھیل رہے تھے، تم جیت گئے۔ ایک کو جیتنا ہی تھا۔ بحث اس سے نہیں کہ کون جیتا۔ لیکن درحقیقت تم کون ہو؟"

"کرائے کا ٹٹو!" میں نے اطمینان سے کہا۔

"ہاں میری معلومات بھی یہی ہیں۔ کتنی رقم دی تھی رانی نے..........!"

"دس لاکھ"۔

"بہرحال اب تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اب تو جو کچھ ہے، وہ تمہارا ہی ہے!"

"تمہارے کاغذات سے پتہ چلتا ہے عادل درانی کہ تم نے بھی ریاست سے زبردست دولت کمائی ہے!"

"کیا مطلب؟"

"مقامی بینکوں میں تمہارا سرمایہ کم از کم پچھتر لاکھ ہے۔ اس کے علاوہ کچھ دولت تم نے باہر بھی منتقل کی ہے"۔

"ہاں دوست! خیال تھا کہ اگر ریاست کے کھیل میں ہار گئے تو دونوں باہر نکل جائیں گے۔ سوچا تو بہت کچھ تھا۔ رانی سے تو نمٹ لیتے لیکن تم بھاری پڑ گئے"۔

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ایک کاروباری آدمی ہوں۔ رانی نے مجھے اپنے مقصد کے لئے حاصل کیا تھا اور اس کا معاوضہ دس لاکھ روپے لیا تھا۔ میں نے اس کا کام کر دیا اور اس کے دشمنوں کو بے نقاب کرکے اس کے حوالے کر دیا۔ میرا کام ختم ہوگیا۔ اب تم دونوں بھی تو مجھے کرائے پر حاصل کرسکتے ہو!"

"کیا مطلب؟" عادل درانی چونک پڑا۔

"رانی کے پاس سے میری ڈیوٹی ختم ہوچکی ہے"۔

"تو پھر............ تو پھر............؟" عادل درانی کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی تھی۔

"تم اگر چاہو تو اب میں تمہارے لئے کام کرسکتا ہوں۔ معاوضہ دس لاکھ..........!" میں نے کہا اور عادل درانی کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"دیکھو۔ دشمن کتنا ہی قابل نفرت کیوں نہ ہوں' جب وہ تمہارے قابو میں آ جائے اور تم اسے موت کا یقین دلا دو تو کم از کم اسے زندگی کا فریب مت دو۔ یہ کم ظرفی ہے!"

"خوبصورت الفاظ کی ادائیگی کی بجائے معاملے کی بات کرو عادل درانی!" میں نے خشک لہجے میں نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا مطلب ہے۔ کیا کرو گے ہمارے لئے؟" عادل درانی نے کہا۔

"تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ تمہارے پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ تیار کرا دوں گا۔ معاوضہ دس لاکھ!"

"اوہ' لیکن۔۔۔ لیکن ہم یہ دس لاکھ کہاں سے ادا کریں گے کاغذات وغیرہ تو............"

"بھئی میں کاروباری انسان ہوں۔ اس وقت تم نے ساری پول کھول دی۔ راز میں نے رانی کو ایک حد تک بتایا تھا۔ بہرحال تمہارے بینکوں وغیرہ کے کاغذات اور فرار کے منصوبے سے رانی صاحبہ قطعی طور پر ناواقف ہیں"۔

عادل درانی کی سانس پھولنے لگی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور پھر وہ نڈھال لہجے میں بولا۔ "طاقتور اور کامران انسان! خدا کے واسطے زندگی کا مذاق نہ کرو۔ خدا کے واسطے!"

"وہ کاغذات میں تمہیں اسی وقت پیش کرسکتا ہوں!" میں نے کہا اور اپنے لباس سے کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ عادل درانی سکتے کے عالم میں رہ گیا تھا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا

رانی تم سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔؟"

"ہاں تیار تو ہے' لیکن بات ادھوری ہے!" میں نے مایوسی سے کہا۔

"کیوں؟"

"میں تیار نہیں ہوں!".......... میں نے کہا اور عادل درانی نے سلاخوں سے ہاتھ نکال کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "کیا یہ درست ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے؟" وہ گھگھیا کر بولا۔

"ہاں یار! میرا ابھی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور پھر رانی آف اثرپور مجھے بالکل پسند نہیں ہے! ہونہہ کوئی عورت ہے۔ رہی دولت کی بات تو یار.......... عورت کی دولت مزیدار نہیں ہوتی۔ خود شکار کرو' خود کھاؤ۔ فطرت کی بات ہے۔ تم خود سوچو میری اپنی حیثیت کیا رہے گی؟لوگ مجھے رانی کے شوہر کی حیثیت سے جانیں گے!"

"دونوں تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ عادل درانی کو ابھی تک میری بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ "ایک بار پھر مجھے یقین دلا دو کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو' درست ہے!"

"یار کاغذات تمہارے پاس موجود ہیں۔ اس کے بعد کیا گنجائش ہے؟"

"تب پھر ہماری مدد کرو۔ ہمیں تمہاری شرط منظور ہے!"

"اس کے علاوہ کچھ ہدایات بھی دینا چاہتا ہوں"۔

"ضرور' بتاؤ میرے دوست! بڑی انوکھی بات ہوئی ہے۔ تم نے اس وقت ہمیں زندگی کی خبر دی ہے جب موت کے علاوہ اور کوئی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ اگر یہ مذاق نہیں ہے تو تقدیر کا انوکھا کارنامہ ہے"۔ عادل درانی نے کہا۔

"نوابزادہ منصور کو اپنے ساتھ لیتے جانا۔ وہ معصوم انسان درمیان میں پس جائے گا۔ تم دونوں کے فرار کے بعد رانی بے قابو ہو جائے گی اور پھر اس کا نشانہ ایک ہی ہوگا!"

"میں اپنے بھائی کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں؟" شاہینہ تڑپ کر بولی۔

"لیکن اس سلسلہ میں بھی تم ہماری مدد کرو گے نا!"

"یقیناً" میں معاوضہ لیتا ہوں تو کام پورا کرتا ہوں۔ رانی آف اثرپور نے ہمارا

معاوضہ منظور کیا تو ہم نے اس کے دشمن اسے پیش کر دیئے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ میں تم دونوں کی محبت سے بھی متاثر ہوا ہوں اس کے علاوہ خصوصی آمدنی کی بات بھی ہے“۔

”خیر اس مذاق کو چھوڑو۔ جو شخص ایک ریاست ٹھکرا سکتا ہے اس کے لئے دس بیس لاکھ کیا حیثیت رکھتے ہیں!“ عادل نے گردن ہلا کر کہا۔

”بات جائز آمدنی کی ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں“۔ میں نے کہا اور ان دونوں سے اجازت لے کر وہاں سے چلا آیا۔ لیکن ان کی رہائی کے لئے میں نے مناسب راستوں کی تلاش کا کام نہیں چھوڑا تھا۔ بظاہر اب مجھے یہاں کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ رانی کی محبت آمیز گفتگو میں میرے لئے کوئی دلکشی نہیں تھی۔ اب تو باقی پانچ لاکھ کمانے کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ میں نے رانی سے اجازت مانگی۔

”ہم رقم بھجوائے دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تم ڈاکٹر برہان کو استعفیٰ بھی بھجوا دو اب میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی!“

”اخلاق و مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے شاہانہ! میں اتنی بے رخی سے تو ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتا اور پھر ابھی تو ان لوگوں پر مقدمہ چل رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے چند روز کے لئے جانے دیں“۔

”میں شدید تنہائی محسوس کروں گی!“

”چند روز کی بات ہے!“

”ٹھیک ہے اب تم بضد ہو تو میں تمہیں روک بھی نہیں سکتی۔ رقم موجود ہے“۔ رانی نے اداسی سے کہا اور میں تیاریاں کرنے لگا۔ پھر جس دن میں روانہ ہو رہا تھا تو رانی پر سوگ طاری تھا۔ وہ روئی بھی تھی اور مجھے سرکاری اعزاز کے ساتھ ایئرپورٹ پر چھوڑنے آئی تھی۔ جہاز کی سیڑھیوں پر میں نے نورین درانی کو دیکھا اور چونک پڑا۔ واپسی میں بھی وہ میری ہم سفر تھی۔

”اس کا مطلب ہے کہ تمہارا تعلق ریاست سے ہے!“ راستے میں اس نے کہا۔

”میرا تعلق کہیں سے ہو لیکن تم بے حد مغرور معلوم ہوتی ہو۔ میں نے تمہاری تلاش میں............“

”غلط............“ اس نے میری بات کاٹ دی۔ ”میں نے مقررہ تاریخ کو تمہارا

انتظار کیا تھا!“

”تب پھر یہ تاریخی غلطی ہے۔ کیا ہم دوبارہ کہیں ملاقات کا وعدہ نہیں کر سکتے؟“

”اب بیکار ہے۔ یہ میری آخری فلائٹ ہے اس کے بعد میں شادی کر رہی ہوں اور شادی کے بعد میں ملازمت چھوڑ دوں گی!“ نورین نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

○ ------------ ☆ ------------ ○

میں نے ڈاکٹر برہان کو اپنی آمد کی کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ بس اچانک ہی ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا۔ ڈاکٹر ہیڈکوارٹر کے آفس میں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ تھی۔ "ہیلو شہاب!" اس نے مسرور لہجے میں کہا اور مجھے اس کے انداز پر تھوڑی سی حیرت ہوئی۔

"ہیلو ڈاکٹر' کیسے ہو"۔

"بالکل ٹھیک تم سناؤ کیس ختم کرلیا؟"

"ہاں اور یہ معاوضے کی بقیہ رقم.........!" میں نے نوٹوں کا بیگ ڈاکٹر کے سامنے رکھ دیا۔ "لیکن آپ کے انداز سے یوں لگتا ہے جیسے میری اچانک آمد آپ کے لئے غیر متوقع نہ ہوا!" میں نے ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری آمد تو غیر متوقع ہے ہی کیونکہ تم نے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی لیکن میں چند لمحات قبل حیرت کے دور سے نکل چکا ہوں"۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔ ایئرپورٹ پر شاید مجھے دیکھ لیا گیا اور کسی نے آپ کو میری واپسی کی اطلاع دیدی"۔

"یہ بات بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے تم بھی دیکھ لو۔ تھوڑا سا رخ بدل کر بیٹھو یعنی اس دیوار پر دیکھو جو میرے سامنے ہے!" ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے چونک کر عقب میں دیکھا۔ دیوار سادہ تھی۔ پھر ڈاکٹر نے ہی کوئی عمل کیا تھا۔ دیوار پر سبز رنگ کی ایک لکیر کھنچ گئی اور اس لکیر کے درمیان کا حصہ روشن ہوگیا۔ اس جگہ عمارت کے بیرونی

دروازے کا منظر صاف نظر آنے لگا۔ میں نے خود کو دیکھا۔ میں بیگ لئے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ پھر اچانک میرے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور میں ساکت نظر آنے لگا۔ پھر ڈاکٹر برہان کی آواز ابھری"۔ اس طرح دروازے سے اندر داخل ہونے والی ہر شے میرے سامنے آ جاتی ہے۔ اب یہ دوسرا منظر ہے"۔ ڈاکٹر برہان نے کہا اور اچانک میں بے لباس ہوگیا۔ میرا بدن برہنہ نظر آ رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ میرے لباس میں رکھی ہوئی ایک ایک شے نظر آنے لگی اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تب ڈاکٹر نے وہ مشین بند کر دی جس کا کنٹرول شاید میز میں تھا۔

"یہ سب کچھ فیضان نے میرے لئے کیا ہے۔ اس نظام کے تحت جو شخص بھی اندر داخل ہوگا مجھے اشارہ مل جائے گا' اور جب تک میرے پاس پہنچے گا یا اس عمارت کے کسی حصے میں جائے گا' میں اس کی مکمل شخصیت سے واقف ہو جاؤں گا اور اس کے ہر اقدام کے لئے تیار رہوں گا۔ بات صرف یہیں تک نہیں ہے' وہ جہاں بھی جائے گا' میری نگاہوں میں رہے گا جیسے........." ڈاکٹر نے پھر کوئی بٹن دبایا اور سکرین پر متحرک تصویریں نمایاں ہوگئیں۔ ان میں میرے ڈاکٹر برہان کے کمرے تک آنے کا عمل تھا۔

میں نے اس انوکھے نظام کو دل سے پسند کیا تھا۔ "بہت عمدہ ہے یہ سب کچھ ڈاکٹر! لیکن عمارت میں کوئی لڑکی بھی داخل ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ نظام قابل اعتراض ہے۔ اس کے علاوہ ہم سب کی جسمانی حالت بھی آپ کے علم میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ میں اس پر اعتراض کرتا ہوں"۔ میں نے کہا۔

"ابھی تک کوئی نہیں آئی۔ میری بدقسمتی ہے۔ ویسے میں پروگرام بنا رہا ہوں"۔

"کیا؟"

"یہی کہ اپنی چند شناسا خواتین کو یہاں آنے کی دعوت دوں!"

"ہم سب بھی ان خواتین سے ملنے کے مشتاق ہیں ڈاکٹر! ہمیں مدعو کرنا نہ بھولیئے"۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر ہنس پڑا۔ "لیکن اس کے بعد یہ تصاویر محفوظ کس طرح رہ گئیں؟" میں نے پوچھا۔

"اسکرین پر جو کچھ نظر آتا ہے وہ خودبخود سلو لائیڈ پر منتقل ہو جاتا ہے تاکہ میری غیر موجودگی کے حالات بھی میری نگاہ میں رہیں۔ بہت جلد یہ عمارت لوگوں کی توجہ کا

مرکز بن جائے گی۔ ہمیں دوستوں سے زیادہ دشمنوں کے استقبال کے لئے تیار رہنا چاہئے"۔

"بہرحال یہ سب کچھ بہت خوب ہے اور یہ فیضان۔ یہ بھتوں کے لئے مصیبت بن جائے گا۔ ویسے سب خیریت سے ہیں؟"

"ہاں سب ٹھیک ہیں۔ بس شارق کو تمہاری غیر موجودگی میں ایک مہم پر بھیجا ہے۔ ابھی تک مجھے اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی ہے۔ بہرصورت چھوڑو ان باتوں کو۔ رانی آف اثرپور کا کام تسلی بخش طور پر نمٹ گیا ہے!"

"ہاں ڈاکٹر! لیکن میں بغیر تسلی کے ہوں"۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیس کی نوعیت کیا تھی؟" ڈاکٹر برہان نے پوچھا اور میں نے اسے پوری تفصیل سنا دی۔ ڈاکٹر دلچسپی سے یہ کہانی سن رہا تھا۔ میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔

"لیکن اس میں تمہاری الجھن کہیں نہیں نظر آئی؟"

"میں نے ان واقعات کو اس کہانی میں شامل نہیں کیا ہے۔ ان کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ آپ کو میرا استعفیٰ قبول کرنا پڑے گا' اس کے لئے رانی آپ کو ہر معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوگی کیونکہ وہ مجھ سے شادی کرکے مجھے اسٹیٹ کا سربراہ بنانا چاہتی ہے"۔

"واہ نواب صاحب قبلہ! اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے!" ڈاکٹر ہنس پڑا۔

"تو پھر کیا قیمت وصول کریں گے آپ میری!"

"بس شادی میں مدعو کرلینا اور کیا لینا دینا' آپس کی بات ہے!" ڈاکٹر نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"آپ یقین کریں ڈاکٹر! وہ مجھے اپنی ملکیت سمجھ بیٹھی ہے۔ خاصی مصیبت بن جائے گی۔ اب اس کیس کا دوسرا پہلو بھی سن لیں"۔

"اوہ' کوئی اور پہلو بھی ہے؟"

"جی ہاں معاوضہ پانچ لاکھ!"

"خوب' وہ کیا؟"

"عادل درانی' شاہینہ فیروز اور نوابزادہ منصور کو اس ملک سے فرار کرانا ہے۔ ان کے پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ درکار ہوں گے۔ میں ان سے معاملے کی بات کرچکا

ہوں"۔ میں نے اطمینان سے کہا اور ڈاکٹر حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سوچنے لگے ڈاکٹر!" میں نے سوال کیا۔

"صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ بات ہمارے پیشے کی ایمانداری پر حرف تو نہیں بن جائے گی"۔

"بالکل دوسری نوعیت کا کیس ہے ڈاکٹر! شاہانہ فیروز انہیں راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔ بات ان کی بھی جائز ہے۔ اگر وہ ہم سے اس مدد کی درخواست کرتے تو کیا حالات کی نوعیت جاننے کے بعد ہم ان کی مدد نہ کرتے۔ رانی کا کام ایمانداری کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔ اب ان لوگوں کے لئے کام کرنے میں کیا عار ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقی اعتبار سے بھی یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔ شاہینہ فیروز ایک بے بس لڑکی ہے۔ اگر اسے عادل درانی کا سہارا نہ ملتا تو وہ پس کر رہ جاتی۔ ظاہر ہے رانی آف اثرپور اس سے نفرت کرتی تھی۔ ایک طرح سے اس بے بس لڑکی نے سہارا تلاش کیا۔ عادل درانی لاکھ مجرم سہی لیکن اس کے کردار کا ایک پہلو نمایاں ہے۔ اس نے رانی آف اثرپور کے اثر میں آنے کی بجائے مظلوم شاہینہ سے محبت کی اور اس میں ثابت قدم رہا۔ یہ چند دلائل ہیں۔ جن کی بنیاد پر میں یہ کام کرنا چاہتا ہوں"۔

"ہوں۔ وہ انہیں پھانسی دیدے گی؟"

"نہ صرف انہیں بلکہ ممکن ہے کہ وہ منصور کے خطرے کو بھی نظرانداز نہ کرے!"

"یہ لوگ کہاں جانا چاہتے ہیں؟"

"اس ملک سے باہر کسی بھی جگہ۔ اگر اس ملک میں رہے تو رانی اپنے تعلقات سے کام لے کر انہیں تلاش کرسکتی ہے۔ اس لئے فی الحال ان کا کہیں نکل جانا ہی بہتر ہے!"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"بس ان لوگوں کے پاسپورٹ وغیرہ کی تیاری اور اس کے بعد انہیں رانی کے چنگل سے نکال لوں گا!"

"وہ کس طرح؟"

"بڑی آسانی سے۔ اس سلسلے میں میرے ذہن میں منصوبہ ہے!"

"اپنے آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی!"

"ہرگز نہیں۔ ایسے معمولی کام میں خود کرلوں گا۔ کرائے کے چند لوگ میرے چھوٹے موٹے کام کرلیا کرتے ہیں۔ چار چھ ہزار خرچ کرکے ان سے یہ کام کرا لوں گا!"

"ٹھیک ہے میری طرف سے اجازت ہے۔ ان کے پاسپورٹ وغیرہ کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو۔ بس ان کی تصاویر وغیرہ کا بندوبست کردو۔ یہ کام میں ایک ہفتے میں مکمل کرلوں گا!" ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ میں ڈاکٹر کے بے پناہ وسائل سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ ڈاکٹر کے لئے ایسے چھوٹے موٹے کام کوئی حیثیت نہیں رکھتے!

اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا اور تیسرے دن میں چند افراد کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ ایسے چند لوگوں کو میں نے ضروری مواقع کے لئے پھانس رکھا تھا اور کئی بار ان سے کام لے چکا تھا۔

رانی آف اثرپور مجھے دیکھ کر مسرت سے کھل اٹھی تھی۔ "مجھے یقین تھا کہ تم بھی مجھ سے دور نہ رہ سکو گے۔ میں ان لوگوں کے قصے جلد سے جلد پاک کر دینا چاہتی ہوں تاکہ اس کے بعد سکون سے تمہاری ہو سکوں۔ آہ! اس پرمسرت زندگی کے خواب میری نگاہوں میں ہیں جو تمہارے ساتھ گزرے گی۔ شہاب! میں ریاست کے امور میں اب بہت زیادہ دلچسپی نہیں لے سکتی۔ میں عورت ہوں۔ مجھے زندگی میں پہلی بار منزل ملے گی۔ میں اس منزل میں گم ہو جانا چاہتی ہوں۔ بولو' مجھے اس کا موقع دو گے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں" میں نے تلخ گولیاں نگلتے ہوئے پوچھا۔

"بس یہ ساری ذمہ داریاں تم سنبھالو گے۔ ہم چند قابل اعتماد لوگوں کا انتخاب کریں گے اور یہاں کی ذمہ داریاں انہیں سونپ کر خود ایک طویل عرصے کے لئے یورپ چلیں گے تاکہ زندگی سے لطف اندوز ہوسکیں"۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی دوسرے مسائل سے تو نمٹ لیں!"

"دوسرے مسائل اب کیا رہ گئے ہیں؟ میں نے سارے انتظامات مکمل کرلئے ہیں!" رانی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں چونک پڑا۔

"وہ کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔

"ذاتی طور پر میں نے ہدایات جاری کی ہیں۔ اس بار کی پیشی پر عدالت ان دونوں کو سزائے موت سنا دے گی اور دوسرے دن میں اس کی توثیق کردوں گی' تیسرے دن انہیں سزائے موت دیدی جائے گی۔ منصور کو بھی اسی دن شہربدر کر دیا جائے گا!"

"خوب!" میں نے مسکرا کہا۔ "دوسری پیشی کب ہوگی؟"

"تمیں تاریخ کو.......... آج بائیس تاریخ ہے۔ اس دوران میں سارے انتظامات مکمل کرادوں گی!"

"ٹھیک ہے!" میں نے جواب دیا۔ انتظامات تو مجھے بھی کرنے تھے اور کچھ زیادہ ہی تیزی سے کرنے تھے۔ چنانچہ پہلے مرحلے کے طور پر میں نے باقاعدہ پروگرام کے تحت منصور سے ملاقات کی۔ یہ نیک نفس انسان ان چند دنوں میں بے حد لاغر ہوگیا تھا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

"اپنی بہن کی گرفتاری کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات کیا ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"رضائے الٰہی! انسان کیا حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ظلم کاشکار ہے لیکن ہم مشیت کے امتحان میں پورے اتریں گے!"

"عملی طور پر آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں کریں گے منصور صاحب!"

"میں نے بہت سوچا لیکن میں مشیت ایزدی کے سامنے بے بس ہوں!"

"آپ کو رانی صاحبہ نے طلب کیا ہے!" میں نے کہا اور وہ مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میری یہی آرزو تھی کہ میرا انجام بھی میری بہن کے ساتھ ہو جائے چلو!" وہ اٹھ گیا اور میں اسے ساتھ لئے باہر نکل آیا۔ پہلے اقدام کے طور پر میں نے ضروری انتظامات کرلئے تھے چنانچہ میرا ایک کارکن تیار تھا۔ سادہ لوح منصور نے یہ بھی نہ پوچھا کہ رانی نے اسے محل کے بجائے دوسری جگہ کیوں بلایا ہے البتہ ایئرپورٹ پر اس نے یہ سوال ضرور کیا۔ "کیا مجھے شہر سے کہیں باہر جانا ہے!"

"ہاں رانی صاحبہ ایک مخصوص مقام پر آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں"۔ میں نے جواب دیا۔

"بہتر ہے!" اس نے جواب دیا اور میں اس کٹھ پتلی کو روانہ کرکے مطمئن واپس

آیا۔ تیس تاریخ کے لئے میں نے مکمل انتظامات کر لئے تھے۔

اسی دوران رانی آف اٹرپور کو بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ بحیثیت عورت وہ بری نہیں تھی۔ محرومی کی پیاس تنہائیوں میں اجاگر ہو جاتی تھی اور میں نے ایسے موقعوں پر ہمیشہ اس کی پذیرائی کی لیکن عجیب عورت تھی۔ شدید ترین آزمائش کے وقت میں خود کو سنبھال لیتی تھی اور مستقبل کے خوابوں میں کھو جاتی تھی جبکہ میں ان خوابوں کی تعبیر جانتا تھا۔ میں نے اچھی طرح جان لیا تھا کہ اس کاروبار کی آمدنی کے گوشوارے میں، میں پندرہ لاکھ روپے نقد کے ساتھ ایک عورت کو درج نہیں کر سکتا تھا!

بہرحال تیس تاریخ آگئی۔ میرے آدمی پوری طرح تیار تھے جو وین قیدیوں کو عدالت لانے والی تھی اور جس کا کنٹرول رانی کے خاص لوگوں کے ہاتھوں میں تھا اب میرے آدمیوں کے پاس تھی اور رانی کے آدمی محل ہی کے ایک گیراج میں بندھے پڑے تھے۔ میں رانی آف اٹرپور کے ساتھ عدالت پہنچ گیا تھا اور مقدمے کی کارروائی شروع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

دیر تک مجرم نہیں پہنچے تو رانی کے سیکرٹری نے اسے اس کی اطلاع دی۔ "کیا مطلب؟" رانی چونک پڑی۔

"وین ابھی تک نہیں آئی"۔

"کیوں؟"

"خدا جانے۔ کیا میں ٹیلیفون کروں؟"

"کیا یہ پوچھنے کی بات ہے؟" رانی پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی اور سیکرٹری کان دبا کر چلا گیا۔ "ابھی تک.......... حالانکہ.......... میں نے چلتے وقت انہیں جلدی پہنچنے کی ہدایت کی تھی اور وہ لوگ غیر مستعد بھی نہیں ہیں!" رانی بڑبڑائی۔

"ممکن ہے کوئی وجہ ہو گئی ہو۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟" میں نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

"نہ جانے کیوں میں وحشت کا شکار ہو گئی ہوں"۔ رانی نے نروس انداز میں کہا۔

پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا رانی کی وحشت بڑھتی گئی۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی۔ "یہ سیکرٹری کمبخت کہاں مرگیا؟"

"میں دیکھتا ہوں"۔ میں نے جواب دیا لیکن میں دروازے سے نکلا بھی نہیں تھا

کہ سیکرٹری اندر آگیا۔ "وہ.......... وہ تو بہت دیر ہوئی وہاں سے چل پڑے ہیں!"

"تم اتنی دیر سے یہی معلوم کر رہے تھے؟" رانی دہاڑی

"جی نہیں۔ میں نے کئی آدمی ان راستوں پر دوڑا دیئے ہیں جہاں سے وین کی رگاہ ہے۔ ممکن ہے وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہو"۔

"اوہ حادثہ.......... نہ جانے کیسا حادثہ.......... جلدی کرو.......... فوراً" مجھے اطلاع دو"۔ رانی نے کہا اور سیکرٹری پھر باہر بھاگ گیا۔ رانی کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اب کہاں ہوں گے؟ پھر رانی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور میں بھی اس کے ساتھ سرگرمی دکھانے لگا لیکن جو ہونا تھا' وہ تو ہو چکا تھا۔ وین ایئرپورٹ سے مل گئی اور اس کے عملے کے لوگ گیراج میں۔ رانی پر غشی طاری ہو گئی تھی اور میں نے طنزیہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔ "اگر آپ آخری لمحات تک کے لئے ان کی نگرانی میرے سپرد کر دیتیں تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی"۔

"لیکن میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ.........." رانی اچھل پڑی۔ "منصور..........! آہ جلدی کرو۔ منصور کو قبضے میں کر لو ہم انہیں الٹی میٹم دیں گے کہ اگر وہ حاضر نہ ہوئے تو منصور کو جرم کی سزا دی جائے گی!"

"گڈ۔ عمدہ منصوبہ ہے! جلدی کریں!" میں نے اس بیوقوف عورت سے کہا جسے تین دن گزرنے کے باوجود بھی منصور کی غیر موجودگی کا علم نہیں ہوا تھا اور اس کے بعد تو رانی پاگل ہو گئی جب اسے پتہ چلا کہ منصور تین دن سے غائب ہے"۔ آہ.......... اب کیا ہوگا"۔ وہ ڈوبتے لہجے میں بولی۔

"عادل درانی جیسے چالاک اور سازشی انسان کے مقابلے میں آپ نے غلط لوگوں کا انتخاب کیا تھا۔ رانی صاحبہ! اگر مجھے شبہ بھی ہوتا کہ آپ اس کا بہتر بندوبست نہیں کر سکیں گی تو میں خود اس کا چارج سنبھال لیتا"۔

"آہ۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کمبخت منصور بھی فتنہ نکلے گا۔ ان لوگوں کی رہائی کے سلسلے میں منصور کے علاوہ اور کون کوشش کر سکتا ہے؟"

"بے شک!" میں نے تائید کی۔

"شہاب! شہاب.......... تم ہی کچھ کرو۔ خدا کے لئے تم کچھ کرو!"

"مجھے اس کے لئے ڈاکٹر برہان سے مشورہ کرنا پڑے گا کیونکہ یہ ایک نیا سلسلہ

ہے اور اس کا ہمارے معاہدے سے کوئی تعلق نہیں ہے!"

"ڈاکٹر برہان کو جہنم میں جھونکو۔ اب ہمارا اس سے کیا واسطہ............ تم کچھ کرو"۔ رانی نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اس کے لئے مجھے بھی جانا پڑے گا۔ دارالحکومت سے ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ نہ جانے وہ لوگ کہاں گئے ہیں؟"

"اخراجات کی پروا مت کرو............ جاؤ............ میں ہر قیمت پر ان تینوں کی موت چاہتی ہوں۔ یہاں میں ان کے لئے جال پھیلاتی ہوں"۔

اور میں نے اخراجات کی کوئی پرواہ نہیں کی اور دوسرے دن واپس آگیا۔ عادل درانی' شاہینہ فیروز اور نوابزادہ منصور تینوں ڈاکٹر برہان کی شاندار کوٹھی میں مقیم تھے اور ڈاکٹر برہان نے میک اپ کے ذریعہ ان کی شخصیت ہی بدل دی تھی۔ وہ تینوں میرے اوپر نثار ہوئے جا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر میں ان کی زندگی نہ بچاتا تو رانی انہیں پاتال میں بھی نہ چھوڑتی۔

بہرحال ایک ہفتے کے بعد وہ ایک امریکی طیارے کے ذریعے روانہ ہوگئے۔ میرے پانچ لاکھ روپے وہ ادا کرگئے تھے اور اب میری چھٹی تھی۔ کسی بھی کیس کو نمٹانے کے بعد تقریباً" ایک ماہ مکمل آرام کیا جاتا تھا تاکہ تازہ دم ہوکر کسی نئے سلسلے میں کام شروع کیا جاسکے۔

اور اب میں اپنی خوبصورت اور آرام دہ رہائش گاہ میں مقیم سوچ رہا تھا کہ کسی پرانی محبوبہ ہی سے رجوع کیا جائے یا کوئی نیا ساتھی تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ فرصت کے دن تنہا گزارنا سب سے بڑا عذاب ہوتا ہے' چنانچہ دوسرے دن سے میں تگ و دو میں مصروف ہوگیا۔ میرے ذہن میں فیرائل ابھر آئی۔ ذہنی کوفت کی سب سے مؤثر دوا۔ اس کے اندر صرف دو خوبیاں تھیں۔ اس کی خوبصورت آنکھیں اور خوبصورت باتیں چنانچہ میں نے اس کی فرم میں فون کیا۔ وہ دوائیں امپورٹ کرنے کے ایک ادارے میں ملازم تھی۔ فون پر فیرائل سے گفتگو ہوگئی۔ رسمی باتوں کے بعد میں پوچھا۔ "کتنے دن کی چھٹی مل سکتی ہے تمہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"چھٹی کا مطلب چھٹی ہی ہوتا ہے اور چھٹیاں ہمیشہ کسی پرفضا مقام پر گزاری جاتی ہیں!"

"شام کو ملو۔ تفصیل سے گفتگو ہوگی!"

"کم از کم ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست دیتی آنا!" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ شام کو فیرائل کے فلیٹ پر پہنچا تو وہ میری منتظر تھی۔

"میری ایک دوست آئی ہوئی ہے۔ اچانک آگئی ہے' آؤ اس سے ملاؤں"۔ فیرائل نے کہا اور میں اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا لیکن اس دوست کو دیکھ کر میں نے گہری سانس لی تھی۔ نورین درانی بھی مجھے دیکھ کر چونک پڑی تھی لیکن فیرائل نے یہ بات محسوس نہیں کی۔

"یہ نورین درانی ہے اور نورین یہ شہاب ہیں میرے بہت اچھے دوست!"

"تم دلہن کے لباس میں نہیں ہو نورین!" میں نے پوچھا اور نورین کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ فیرائل نے حیرت سے ہم دونوں کو دیکھا پھر بولی۔

"ہوں تو تم دونوں ایک دوسرے سے متعارف ہو؟"

"اچھی طرح! لیکن نورین میری بات کا جواب نہیں ملا؟"

"وہ شادی ملتوی ہوگئی"۔ نورین نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"میرے منگیتر نے ایک دوسری لڑکی سے شادی کرلی اور سوئٹزر لینڈ چلا گیا"۔

"بڑا بے وقوف تھا گدھا کہیں کا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے"۔ میں نے کہا اور نورین ہنسنے لگی۔ فیرائل ہماری خاطر مدارت کی تیاریاں کرنے لگی۔ پھر ہمارے سامنے کافی سجاتے ہوئے اس نے کہا۔ "افسوس شہاب! میں نے ابھی دو ماہ قبل چھٹیاں لی تھیں' اس لئے ابھی طویل عرصہ تک مجھے کوئی چھٹی نہیں مل سکتی"۔

"کوئی بات نہیں ہے ڈیرا............ میں نے بھی مذاق کیا تھا!" میں نے جواب دیا۔ پھر فیرائل کے ہاں سے واپسی پر جب میں نورین کو اس کی رہائش گاہ پر چھوڑنے جا رہا تھا تو میں نے اسے پیشکش کی۔ "اگر تم مصروف نہ ہو نورین! اور تمہیں اجازت مل سکتی ہو تو کچھ روز میرے ساتھ گزارو"۔

"اجازت!" اس نے عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"ہاں۔ میرا مطلب ہے تمہاری ذمہ داریاں!!"

"افسوس' میری نوکری بھی ختم ہوگئی ہے۔ میرے منگیتر نے ایک ماہ قبل مجھ سے

استعفیٰ دلوایا تھا کیونکہ اسے میری ہوسٹس کی ملازمت پسند نہیں تھی چنانچہ اب میں فارغ البال ہوں"۔ نورین نے کہا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنی خصوصی آمدنی میں سے ایک معقول رقم اسے بطور امداد دیدوں گا تاکہ دوسری نوکری اور دوسرے منگیتر کی تلاش میں اسے دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

○ ------------ ☆ ------------ ○

سیر گڑھ کے پرفضا مقام کا حسین ماحول نورین کی دلکش رفاقت میں اور حسین ہوگیا تھا۔ ایک انتہائی خوبصورت ہوٹل میں ہمارے قیام کو سترہ دن گزر چکے تھے اور ان سترہ دنوں نے میرے ذہن کو بڑی فرحت بخشی تھی۔ نورین درانی ایک بری عادت کے علاوہ بہترین صفات کی مالک تھی اور بری عادت بھی شاید اس نے نئے حادثے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے منگیتر نے اسے چھوڑ دیا تھا اور دوسری شادی کرلی تھی اور اب شاید وہ اس کا انتقام کسی دوسرے مرد سے لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ اندازے کے مطابق اس کی بیس باتوں کے بعد اکیسویں بات یہی ہوتی تھی کہ وہ مجھ سے بے حد متاثر ہے اور میری زندگی بھر کی رفاقت کی طلبگار ہے اور اس بات پر میں مغموم ہو جاتا تھا۔ اس کے سوا اور کیا کرتا پھر وہ پوچھتی رہ جاتی کہ میری اس کیفیت کی کیا وجہ ہے لیکن میں چپ رہتا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح وہ خوشگوار لمحات کو ضائع کرنے سے کترائے گی لیکن وہ کترانے والی لڑکی نہیں تھی اور وقتاً فوقتاً اپنے مطالبے کو دہراتی رہتی تھی۔

اس شام ہم دونوں خوشگوار موڈ میں تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ نورین نے کافی دیر سے اپنا مطالبہ نہیں دہرایا تھا۔ نورین بھی ایک خوبصورت لباس میں ملبوس تھی اور میں نے بھی بہترین لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ ہم دونوں کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ہال میں داخل ہوگئے جہاں ہماری میز مخصوص تھی۔ نورین نے بیٹھنے کے بعد ایک شراب کا آرڈر دیدیا اور پھر ویٹر شراب کے ساتھ ہی ایک پیغام بھی لایا۔

"جناب میز نمبر تیرہ پر موجود جوڑے نے آپ کو سلام دیا ہے!"

"میز نمبر تیرہ کونسی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اس طرف"۔ ویٹر نے اشارہ کیا اور جونہی میں نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا' میری جان نکل گئی۔ پہلی نگاہ رانی پر پڑی تھی اور اس کے ساتھ جو شخص

تھا' وہ بھی میرے لئے سخت حیران کن شخصیت تھی۔ ماجد............ میرا ساتھی.......... اور ہمارے ادارے کا اہم کارکن............

نورین نے میری بوکھلاہٹ کو پوری طرح محسوس کیا تھا۔ وہ آہستہ سے بولی۔ "وہ شاید رانی آف اٹرپور ہے!"

"میں ابھی آیا"۔ میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ نورین منہ کھول کر رہ گئی تھی لیکن میں نے اس پر توجہ نہیں دی۔ قریب پہنچا تو رانی کا چہرہ اترا نظر آیا۔ اس کی کیفیت زیادہ بہتر نہیں تھی۔ اس نے شاکی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اسی وقت ماجد بول پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں بیٹھنے کی بجائے کیوں نہ ہم اپنے کمرے میں چلیں۔ لوگ ہماری طرف متوجہ ہیں"۔

"میں بھی یہی چاہتی ہوں!" رانی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو پھر اٹھیے!" ماجد جلدی سے کھڑا ہوگیا اور ہم نے بھی اس کی تقلید کی۔

"آپ لوگ اس ہوٹل میں مقیم ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں روم نمبر اٹھائیس!" ماجد بولا۔

"ٹھیک ہے آپ لوگ چلئے"۔

"آپ چلئے رانی صاحبہ! میں انہیں لے کر آتا ہوں"۔ ماجد نے کہا اور رانی ہم دونوں کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے دانت پیس کر ماجد کی طرف دیکھا اور ماجد نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا یار کہ تم جیسا اوٹ پٹانگ آدمی بھی اتنا باذوق ہوسکتا ہے کہ سیر گڑھ جیسے مقام پر آجائے"۔

"کیا بکواس ہے۔ تفصیل بکو"۔ میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر برہان کی زندگی عذاب کر دی تھی۔ دن میں چھ ٹیلیفون یقینی تھے۔ سب کے سب تمہارے بارے میں ہوتے تھے تم کہاں ہو۔ کوئی پتہ ہے یا نہیں۔ ڈاکٹر عاجز آگئے تھے۔ پھر خاتون خود پہنچ گئیں۔ تھوڑی سی سرکاری حیثیت بھی رکھتی ہیں' اس لئے ڈاکٹر نے خشک روی اختیار نہیں کی اور ان سے کہہ دیا کہ تم پابند تو نہیں ہو جو بتا کر جاؤ۔ تب نزلہ مجھ پر گرا۔ اتفاق سے میں ہاتھ لگ گیا۔ دو لاکھ روپے کی رقم معمولی تو نہیں ہوتی اور وہ بھی صرف اتنے سے کام کی کہ رانی صاحبہ کے ساتھ مل کر تمہیں

تلاش کیا جائے۔ دیگر اخراجات الگ۔ میں نے سوچا عورت اور دولت ایک ساتھ آئیں تو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اس لئے تیار ہوگیا۔ ایسی جگہوں کی سیر کراتا پھرا ہوں جہاں تمہاری موجودگی کے امکانات ہی نہ ہوں۔ اب اسے کیا کروں کہ تم مل ہی گئے"۔ ماجد نے تفصیل بتائی۔

"ہوں!" میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "اب میں کیا کروں؟"

"مل ہی لو یار............ وہ پیچھا نہیں چھوڑے گی!"

"اور اپنی بیوی سے کیا کہوں؟" میں نے نورین کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"بیوی............؟" ماجد نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور بولا۔ "اس کے باوجود مل لو............ اور بیوی سے کوئی بہانہ کر دو۔ میں دو لاکھ روپے وصول کرلوں۔ پھر جو دل چاہے کرنا!"

ماجد کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا تھا وہ میرے ان جملوں پر ذرا بھی نہیں چونکا تھا اور جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی مجھے اتنا ہی جانتا تھا جتنا میں اسے............

نورین کے پاس میں بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں پہنچا تھا۔ "نورین ڈارلنگ! اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو اور اس وقت تک باہر نہ نکلنا جب تک میں تمہارے پاس نہ پہنچ جاؤں!"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں وہ کم بخت بے حد بددماغ ہے غصے میں دیوانی بھی ہو جاتی ہے۔ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر بے قابو ہوگئی ہے۔ اسے سنبھالنا پڑے گا"۔

"لیکن............!" نورین نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"پلیز نورین! باقی گفتگو بعد میں"۔ میں نے پریشانی سے کہا اور نورین اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ "میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ"۔ میں نے نورین کو ہدایت کی اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر ماجد کے ساتھ واپس پلٹ پڑا۔

راستے میں ماجد سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی اور ہم دونوں خاموشی سے کمرہ نمبر اٹھائیس کے سامنے پہنچ گئے۔ رانی ایک صوفے پر دراز تھی۔ اس نے مجھے بغور دیکھا اور پھر ماجد کی طرف دیکھ کر بولی۔ "مسٹر ماجد پلیز!"

"ہاں، ہاں، کوئی حرج نہیں ہے۔ میں باہر ہوں!" ماجد نے کہا اور باہر نکل گیا۔ رانی صوفے سے اٹھی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ میری طرف مڑی۔ میں نے اپنی اداکاری شروع کر دی تھی۔ میرے چہرے پر بھی حزن و ملال نظر آنے لگا تھا۔ اس سے قبل کہ رانی کچھ بولتی، میں ہی بول پڑا۔ "تم مجھے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آگئیں شاہانہ!"

"ہاں تمہیں یاد دلانے کہ دلوں کے سودے اتنے سستے نہیں ہوتے!"

"لیکن بعض اوقات سب کچھ کوڑیوں کے مول بک جاتا ہے"۔ میں نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"تم واپس کیوں نہیں آئے شہاب!" رانی نے سسکی لے کر پوچھا۔

"واپس!" میں نے ایک سرد آہ بھری۔ "میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا شاہانہ! میں اپنی کوشش میں ناکام رہا"۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں میرے ضمیر نے اجازت نہیں دی۔ وہ عورت جو ساری زندگی مظلومیت کا شکار رہی۔ ایک بار پھر اعتماد کے جہنم کا ایندھن بن جائے حالانکہ شاہانہ فیروز! تمہارے شوہر کی حیثیت سے جو جاہ و حشم مجھے ملتا، اس کی دلکشی نے میرے ضمیر کو سلا دیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ تمہاری قربت حاصل کرلوں اور اپنی حیثیت بدل لوں لیکن تمہاری پوری زندگی حادثات کا شکار رہی ہے۔ عین وقت پر میرا ضمیر جاگا............ اور............ شاہانہ! میں تمہارے پاس نہ پہنچ سکا!"

"میں نہیں سمجھی شہاب!"

"میں شادی شدہ ہوں شاہانہ! تم میرے ساتھ میری بیوی کو دیکھ چکی ہو۔ میرے پانچ بچے ہیں۔ میں سات انسانوں کے سینے پر داغ نہیں بن سکتا۔ میری بیوی جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ چاہتی ہے۔ میرے بچے جو میری ذات کو اپنے لئے دنیا میں سب سے برتر سمجھتے ہیں، اور تم............ بتاؤ شاہانہ! کیا دولت اور عزت حاصل کرنے کے لئے یہ سات خون کئے جاسکتے ہیں؟"

"تم............ تم شادی شدہ ہو شہاب!" شاہانہ حیرت سے بولی۔

"ہاں میں اس جرم کا اعتراف کرچکا ہوں"۔

"اور تم نے مجھے دھوکہ دیا تھا؟" وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"میں تو ہمیشہ الجھ جاتا تھا۔ یاد کرو شاہانہ! میں نے کبھی تمہاری اس بات پر کھلے دل سے گفتگو نہیں کی تھی!"

"لیکن.......... لیکن تم نے.......... تم نے.......... تم نے.........." وہ سخت بے چین ہوکر بولی اور پھر سسک سسک کر رونے لگی۔ میں ان کٹھن لمحات کو برداشت کرنے کے لئے مجبور تھا۔ "تم سب یکساں ہوتے ہو.......... تم سب.......... میں تم سے انتقام لوں گی تم سے.........." وہ بپھرے ہوئے انداز میں بولی اور پھر رونے لگی۔ پھر اچانک گردن اٹھاکر بولی۔ "تم اسے طلاق دیدو۔ مجھے تم اسے طلاق دیدو۔ میں تمہارے بچوں سے تعرض نہیں کروں گی۔ وہ محل ہی میں پرورش پائیں گے لیکن تم کبھی اس بات کا اعلان نہیں کرو گے کہ وہ تمہارے بچے ہیں!" رانی نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے رانی صاحبہ! اور مناسب بھی نہیں ہے۔ اس طرح آپ کی شخصیت ہمیشہ داغدار رہے گی۔ میں آپ کے ذہن پر بوجھ نہیں بنوں گا' مجھے آپ سے ہمدردی ہے!"

"تمہیں میرا فیصلہ ماننا ہوگا شہاب! میں تمہیں غور کرنے کا موقع دیتی ہوں۔ اگر تم تیار نہ ہوئے تو میں نہیں جانتی کہ میں کیا کر بیٹھوں گی!"

"میں آپ کو اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں رانی اثر پور! میں اپنی بیوی اور بچوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے انصاف کے تقاضے پر آپ کو دھوکہ دینے سے پرہیز کیا ہے۔ اسی انصاف کے تقاضے پر میں اپنی بیوی کو بھی دھوکہ نہیں دے سکتا!" میں نے سرد اور ٹھوس لہجے میں کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ رانی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

بہرحال مجھے زیادہ دکھ نہیں ہوا۔ وہ خود بھی ایک سنگدل اور مفاد پرست عورت تھی۔ پہلے اس نے عادل درانی پر ڈورے ڈالے تھے' وہ تو اتفاق سے عادل درانی دوسرے ٹائپ کا آدمی نکل آیا۔ ورنہ وہ بے چارا رو رہا ہوتا! ماجد کو تلاش کیا اور وہ نظر آگیا۔ خود ہی میری طرف بڑھ آیا تھا۔ "کیا نمٹی بھائی!" ماجد نے پوچھا۔

"معاوضہ وصول کرلو کسی ترکیب سے اور ہاں یاد رہے' وہ میری بیوی ہے!" میں نے کہا۔

"غلطی ہوگئی یار! رقم پہلے وصول کرلینی چاہئے تھی۔ بہرحال کوشش کرتا ہوں!" ماجد نے کہا اور رانی کے کمرے کی طرف چل دیا۔ میں واپس نورین درانی کے پاس آگیا۔ میں نے ایک پنتھ دو کاج کا فیصلہ کیا تھا چنانچہ میں پشیمان سی صورت بنائے نورین کے پاس پہنچا۔ نورین نے مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ "کیا بات ہے شہاب! تم اسے دیکھ کر سخت پریشان نظر آ رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"سامان سمیٹو نورین! ہمیں تھوڑی دیر کے اندر اندر ہوٹل چھوڑ دینا ہے!" میں نے مضطرب انداز میں کہا۔

"لیکن بات کیا ہے؟ مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے!"

"وہ جنونی عورت ہے۔ صاحب اثر ہے اس لئے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا اور وہ تمہیں گولی مار دے گی!"

"مجھے؟" نورین تعجب سے بولی۔

"ممکن ہے ہم دونوں کو!"

"لیکن کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ میری بیوی ہے!" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور اب نورین کے حیران ہونے کی باری تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ "تم نے ایئرپورٹ پر نہیں دیکھا تھا نورین! اس دن وہ مجھے چھوڑنے آئی تھی۔ نواب فیروز کے انتقال کے ایک سال کے بعد ہی بعض مجبوریوں کے تحت میں نے اس سے شادی کرلی تھی لیکن نورین! اس شادی کے بعد مجھے ایک لمحے کا اطمینان بھی نصیب نہیں ہوا۔ وہ انتہائی سخت گیر عورت ہے۔ غصے سے دیوانی ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر وہ جنون کا شکار ہوگئی ہے!"

"لیکن.......... لیکن تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم شادی شدہ ہو"۔

"آہ! تم ان اوقات میں میرے چہرے پر غور نہیں کرتی تھیں نورین! جب تم مجھے شادی کی پیشکش کرتی تھیں۔ تمہاری اس پیشکش پر میں ہمیشہ احساس محرومی کا شکار ہو جاتا تھا۔ میرے دل میں حسرت جاگ اٹھتی تھی کہ کاش میں رانی آف اثرپور کا شوہر ہونے کے بجائے تم جیسی حسین اور محبت کرنے والی لڑکی کا شوہر ہوتا!"

نورین درانی منہ ڈھک کر رونے لگی لیکن میں ان سارے مراحل سے گزرنے

کے لئے تیار تھا۔ ممکن ہے آپ مجھے بے حس اور آوارہ منش سمجھیں لیکن ذرا آپ بھی تو بتائیں کہ جب نورین درانی ایک منگیتر رکھتی تھی تو اس نے مجھے اپنے ساتھ ہوٹل کے قیام کی دعوت کیوں دی تھی۔ بات ایک عام سی ہے!

بہرحال میں نے نورین درانی کو فوری واپسی کے لئے تیار کرلیا۔ رانی آف اثرپور سے اب دوسری ملاقات نہیں چاہتا تھا۔ میں اسی دن واپس چل دیا۔ بے چارے ماجد کی رقم کا کیا ہوا؟ مجھے معلوم نہیں تھا۔ نورین درانی روتی ہوئی رخصت ہوگئی تھی۔

بہرحال سیرگڑھ میں جو وقت گزرا تھا' وہ اطمینان بخش تھا اور اس کے بعد میں خود کو کافی چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر برہان کی کوٹھی کا رخ کیا۔ میں چاہتا تھا کہ اب مجھے کوئی کام سونپ دیا جائے۔ ڈاکٹر برہان نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور بڑے تپاک سے ملا۔ "خدا کا شکر ہے تم واپس آگئے۔ میں شدت سے تمہاری ضرورت محسوس کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ہمیں اپنے اصولوں میں تھوڑی ترمیم کرنی ہوگی!"

"مثلاً" !" میں نے اس کے جملے پر غور کرتے ہوئے پوچھا۔ میں کسی حد تک سمجھ گیا تھا کہ میرے لئے کوئی کام تیار ہے۔ ہم لوگ بہرحال ایک دوسرے کی حرکات و سکنات سے واقف تھے!

"مثلاً" آج تک یہ ہوتا آیا ہے کہ کسی کام کی انجام دہی کے بعد ایک مخصوص وقت ذہن کو تازہ کرنے میں صرف کیا جاتا ہے اور ہر قید و بند سے آزادی حاصل کرلی جاتی ہے۔ ترمیم صرف یہ ہے کہ اس جگہ کے بارے میں کم از کم مجھے معلومات ضرور ہوں جہاں فرصت کے یہ اوقات گزارے جائیں"۔

"کوئی حرج بھی نہیں ہے!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ماجد تمہاری تلاش میں سرگرداں ہے اور اس کے ساتھ رانی آف اثرپور بھی ہے۔ عورت کی کیفیت کافی الجھی ہوئی ہے!"

"ماجد کی خصوصی آمدنی کی کوشش پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے!" وہ مجھ سے مل لیا۔ رانی آف اثرپور کا مافی الضمیر آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا۔ میں اس احمق عورت کے لئے کیا کرسکتا ہوں؟"

"اوہ' لیکن تم نے اس سے پیچھا کس طرح چھڑایا؟"

"خود کو شادی شدہ ظاہر کرکے!"

"خدا کی پناہ! ناک میں دم کر دیا تھا اس نے............ اب تو قصہ ختم ہوگیا؟"

"ہاں میری طرف سے تو ہوگیا۔ وہ کوئی حماقت کرے گی تو خوامخواہ بدنام ہوگی۔ میں اس کا سارا کچا چٹھا کھول دوں گا!"

"خیر چھوڑو............ اگر اس نے کوئی حماقت کی تو اسے روک دیا جائے گا۔ یہ بتاؤ تم کچھ کرنے کے لئے تیار ہو؟"

"ہاں' بالکل تیار ہوں"۔

"تب پھر میں تمہیں ایک اہم ذمہ داری سونپنا چاہتا ہوں۔ کیا میں تفصیل بتاؤں یا تمہیں کچھ وقت درکار ہے؟"

"نہیں آپ بتایئے ڈاکٹر!" میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔

"کرنل جہانگیر کا قیام سرحد کے علاقے سمن آباد میں ہے اور وہ جلال پور چھاؤنی کے دفاتر میں کام کرتے ہیں۔ وہیں ملٹری کے بہت سے دفاتر ہیں اور کرنل جہانگیر ایک اہم ڈیپارٹمنٹ کے انچارج ہیں۔ ایک ٹانگ ضائع ہونے کے بعد انہیں ان کی اعلیٰ خدمات کے صلے میں ایک اہم عہدہ دیدیا گیا ہے اور وہ وہاں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بے حد نفیس اور خاندانی آدمی ہیں۔ تم میجر حسن جیلانی سے واقف ہونا............؟"

"سرجن جیلانی والے کیس میں شاید ان سے ملاقات ہوئی تھی"۔ میں نے جواب دیا۔

"بالکل درست! سرجن محمود جیلانی ان کے بھائی ہیں تو کرنل جہانگیر حسن جیلانی کے بہنوئی ہیں اور حسن جیلانی ہی انہیں میرے پاس لائے تھے!"

"خوب! قصہ کیا ہے؟" میں نے ان رشتوں سے اکتا کر پوچھا۔

"تمہیں کرنل جہانگیر کے پاس جانا ہے۔ میں نے اسی کیس میں شارق کو بھیج دیا تھا لیکن............" ڈاکٹر برہان رکا اور اس نے میز کی دراز سے ایک ٹیلی گرام نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔ "اسے پڑھو............!" میں نے ٹیلی گرام اٹھالیا۔ لکھا تھا:۔

"آپ کا آدمی چھ دن سے غائب ہے' اسے تلاش کی ہر کوشش ناکام رہی ہے!"
جہانگیر۔

"اوہ شارق وہیں تھا؟" میں اب پوری طرح سنجیدہ ہوگیا۔

"ہاں! اور صورت حال میرے لئے تسلی بخش نہیں ہے!" ڈاکٹر برہان نے ہونٹ سکیڑ کر جواب دیا۔

"وہ کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔

"جس نوعیت کا کیس ہے' اسے مدنگاہ رکھتے ہوئے شارق کے لئے کسی خطرے کا امکان بھی ہوسکتا ہے"۔

"میرا خیال ہے ڈاکٹر برہان! اب آپ کو پوری تفصیل بتا دینی چاہئے"۔ میں نے سنجیدگی سے سے کہا اور ڈاکٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لہجے کا خیال رکھو ورنہ میں رانی آف اثرپور کو یہاں دعوت دے سکتا ہوں"۔

اس نے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔ وہ بولا۔ "اب سے تقریباً" اڑھائی ماہ قبل کی بات ہے' کرنل جہانگیر اپنی ڈیوٹی پر تھے۔ وہ پندرہ دن میں ایک بار بذریعہ کار جلال پور سے حسن آباد جاتے ہیں۔ انہیں اطلاع ملی کہ ان کی نوجوان لڑکی روبی کو اغوا کرلیا گیا ہے۔ معمولی بات نہیں تھی پولیس کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ کرنل جہانگیر معمولی حیثیت کے انسان نہیں تھے بہرحال ابھی پولیس روبی کو تلاش ہی کر رہی تھی کہ وہ گھر پہنچ گئی۔ وہ نارمل حالت میں تھی۔ اس نے بتایا کہ اسے چار آدمیوں نے اغوا کرلیا تھا اور کسی پہاڑی نما غار میں رکھا تھا لیکن پانچویں شریف آدمی نے ان لوگوں کو سخت سست کہا اور اسے واپس پہنچا دیا۔

روبی کی کہانی پر کسی نے یقین نہیں کیا لیکن چوتھے دن اچانک اس کی دماغی کیفیت بدل گئی۔ اس نے گھر کا سامان توڑ پھوڑ ڈالا اور کئی نوکروں کو زخمی کر دیا۔ عجیب دماغی دورہ تھا۔ کرنل جہانگیر نے بمشکل اس پر قابو پایا اور پھر ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا لیکن روبی کے دماغ پر کسی قسم کے اثرات نہیں ملے۔ وہ ایک نارمل لڑکی ہے۔ کرنل کی تھوڑی سی بدنامی بھی ہوئی۔ لوگوں نے روبی کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کیں لیکن کرنل بے چارہ کیا جواب دے۔ ایک ہفتے بعد روبی کی طبیعت پھر خراب ہوگئی اور اس کے بعد سے اسے مسلسل دورے پڑتے ہیں!"

"تو کیا شارق کو ان دوروں کا سراغ لگانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"درمیان میں دخل مت دو۔ پوری بات سنو۔ دماغی دورے ہی کی ایک رات کو

روبی نے ایک اہم فوجی فائل چرالیا۔ کرنل جہانگیر خاص خاص چیزوں کو انتہائی حفاظت سے رکھتے ہیں۔ خاص طور سے جب وہ چھٹی پر جاتے ہیں تو ایسی چیزیں دفتر میں نہیں رکھتے جو پوری طرح ریکارڈ سیکشن کے حوالے نہیں کی جاتیں اور جن کا کام باقی ہوتا ہے۔ ایسی کوئی چیز ریکارڈ سیکشن کے حوالے کرکے ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے چنانچہ وہ فائل ان کی تحویل میں تھا اور وہ اسے گھر لے آئے تھے۔ گھر میں بھی وہ فائل ان کی خفیہ تجوری میں تھی جس تک کسی کی پہنچ ممکن نہیں تھی سوائے روبی کے۔ لاڈلی بیٹی ہونے کی حیثیت سے وہ باپ کے اہم ترین رازوں سے واقف رہتی ہے۔ تجوری کھولنا بھی صرف وہی جانتی تھی۔ فائل کے ساتھ ہی نوٹوں کی ایک گڈی بھی غائب تھی جو روبی کے پرس سے مل گئی............"

"کرنل جہانگیر فائل کی گمشدگی سے اتنے بدحواس ہوئے کہ انہیں بخار آ گیا۔ فائل سو فیصدی انہی کی ذمہ داری ہے۔ اتفاق سے میجر جیلانی ان سے ملاقات کے لئے پہنچ گئے تھے اور نہ جانے کس طرح کرنل جہانگیر نے انہیں اپنا رازدار بنا لیا۔ دونوں نے غور و خوض کے بعد ہمارے بارے میں فیصلہ کیا اور میں نے شارق کو بھیج دیا"۔

"کرنل جہانگیر نے آپ سے ملاقات کی تھی؟"

"نہیں! انہوں نے علالت کی وجہ سے لمبی چھٹی لے لی ہے اور بقول مسٹر جیلانی کے بستر سے جالگے ہیں۔ فائل کی بازیابی سے قبل وہ اپنی ڈیوٹی پر جانا نہیں چاہتے۔ مجھ سے میجر جیلانی ملے تھے"۔

"صرف فائل تلاش کرنا تھا!"

"ہاں ظاہر ہے!"

"اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ نشاندہی بھی کی تھی؟"

"نہیں۔ ویسے معاملات کو انتہائی خفیہ رکھا گیا ہے۔ اس میں کرنل اور اس کے خاندان کی بقاء ہے۔ فائل کی نوعیت کچھ ایسی ہی ہے کہ کرنل کا سارا کیریئر تباہ ہو جائے گا!"

"ہوں۔ شارق کی گمشدگی کیا حیثیت رکھتی ہے؟"

"خدا جانے۔ یہ تو وہاں جاکر ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ میں شدت سے تمہارا منتظر تھا اگر تم نہ آتے تو شاید مجھے ہی حسن آباد جانا پڑتا"۔

"ٹھیک ہے' میں تیار ہوں۔ معاوضے وغیرہ کی بات طے ہو چکی ہے؟"

"میجر جیلانی نے ایک لاکھ روپے کا چیک مجھے دیدیا ہے۔ یوں بھی حکومت کے لوگوں کا معاملہ ہے۔ ویسے ہمیں دوسرے ذرائع سے کمانے کی اجازت ہے"۔ ڈاکٹر برہان نے کہا۔

"کب روانہ ہونا ہے؟"

"شارق کی وجہ سے یہ معاملہ..........."

"بہتر ڈاکٹر! روانگی کا بندوبست ہے؟" میں نے ڈاکٹر کا مطلب سمجھ کر اس کی بات درمیان سے کاٹ دی۔

"میں ایک گھنٹے کے بعد انہیں فون کروں گا۔ میجر جیلانی سے میں نے ان کا کارڈ لے لیا ہے جو کرنل جہانگیر سے تعارف کا ذریعہ بن جائے گا!"

"میں ایک گھنٹے کے بعد ایئرپورٹ پہنچ جاؤں گا"۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان نے مطمئن نگاہوں سے مجھے دیکھ کر گردن ہلا دی۔ "اس سلسلہ سے فارغ ہو جاؤ تو میں ایک میٹنگ کرکے کچھ تبدیلیوں کا اعلان کروں گا۔ اس دوران میں ایسی وجوہ تلاش کرتا ہوں جو ہمارے کام میں مشکلات کا باعث بنتی ہیں۔ اس میٹنگ میں ہم اپنے کام کے پھیلاؤ کے لحاظ سے آسانیاں تلاش کریں گے!"

"میں ایئرپورٹ پہنچ جاؤں؟"

"اس کے بجائے بہتر ہے گھر پر فون کا انتظار کرو"۔ ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں ڈاکٹر سے مصافحہ کرکے اٹھ گیا۔

○ ---------- ☆ ---------- ○

ہر شخص کے ذہن میں زندگی کی دلچسپیوں سے لطف اندوز ہونے کے مختلف انداز ہوتے ہیں۔ باقی رہنمائی فطرت کرتی ہے لیکن صحیح معنوں میں "تحریک" جینے میں معاون ہوتی ہے۔ رواں دواں زندگی کھولت سے دوچار نہیں ہوتی۔ باقی اپنی اپنی سوچ۔

میں نے فوکر طیارے میں حسن پور کا سفر کیا جو چار گھنٹے کا تھا۔ نورین درانی کے ساتھ گزرے ہوئے سترہ دن منافع کے دن تھے۔ انہیں فرصت کے دن کہنا غلط ہے کیونکہ اثرپور میں ہی میں نے کونسی مشقت کی تھی۔ تفریحات تو کام کے دوران بھی جاری رہتی تھیں۔ کام بھی اس نوعیت کا تھا۔ فوکر سروس میں کوئی جاذب نظر چہرہ نہیں

تھا جو طبیعت جمتی چنانچہ میں نے سیٹ سے ٹک کر آنکھیں بند کرلی تھیں اور میرا ذہن شارق کی طرف تھا۔ شارق جیسا خونخوار شخص آسانی سے کسی چکر میں نہیں پھنس سکتا۔ ممکن ہے کام ہی کے سلسلہ میں وہ کسی راہ پر جالگا ہو اور اپنے طور پر مصروف ہوگیا ہو۔ یہ کوئی تشویش کی بات نہیں تھی۔

چار گھنٹے گزارنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی دیر میں میرا ذہن تھک گیا اور میں نے آنکھیں کھول لیں لیکن کوئی مرکز نگاہ نہیں تھا۔ بہرحال حسن پور کے کہر میں ڈوبے ہوئے ایئرپورٹ پر اترگیا۔ کہر کی دبیز چادر کی وجہ سے طیارے کو اترنے میں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ایک بار تو یہ بھی فیصلہ ہوا کہ طیارہ جلال پور میں نکالا جائے لیکن پھر پائلٹ کی ہمت اور مہارت نے یہ مشکل آسان کر دی۔

یہاں کافی سردی تھی جب کہ دارالحکومت کا موسم معتدل تھا' اور وہاں سردی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے فوری طور پر گرم لباس کی خریداری کرنی پڑے گی۔ موسم کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ کرکے غلطی ہوئی تھی۔

ایئرپورٹ کے کسٹم ہاؤس پہنچا اور پھر وہاں سے فراغت کے بعد باہر نکل آیا۔ حسن پور برف پوش پہاڑیوں کے درمیان گھرا ہوا ایک جدید شہر تھا۔ اس سے قبل یہاں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور ایک ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اپنے وطن کے بہت سے علاقے نہ دیکھ کر بیوقوفی کی ہے۔ نہ جانے لوگ اس شہر کی تعریفیں کیوں نہیں کرتے۔ قدیم و جدید ثقافت کا نمونہ یہ شہر یورپ کے کسی بھی حسین ترین شہر سے کم نہیں تھا۔ کشادہ سڑکیں' جو کہر کے باعث سنسان پڑی تھیں۔ سورج کا نام و نشان نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں کوئی کاروبار نہ ہو رہا ہو۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ایک ہوٹل کی عمارت کے سامنے ٹیکسی روک دی۔ "الفراز" جدید طرز کا ہوٹل تھا۔ بس لفٹ نہیں تھی لیکن راہداریاں مخصوص طرز کی تھیں اور انہی سپاٹ راہداریوں کے ذریعہ اوپر جانے کا راستہ تھا!

میرا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ صاف اور کشادہ کمرہ........... میں سخت حیران تھا۔ ہر چیز سے نفاست اور سلیقے کا احساس ہوتا تھا۔ پھر یہ جگہ سیاحوں کی نگاہوں میں کیوں نہیں ہے۔ اس کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے وہ یہ کہ یہاں کے لوگوں کے بارے میں لوگوں کی معلومات محدود ہے۔ کمرے میں آکر میں نے گرم پانی سے غسل کیا اور پھر ویٹر

کو بلا کر کافی طلب کرلی۔ خوش ذائقہ کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے میں لائحہ عمل تعین کر رہا تھا۔ کمرے میں فون موجود نہیں تھا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد فون کرنے کے لئے نیچے جانا پڑا۔ کاؤنٹر پر کئی ٹیلیفون رکھے ہوئے تھے اور کاؤنٹر کے عقب میں ایک طویل القامت شخص جس کا چہرہ چوڑا اور کسی حد تک خونخوار تھا' مستعد کھڑا تھا۔

"فون چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا۔

"ضرور جناب!" اس نے زبردستی خوش اخلاق بن کر کہا حالانکہ اس کی آواز کافی کرخت تھی۔ بہرحال میں نے فون نزدیک سرکالیا۔ کاؤنٹر کلرک کی عقابی نگاہیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں نے کسی قدر کوفت محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر برہان کے فراہم کردہ نمبرڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ چند ساعت کے بعد ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"فرمایئے!"

"کرنل جہانگیر سے بات کرنی ہے!"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"ان کے ایک دوست کے پاس سے آیا ہوں۔ براہ کرم ان سے بات کرائیں!"

"معاف کیجئے' میں ان کا سیکرٹری ہوں۔ کرنل صاحب بیماری کے باعث براہ راست کسی سے فون پر بات نہیں کرتے۔ آپ اپنے بارے میں تفصیلات مہیا کردیں۔ اگر ضروری ہوا تو ان سے بات کرا دی جائے گی!"

"اوہ کیا وہ شدید بیمار ہیں!" میں نے پوچھا۔ ایک خیال تیزی سے میرے ذہن میں سرایت کرگیا تھا۔

"ہاں ان کی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے!"

"ہو بھی نہیں سکتی!" میں نے آہستہ سے قہقہہ لگایا اور دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ "کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کون ہو' اپنے بارے میں تفصیل بتاؤ!" بھاری آواز غضبناک ہوگئی۔

"کیا ہم لوگوں کے بارے میں مزید تفصیل معلوم کرنے کی ضرورت ہے!" میں نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"سنو! اگر تم جلال خان کے آدمی ہو' تو میرے بارے میں بھی جان لو۔ میں زبیر

ہوں۔ طراب خان کا بیٹا زبیر!" بس اتنا کہا گیا اور فون بند ہوگیا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ دوہری کوشش کامیاب رہی تھی۔ پہلے ہی فون پر ایک عمدہ مرحلہ آگیا تھا۔ سیکرٹری کا نام سن کر میں نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ گو تیر نشانے پر نہیں بیٹھا تھا لیکن ہدف ضرور معلوم ہوگیا۔ کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں یہ دونوں نام نوٹ کرلئے۔

اس بات سے یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ کرنل جہانگیر یا تو واقعی سخت بیمار ہے یا پھر کچھ لوگوں سے خوفزدہ ہے اور براہ راست گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ میں کاؤنٹر سے لوٹ آیا۔ کاؤنٹر کلرک اب میری طرف سے لاپرواہ تھا اور کسی دوسرے کام میں مصروف ہوگیا تھا۔ میں واپس اپنے کمرے میں پہنچ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کمرے کی عقبی کھڑکی سے باہر کے مناظر نظر آ رہے تھے۔ کہر اب بھی اتنا ہی گہرا تھا بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب اور گہرا ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سردی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے بازار جاکر سردی کا بندوبست کرلیا جائے۔ اس کے لئے کسی کی رہنمائی کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے ویٹر کو بلایا اور اس کے ذریعہ روم سپروائزر کو طلب کرلیا۔ سپروائزر فوراً ہی آگیا تھا۔ "کوئی غلطی ہوگئی جناب!" اس نے ادب سے پوچھا۔

"اوہ' نہیں۔ بس اتفاق ہوگیا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا؟"

"یہاں آتے ہوئے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں سردی اتنی شدید ہوگی۔ میں موسم کے لباس کے بغیر آگیا اور اب سردی کا شکار ہوں"۔

"میں آتشدان میں آگ روشن کرائے دیتا ہوں"۔ سپروائزر بولا۔

"لیکن میں آتشدان کے سہارے زندگی نہیں گزار سکتا!" میں نے بدستور (مسکراتے ہوئے کہا۔ اور سپروائزر سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔) "میں چاہتا ہوں میرے دوست کہ تم میری راہنمائی کرو کہ مجھے گرم کپڑے کہاں سے دستیاب ہوسکیں گے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس کہریلے شہر میں کوئی کاروبار نہ کھلا ہو"۔

"اوہ!" سپروائزر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "جی ہاں سردی کی یہ لہر بس اچانک ہی آئی ہے۔ ویسے مقامی لوگ اس کے عادی ہیں۔ یہ کہر یہاں عموماً رہتا ہے۔

آپ شاید پہلی بار حسن آباد تشریف لائے ہیں؟"

"ہاں بھائی! یہی بات ہے!"

"موسم اب تو سرد سے سرد ہوتا چلا جائے گا۔ اگر آپ یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں اور بہتر لباس کے خواہشمند ہیں تو آپ اس مارکیٹ میں چلے جائیں جہاں غیر ملکی سامان ملتا ہے"۔

"افسوس میں اس مارکیٹ سے ناواقف ہوں!"

"کوئی ہرج نہیں ہے جناب! میں آپ کو گاڑی بھی مہیا کردوں گا اور ایک راہبر بھی!"

"واہ بہت ہی اچھی بات ہے میں اس کا ہر معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں!" میں نے جواب دیا اور سپروائزر نے گردن ہلا دی۔

"آپ اجازت دیں تو میں ایسے آدمی کو آپ کے پاس بھیج دوں؟"

"ضرور بلکہ فوراً"!" میں نے کہا اور سپروائزر گردن جھکا کر باہر چلا گیا۔ جو شخص میرے پاس آیا' یہ وہی کاؤنٹر کلرک تھا جس کا چہرہ مجھے اچھا محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر گردن خم کی اور بولا۔ "سپروائزر صاحب نے بھیجا ہے۔ اگر آپ تیار ہوں تو میرے ساتھ تشریف لائیے"۔ اس بار بھی اس کا لہجہ نرم ہی تھا لیکن چہرے کی کرختگی کو وہ کیا کرتا۔ میں جس حد تک اپنے آپ کو سرد ہواؤں سے محفوظ کرسکتا تھا' کیا اور اس کے بعد میں اس شخص کے ساتھ باہر نکل آیا۔

چھوٹی سی کار زیادہ اچھی تو نہیں تھی' لیکن قوی ہیکل آدمی اسے خاصی تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا اور میں کہر میں ڈوبی ہوئی سڑک سے گزرتے ہوئے قرب و جوار کے مناظر کو دیکھنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا' کیونکہ مناظر زیادہ واضح نظر نہیں آ رہے تھے۔ بہرحال خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک ایسے بازار میں پہنچ گئے جو ایک پہاڑی درے میں لگایا گیا تھا۔ میں راستوں سے تو قطعی ناواقف تھا اس لئے یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ ہم ہوٹل سے کتنی دور آئے ہیں۔ بہرصورت پہاڑی درے کا بازار کھلا ہوا تھا۔ پتی پلی دکانوں پر مشتمل اس بازار میں لاکھوں روپے کی مالیت کی اشیاء موجود تھیں اور یہ سب کی سب اسمگل شدہ تھیں!

بہترین پوستین' بڑے بڑے بالوں والی ٹوپیاں اور ایسی ہی بے شمار دوسری چیزیں

جو سردیوں کے لئے انتہائی کارآمد ہوسکتی تھیں یہاں موجود تھیں! میں نے بھاؤ تاؤ کرنے کے بارے میں غور ہی نہیں کیا.......... اور جس پہلی دکان میں داخل ہوا وہاں سے اپنے لئے بہترین پوستین تلاش کرکے اپنے بدن پر چڑھا لی۔ اس کے بعد ہی میں نے اس کی قیمت پوچھی تھی اور ادائیگی کی تھی۔ دوسرے چند کپڑے بھی اسی انداز کے خرید لئے گئے جو سردی میں کام آسکیں اور تب کہیں مجھے سکون محسوس ہوا لیکن وہ شخص جو میرے ساتھ تھا' معمولی قسم کے لباس میں تھا اور ایسے مطمئن نظر آ رہا تھا جیسے کسی عام موسم میں ہو۔ سردی اس پر زیادہ اثرانداز نہیں تھی' مجھے دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ تو اس سردی کے عادی ہیں جناب!"

"یقیناً" ۔ یقیناً"!" میں نے اس کی قیافہ شناسی کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر دوسرا سوال کیا۔ "لیکن کیا اس موسم میں یہاں بازار بند رہتے ہیں؟"

"جی ہاں عموماً" ۔ ویسے یہ موسم دیرپا نہیں ہوتا۔ بس لہر آتی ہے اور اس کے بعد مہینوں کے لئے غائب ہو جاتی ہے البتہ کہر ضرور رہتا ہے"۔

"ٹھیک!" میں نے گردن ہلائی۔ اس شخص سے میں اور کیا بات کرتا۔ کافی دیر تک ہم لوگ اس بازار میں گھومتے رہے۔ اب ذرا سردی کم محسوس ہو رہی تھی' اس لئے مجھے کوئی خاص فکر نہیں تھی۔ پھر میں نے واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دوبارہ ہوٹل میں پہنچ گئے تھے۔

اس کے بعد میں شام تک ہوٹل کے کمرے میں ہی رہا۔ ویٹر کو بلا کر البتہ میں نے حسن آباد کے بارے میں کافی معلومات حاصل کی تھیں اور ان معلومات سے مجھے پتہ چل گیا تھا کہ حسن آباد اتنا جدید کیوں ہے؟ یہاں سے سترہ میل دور تیل کے کنویں دریافت ہوئے تھے اور ان سے کافی تیل نکلنے کی امید تھی' اس لئے تیل کے کنوؤں کے قریب ایک بڑی آبادی قائم کردی گئی تھی جس کے مکین زیادہ غیر ملکی تھے اور انہی غیر ملکیوں کی وجہ سے حسن پور کو یہ اہمیت حاصل ہوئی تھی اور یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی!

کہر کی وجہ سے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سات بجے گہری تاریکی پھیل گئی اور میں لباس تبدیل کرکے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ ہوٹل میں کوئی خاص رونق نہیں تھی۔ ڈائننگ ہال میں بھی چند ہی افراد نظر آ رہے تھے۔ ٹیکسی البتہ آسانی سے مل گئی اور

حیران کن بات یہ تھی کہ یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور بڑے بااخلاق اور خوش مزاج تھے۔ کرنل جہانگیر کی رہائش گاہ تلاش کرنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی ایک خوبصورت کوٹھی تھی جس کے چاروں طرف اونچے اونچے درخت لگے ہوئے تھے۔ اگر سامنے کی سمت بڑا گیٹ اور دیوار نہ ہوتی تو اسے کوئی چھوٹا سا باغ بھی سمجھا جاسکتا تھا کیونکہ اصل عمارت ان درختوں میں چھپی ہوئی تھی۔

میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پھر عمارت کا چاروں طرف سے جائزہ لینے لگا۔ اگر میں چاہتا تو باقاعدہ اندر داخل ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے میرے پاس میجر جیلانی کا تعارفی کارڈ تھا لیکن ان حالات میں اپنی اصل حیثیت سے کسی کو آگاہ کرنا مناسب نہیں تھا چنانچہ ایک مناسب جگہ کا انتخاب کرکے میں نے کوٹھی کی چار دیواری عبور کی اور اس انوکھے باغ میں اتر گیا۔ صرف ایک خوف تھا اور وہ یہ کہ کہیں کتے نہ چھوڑے ہوئے ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ اس خطرے کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں درختوں کے درمیان سے نکل آیا۔ اب اصلی عمارت میرے سامنے تھی۔ کرنل جہانگیر کی اصل حیثیت سے بھی میں واقف تھا ورنہ اس خوبصورت کوٹھی کو دیکھ کر ضرور حیرت ہوتی۔ بہرحال کوٹھی کے عقبی راستے سے اندر داخل ہونے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی اور میں ایک سنسان راہداری میں پہنچ گیا جو روشن تھی۔ کوئی اور جگہ ایسی نہیں تھی جس کی آڑ لے کر آگے بڑھتا مجبوراً یونہی گزارا کرنا پڑا اور میں راہداری کے سرے سے گھوم گیا لیکن جونہی میں دوسری طرف گھوما، دفعتاً عقب سے کسی نے مجھ پر چھلانگ لگا دی اور میں جھونک میں گرتے گرتے بچا لیکن دوسرے لمحے سنبھل کر پلٹا اور حیران رہ گیا۔

سفید رنگ کے خوبصورت گاؤن میں ملبوس ایک لڑکی شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور اس طرح ہوشیار تھی جیسے میرا راستہ روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ "بھاگو........." اس نے مجھے شرارت سے چیلنج کیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر معصومیت آمیز شرارت تھی۔ میری کھوپڑی گھوم کر رہ گئی۔ کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

"ہار گئے نا.........!" اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"نکل بھی نہیں سکتے تھے۔ میں نے کئی بار اولمپک ٹائٹل جیتا ہے۔ تم نے اخبارات میں میری تصاویر دیکھی ہوں گی!"

"دفعتاً" مجھے کچھ یاد آگیا اور دوسرے لہجے میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خدا کی پناہ! تو وہ تم ہی ہو؟"

"جناب!" لڑکی سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکی۔

"تم کرنل جہانگیر کی بیٹی ہو نا.........!"

"بکواس! کرنل جہانگیر خود میری بیٹی ہیں!"

"اچھا پھر مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی! کیا نام ہے تمہارا.........؟"

"زہرہ بائی انبالے والی!" اس نے فوراً جواب دیا اور ایک بار پھر میں سر جھکانے پر مجبور ہوگیا۔ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ وہ کرنل جہانگیر کی وہی پاگل بیٹی ہے جسے اغوا کرلیا گیا تھا اور یقیناً اس وقت وہ دورے کی حالت میں ہے۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"لیکن تم نے اولمپک چیمپئن شپ کب جیتی؟" میں نے سوال کیا۔

"پچھلی رات"۔ لڑکی نے سکون سے جواب دیا۔

"اس کا ثبوت؟" میں نے اسے کڑی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا اور لڑکی چونک کر میری شکل دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے۔ "تمہیں یقین نہیں ہے؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"میں کیا جانوں کرنل جہانگیر ہی لوگوں سے کہتے پھر رہے ہیں کہ ان کی بیٹی جھوٹی ہے!"

"پاپا نے یہ بات کہی ہے!" اس کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

"ہاں، چاہو تو ان سے پوچھ لو"۔ میں نے لاپرواہی سے شانے ہلانے اور اسے غور سے دیکھنے لگا لیکن تیر نشانے پر بیٹھا۔ اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "آؤ میرے ساتھ!" اور آگے بڑھ گئی۔ میں اطمینان سے اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔ چند ساعت کے بعد وہ ایک خوابگاہ کے دروازے پر پہنچ گئی اور زور زور سے دروازہ پیٹنے لگی۔ دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور ایک نرس کی شکل نظر آئی جو لڑکی کو دیکھ کر آہستہ سے چیخ پڑی تھی۔ پھر وہ بھنچی بھنچی آواز میں بولی۔ "اوہ بے بی! پاپا سو رہے ہیں!"

"جگاؤ انہیں۔ ہو جائیں دو دو ہاتھ۔ سو رہے ہیں!" اس نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"اوہ بے بی! اس وقت انہیں جگانا مناسب نہیں ہے!"

"ٹھیک نہیں ہے بتاؤں تمہیں"۔ لڑکی آگے بڑھی اور نرس گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ دوسرے لمحے لڑکی اس مسہری کے قریب پہنچ گئی جس پر کوئی شخص چادر اوڑھے سو رہا تھا۔ اس نے کرنل جہانگیر کو جھنجوڑ دیا تھا اور کرنل جہانگیر ہڑبڑا کر اٹھ گئے............ "کیا بات ہے............ کیا بات ہے............؟" انہوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا اور لڑکی کی شکل دیکھ کر ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ "بے بی............ بے بی............ بے بی............ کیا بات ہے............ خیریت سے تو ہو............؟"

"اٹھ کر بیٹھ جائیے کرنل صاحب! فیصلہ ابھی ابھی ہو جائے گا کہ جھوٹے آپ ہیں یا میں؟"

"کیا ہوا بے بی............ کیا ہوا............؟" کرنل جہانگیر مسہری پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خاصے تن و توش کا مالک تھا اور صورت ہی سے فوجی نظر آتا تھا۔ بہترین شخصیت تھی لیکن چہرہ بیمار بیمار سا تھا۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ بری طرح اچھل پڑا۔

"تم کون ہو؟" اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"میں کہتی ہوں، پہلے آپ مجھ سے بات کریں!" لڑکی کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر سینہ تان کر بولی۔

"ہاں ہاں تم کہو کیا بات ہے؟ اس وقت............ اس وقت............ نرس"۔

کرنل نے نرس کو آواز دی اور نرس سہمی ہوئی کرنل کے سامنے پہنچ گئی۔ "بے بی اس وقت یہاں کیسے پہنچ گئی۔ اسے اس وقت اس کے کمرے سے کیوں نکلنے دیا گیا؟" کرنل جہانگیر نے خاصے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتی تھی جناب! ابھی چند ساعت پہلے انہوں نے دروازہ زور سے بجایا تھا۔ میں نے کھولا تو یہ دونوں موجود تھے!"

"دونوں............ ہاں............ ہاں............ تم نے بتایا نہیں کہ تم کون ہو؟" کرنل جہانگیر اٹھ بیٹھا۔

"بتا دوں گا جناب! پہلے آپ بے بی سے بات کریں!"

"میں کہتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے............ تم کون............ نرس کسی کو بلاؤ"۔

کرنل جہانگیر بری طرح بپھر کر بولا۔

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں کرنل! آپ کی تسلی کے لئے میں میجر جیلانی کا نام لے سکتا ہوں!"

"جیلانی!" ...... کرنل کے خدوخال کسی حد تک نرم پڑ گئے............ "لیکن اس وقت............ جانتے ہو کیا وقت ہوا ہے؟"

"بہت زیادہ وقت نہیں ہے کرنل! مجھے آپ سے ملنا بے حد ضروری تھا!"

"لیکن وہ بے بی کا کیا مسئلہ ہے؟"

"ارے میں کہتی ہوں تم میرا مسئلہ مجھ سے پوچھنے کی بجائے دوسروں سے کیوں پوچھ رہے ہو؟" لڑکی پاؤں پٹخ کر بولی اور کرنل نے گہری سانس لی۔ "اول تو اس وقت یہاں آئی کیوں ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ تمہارے کمرے کی حفاظت کر رہے تھے، وہ کہاں ہیں؟"

"میں نے ان کے سر کی پشت سہلا دی ہے!" لڑکی نے کہا اور ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ کرنل اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا مطلب؟"

"سر کی پشت سہلانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہاتھ سے سہلائی جائے۔ بس گلدان رکھا ہوا تھا کام آ گیا۔ اور اب۔ وہ دونوں اوندھے منہ پڑے ہوئے ہیں۔ بالکل کسی مردہ چھپکلی کی مانند!" لڑکی نے کہا اور بے تحاشہ قہقہے لگانے لگی۔

"اوہ............ اوہ............" کرنل کراہتی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر اس نے نرس کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جاؤ............ جاؤ دیکھو ان بیچاروں کو............" اور نرس باہر نکل گئی۔ "ٹھیک ہے بی بی! بڑا اچھا کیا تم نے............ لیکن تم یہاں کیوں آئی ہو"۔ کرنل نے بے بسی سے سوال کیا۔

"کیا میں پچھلی رات اولمپک مقابلے نہیں جیتی؟" لڑکی نے سوال کیا۔

"پچھلی رات، اولمپک مقابلے............" کرنل نے تحیرانہ انداز میں دہرایا پھر وہ بولا۔ "ہاں جیتی تھیں!"

"پھر آپ نے ان صاحب سے جھوٹ کیوں بولا!"

"ان صاحب سے۔ کیا جھوٹ بولا میں نے؟" کرنل ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیا آپ نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں لوگوں سے جھوٹ بولتی پھر رہی ہوں!" لڑکی آنکھیں نکال کر بولی۔ اور کرنل میری طرف دیکھنے لگا۔

"تو کیا بے بی نے واقعی اولمپک ٹائٹل جیتا ہے؟" میں نے بے اختیار سوال کیا۔

"ہاں جیتا ہے۔ لیکن تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟"

"تب تو بے بی واقعی قابل تعریف ہیں۔ لیکن عمدہ کھلاڑیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ رات کو آرام کریں ورنہ دن میں ان کی صلاحیتیں کند ہو جاتی ہیں اور پھر وہ مقابلہ ہار جاتے ہیں!" میں نے کہا اور لڑکی کے چہرے پر بدحواسی نظر آنے لگی۔ "کیا واقعی؟ ایسی ہی بات ہے؟" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"یقیناً" بے بی!" کرنل پریشان لہجے میں بولا۔

"تب تو......... تب تو میں واپس جا رہی ہوں۔ میں ابھی جاکر سو جاتی ہوں۔ سوری پاپا! میں نے آپ کی بھی نیند خراب کی!" وہ پلٹ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔ خوبصورت بدن کی نوجوان لڑکی تھی۔ چال میں بے حد دلکشی تھی۔ خاص طور سے اس کے بدن کا عقبی حصہ بے حد خوبصورت تھا جس سے اس کی چال کی دلکشی بڑھ گئی تھی۔ گھنے بال بے حد لمبے اور ضرورت سے کہیں زیادہ تھے جو اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے لیکن اس کے پاگل پن نے اس سے نسوانیت کا سارا حسن چھین لیا تھا۔

کرنل مغموم نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ میری طرف پلٹا اور اس کا چہرہ کرخت ہوگیا۔ "جیلانی کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے تم؟"

"میں انہی کے ایماء پر آیا ہوں جناب!"

"نوجوان! میں بیمار ضرور ہوں لیکن اب بھی تم جیسوں کو خالی ہاتھوں کتے کی موت مار سکتا ہوں۔ جواب دو تم کون ہو؟" .... اور......... ہاتھ اٹھا دو.........!" اچانک کرنل نے اپنے سلیپنگ سوٹ کے کسی حصے سے سیاہ رنگ کا ایک پستول نکال لیا۔

"سوری کرنل! میرا طریقہ کار واقعی ایسا ہے کہ آپ فوراً" میری طرف سے مطمئن نہیں ہوسکتے۔ میرے لباس سے پستول نکال لیں اور اوپر کی جیب سے وہ کارڈ

بھی جو مجھے میرے چیف ڈاکٹر برہان نے دیا ہے"۔ میں نے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا اور کرنل اپنی جگہ کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھا اور اس نے پہلے میرا پستول پھر وہ کارڈ نکال لیا اور پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ کارڈ نے شاید اسے مطمئن کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے پستول واپس رکھ دیا اور بولا۔ "لیکن یہ وقت اور یہ طریقہ کار؟"

"معذرت خواہ ہوں کرنل! ڈاکٹر برہان کے پاس آپ کی اطلاع پہنچی تھی۔ ہمارے آدمی کی گمشدگی ہمارے لئے بھی تشویشناک ہے کیونکہ وہ عام لوگوں سے زیر ہو جانے والوں میں سے نہیں ہے۔ میں نے براہ راست آپ کے پاس آنا مناسب نہیں سمجھا اور پہلے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوٹل سے میں نے آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو آپ کے سیکرٹری زبیر نے فون اٹھایا اور کہا کہ براہ راست آپ سے گفتگو کرنا ناممکن ہے جب کہ میں آپ کے علاوہ کسی کو رازدار نہیں بنا سکتا تھا چنانچہ مجھے اس طرح اندر داخل ہونا پڑا!!"

"اوہ! یہ بات ہے!" کرنل اب بالکل نرم پڑ گیا۔ "بیٹھو"۔ اس نے ایک نشست کی طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ کرنل!" میں بیٹھ گیا۔

"بے بی کہاں مل گئی؟"

"راہداری میں......... اور میں چونکہ آپ کی خوابگاہ سے واقف نہیں تھا' اس لئے ان کی مدد لینی پڑی"۔

"ہوں"۔ کرنل نے گردن ہلائی۔ "ڈاکٹر برہان کے تمام آدمی ذہین ہیں.........!"

"شکریہ کرنل!"

"لیکن اب میں کیا کروں؟"

"آپ کی طبیعت کیسی ہے کرنل!" میں نے سوال کیا۔

"طبیعت اتنی خراب نہیں ہے۔ بس شدید ذہنی انتشار کا شکار ہوں اور کم سے کم لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس لئے چند لوگوں کو ہدایت کر دی ہے!"

"تب براہ کرم مجھے کچھ حالات سے آگاہ کریں"۔

"سب سے مشکل کام یہی ہے میرے لئے۔ مجھے اس تذکرے سے شدید وحشت

ہوتی ہے۔ ابتدائی تفصیل تمہیں معلوم ہوگی یعنی اس حد تک جتنی ڈاکٹر برہان یا میجر جیلانی کو معلوم ہے؟"

"جی ہاں!"

"اس میں کچھ اضافہ ہوا ہے۔ یوں سمجھو میری پریشانیوں میں شاید اضافہ ہوا ہے۔ تمہارا آدمی ان سارے حالات سے واقف تھا۔ بے حد ذہین اور چالاک آدمی تھا وہ۔ کسی راہ پر لگ گیا تھا۔ لیکن اس کی گمشدگی میرے لئے بھی اتنی ہی پریشان کن ہے۔ اس نے چند ہی دنوں میں مجھے کافی حد تک مطمئن کر دیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر وہ اسی انداز میں کام کرتا رہتا تو یقینی طور پر جلد ہی کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا لیکن اس کی گمشدگی کے بعد سے میں اور زیادہ پریشان ہوگیا ہوں!"

"آپ بے فکر رہیں، وہ جس قسم کا آدمی ہے، اس کے تحت میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ وہ آسانی سے کسی چکر میں نہیں آسکتا! ممکن ہے پھنس ہی گیا ہو لیکن اسے قتل کرنا اتنا آسان کام نہیں ہوگا!"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مجھے وہ شخص پسند تھا!" کرنل جہانگیر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا خیال ہے، ہم ابتدائی تفصیل چھوڑ دیں"۔

"جی ہاں، اس حد تک جہاں سے بے بی کے اغوا اور فائل کی گمشدگی کے معاملات شروع ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شارق کیا کر رہا تھا؟"

"یہ بات تو وہی جانتا ہوگا، البتہ اس نے کچھ چیزوں کا سراغ لگایا تھا۔ مثلاً" میرا ایک دشمن.........!" کرنل جہانگیر نے کہا اور میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"غالباً" آپ جلال خان کی بات کر رہے ہیں؟" میں نے کرنل جہانگیر کی طرف دیکھا اور کرنل بری طرح اچھل پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں اور ایک بار پھر اس کا ہاتھ جیب میں رکھے ہوئے پستول پر جاپڑا۔

"نہیں کرنل! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے یہاں آئے ہوئے ابھی چند گھنٹے گزرے ہیں اور یہ میری ان چند گھنٹوں میں سے چند لمحات کی کاوش ہے!"

"کیا مطلب؟ تم نے اتنی جلدی جلال خان کے بارے میں کس طرح معلوم

کرلیا؟"

"ایک معمولی سی کوشش سے!" میں نے جواب دیا۔

"کونسی کوشش، کیسی کوشش؟" کرنل جہانگیر کا لہجہ پھر سخت ہوگیا تھا!

"جب میں نے آپ کے سیکرٹری کو فون کیا تھا تو مجھے اس کی آواز کافی کرخت معلوم ہوئی۔ اس نے غالباً" مجھے شبہ کی نگاہ سے دیکھا تھا اور پھر میں نے یونہی اندھیرے میں ایک تیر پھینکا۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کرنل جہانگیر! کہ ممکن ہے آپ کے چند دشمن آپ کے اردگرد بلکہ ممکن ہے آپ سے بہت نزدیک ہوں۔ دشمنوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے فائل غائب کیا ہے، تو میں نے یونہی اس شخص سے کچھ اس قسم کی گفتگو کی کہ وہ مجھے غلط آدمی سمجھنے پر مجبور ہوگیا اور اس نے جلال خان کے نام ایک وارننگ دی، اس نے کہا کہ وہ تراب خان کا بیٹا ہے اور کرنل جہانگیر کا محافظ ہے، اس لئے جلال خان کو ہوشیار ہو جانا چاہئے"۔

"اوہ، میں کہہ چکا ہوں کہ ڈاکٹر برہان کے آدمی بے پناہ ذہین ہیں۔ واقعی میں تم لوگوں کی دل سے قدر کرنے لگا ہوں"۔ کرنل جہانگیر نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "تو جلال خان کا نام تمہارے ہی آدمی نے پیش کیا تھا اور شبہ ظاہر کیا تھا کہ جلال خان شاید ان لوگوں کے ساتھ ملوث ہے، ان کا شریک کار ہے جنہوں نے مجھے بدنام کرنے اور اپنے لئے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے!"

"شارق غائب کس طرح ہوا؟"

"بس وہ مصروف رہتا تھا لیکن رات کو بارہ بجے میری اور اس کی ملاقات ضرور ہوا کرتی تھی۔ میں نے ایک دن انتظار کیا۔ دو دن انتظار کیا۔ تین دن انتظار کرنے کے بعد میں پریشان ہوگیا اور میں نے فوری طور پر زبیر خان کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ زبیر خان اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور اعلیٰ تربیت یافتہ بھی۔ جلال خان سے تراب خان کی دیرینہ دشمنی تھی، اور زبیر خان بچپن ہی میں غیر ممالک میں نکل گیا تھا۔ واپس آیا تو میں نے اسے اپنے ساتھ ہی رکھ لیا کیونکہ تراب خان کو قتل کیا جاچکا تھا۔ زبیر خان کا خیال دراصل مجھے جلال خان کے نام کے ساتھ آیا اور میں نے بہتر سمجھا کہ اسے اپنے ساتھ ملا لوں کیونکہ کم از کم جلال خان سے انتقام لینے کا خواہش مند ہے چنانچہ مجھے اس سے بہتر محافظ اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ بہرصورت اس کے بعد سے ابھی تک شارق کا کوئی

پتہ نہ چل سکا حالانکہ اس کی تلاش کے لئے میں نے بھی بہت کوششیں کی ہیں۔ میں ایک بیمار کی حیثیت سے بستر پر پڑا ہوں لیکن میرے بے شمار آدمی اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں لیکن میجر جیلانی کے ایماء پر میں نے ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کیا تھا!"

"ٹھیک' شارق کے بارے میں تو تفصیلات یہ ہوئیں' فائل کی چوری کے بعد سے جو معاملات آپ کے لئے پریشانی کا باعث بنے' براہ کرم ان کے بارے میں بھی بتایئے"۔ میں نے کہا اور اسی وقت دروازے میں مجھے ایک دیو قامت شخص نظر آیا جس کے ہاتھ میں اسٹین گن دبی ہوئی تھی۔ میں اچھل پڑا تھا' لیکن اس کے پیچھے نرس کو دیکھ کر میں مطمئن ہوگیا۔

"آؤ زبیر خان!" کرنل جہانگیر نے اس شخص کو طلب کیا اور وہ مجھے گھورتا ہوا اندر آگیا۔ "کچھ نہیں۔ یہ دوست ہیں!" کرنل جہانگیر نے کہا اور زبیر خان گردن ہلانے لگا۔ تب کرنل جہانگیر نرس کی جانب متوجہ ہوکر بولا۔ "کیا ہوا.......... بے بی اپنے کمرے میں گئی؟"

"ہاں! وہ دروازہ بند کرکے سوگئی ہیں!"

"باہر جو لوگ موجود تھے' ان کا کیا ہوا؟"

"ان کے سر پھٹ چکے ہیں۔ گلدان مار کر انہیں زخمی کر دیا گیا تھا۔ شاید وہ دروازہ باہر سے بند کرنا بھول گئے تھے!" نرس نے جواب دیا۔

"قصور ان گدھوں کا ہی ہے۔ کیا یہ بھول جانے کی بات تھی۔ بہرحال زیادہ زخمی تو نہیں ہیں؟"

"خاصے گہرے زخم ہیں لیکن میں نے ان کی مرہم پٹی کی ہدایت کر دی ہے!" زبیر خان نے جواب دیا لیکن وہ بدستور مجھے گھورے جا رہا تھا۔

"باہر کسی کو تعینات کیا؟" کرنل نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے انتظام کرلیا ہے۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟" زبیر خان نے پوچھا۔

"آرام کرو۔ سب ٹھیک ہے!" کرنل نے جواب دیا اور زبیر خان واپس پلٹ گیا۔

یوں تو اس پہاڑی علاقے میں مجھے تندرست و توانا آدمی بھی نظر آتے تھے لیکن زبیر خان تو واقعی دیو تھا۔ صورت شکل سے ذہین اور چالاک بھی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد کرنل نے نرس کو مخاطب کیا۔ "نرس پلیز! تم بھی باہر جاؤ۔ میں ذرا ذاتی

گفتگو کر رہا ہوں"۔

"میں باہر موجود ہوں جناب' ضرورت ہو تو طلب کر لیں"۔

"ضرورت تو ہے لیکن تمہیں تکلیف ہوگی۔ اگر کافی مل جائے تو............"

"تکلیف کیسی' میں تیار کرلاتی ہوں"۔ نرس نے کہا اور باہر نکل گئی۔

"نرس کون ہے کرنل؟" میں نے پوچھا۔

"میرے ایک ملازم کی بچی ہے' پوری طرح قابل اعتماد!" کرنل نے جواب دیا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "یہ بات بہت زیادہ پریشان کن نہیں ہے۔ لیکن تم ایک ایسے شخص کے بارے میں سوچو جس نے اپنا ماضی درست اور غلطیوں سے پاک گزارا ہو۔ بلاشبہ فائل بے حد اہم ہے لیکن اگر میں چاہوں تو حکومت کو اپنی کوتاہی کی اطلاع دے سکتا ہوں۔ پوری مشینری حرکت میں آجائے گی اور پھر میرا مسئلہ نہیں رہ جائے گا لیکن نوجوان! میں وہ ہوں جسے معذور ہونے کے بعد بھی نوازا گیا ہے۔ صرف اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے۔ اس لئے فائل کی گمشدگی میرے لئے سوہان روح ہے اور میں اسے واپس کرنا چاہتا ہوں"۔

"بات درست ہے"۔ میں نے گردن ہلائی اور بولا۔ "میں اپنے بارے میں کوئی ثبوت نہیں رکھتا کہ میں آپ کے لئے بہتر ثابت ہوں گا لیکن ان لوگوں کو روشنی میں لانے کے لئے یہ سوال ضروری ہے کہ فائل میں کیا تھا اور وہ کس قسم کے لوگوں کے لئے باعث دلچسپی ہوسکتی ہے!"

"بدقسمتی سے میں تمہیں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ ہاں خان جلال کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل تمہارے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟"

"شہاب!" میں نے جواب دیا۔

"خان جلال اپنے علاقے کی بااثر شخصیت ہے۔ آزاد علاقے میں رہتا ہے اور کچھ عرصہ قبل اس علاقے کے جرگے کا سردار بھی تھا لیکن پھر اسے سرحدوں سے ہٹا دیا گیا کیونکہ وہ پڑوسی ملک سے تعلقات بڑھا رہا تھا۔ پڑوسی ملک میں اندرونی خلفشار ہے اور وہ ہم سے بدظن بھی ہے۔ حالانکہ اس فائل میں پڑوسی ملک کے خلاف کوئی مواد نہیں ہے' لیکن اگر وہ اس ملک کے ہاتھ لگ جائے تو........... وہ کسی نہ کسی طور ہمیں

نقصان پہنچا سکتا ہے!" کرنل جہانگیر نے جواب دیا اور میری پیشانی پر شکنیں پھیل گئیں۔

"جلال خان آزاد علاقے میں رہتا ہے؟"

"ہاں.........! لیکن یہاں بھی ایک سیرگاہ موجود ہے......... وہ بے حد دولت مند شخص ہے۔ کئی چراگاہوں کا مالک......... مقامی سیرگاہ میں اس کی ایک کوٹھی بھی موجود ہے جہاں وہ کبھی کبھی قیام کرتا ہے!"

"لیکن آپ نے اپنی نئی پریشانی کی تفصیل نہیں بتائی؟"

"وہ فائل مکمل نہیں ہے۔ اس سے متعلق ایک اور فائل سرکاری ریکارڈ میں موجود ہے جس کے بغیر وہ فائل ادھوری اور ان لوگوں کے لئے بیکار ہے۔ چنانچہ فون پر مطالبہ کیا گیا ہے کہ میں فائل کا دوسرا حصہ بھی انہیں مہیا کردوں ورنہ......... اول تو روبی کا ذہنی توازن ہمیشہ کے لئے خراب کر دیا جائے گا۔ دوئم یہ کہ وہ اس گمشدہ فائل کی گمشدگی کی تشہیر کر دیں گے اور اس قسم کا سکینڈل بنائیں گے جس سے یہ اظہار ہو کہ فائل ان کے ہاتھ فروخت کیا گیا ہے!" کرنل جہانگیر نے جواب دیا اور میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس شخص کی پریشانی برحق تھی اور وہ واقعی زبردست بلیک میلنگ کا شکار ہوگیا تھا!

○ ———— ☆ ———— ○

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھاگئی تھی۔ کرنل جہانگیر گردن جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے کسی قدر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں جن مشکلات کا شکار ہوں میرا دل جانتا ہے۔ ہما میری اکلوتی بچی ہے' تم شاید یقین نہ کرو' عام حالات میں وہ انتہائی سنجیدہ اور متین لڑکی ہے' علم و ادب کی رسیا۔ اس کی شخصیت جس قدر مضحکہ خیز ہوگئی ہے' اسے دیکھ کر میرا دل روتا ہے۔ میں ....!" کرنل کی آواز شدت جذبات سے بند ہوگئی۔ اسی وقت نرس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ وہ کافی لے آئی تھی۔ کرنل جہانگیر نے خود کو سنبھال لیا۔ نرس نے خاموشی سے کافی کی دو پیالیاں بنائیں اور ہم دونوں کو سرو کرنے کے بعد بولی۔ "میں باہر موجود ہوں جناب! کوئی ضرورت ہو تو آواز دے لیں"۔

"نہیں شکریہ بے بی! بس تم آرام کرو!" کرنل جہانگیر نے جواب دیا۔ اور نرس سر جھکا کر چلی گئی۔ "کافی پیو"۔ کرنل نے اپنی پیالی اٹھا کر کافی کے چند گھونٹ لئے اور پھر اسے رکھ کر ہونٹ خشک کرنے لگا۔ "انہوں نے میرے اوپر نہایت کامیاب وار کیا ہے۔ اگر میں ان مسائل میں نہ الجھ جاتا تو حکومت کو تمام اطلاع دے دیتا اس طرح میری الجھنیں باقی نہ رہتیں!"

"کوئی ایسا کردار کرنل! جو آپ کے ساتھ رہ کر آپ کے دشمنوں کا مخبر ہو؟" میں نے کافی پیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے مجھے اپنی عملی زندگی میں بے شمار سنسنی خیز حالات سے واسطہ پڑچکا ہے اس لئے تم مجھے غیر محتاط انسان نہ سمجھو۔ بستر پر ہونے کے

باوجود میں کم از کم اپنے گھر اور اپنے اردگرد کے حالات پر پوری نگاہ رکھتا ہوں بلکہ بعض اوقات میں خود کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپا کر خفیہ طور پر عمارت میں چکر لگاتا ہوں تاکہ اپنے دشمنوں کا جائزہ لوں لیکن آج تک مجھے کوئی شبہہ نہیں ہو سکا۔ اس کے علاوہ جو لوگ میرے اردگرد ہیں' وہ انتہائی حد تک قابل اعتماد ہیں۔ کسی ایسے فرد کی یہاں موجودگی کا امکان نہیں ہے!" کرنل نے جواب دیا۔

میں خاموشی سے کافی کے گھونٹ پیتا رہا۔ پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"فائل کے راز کو آپ کب تک چھپا سکتے ہیں کرنل ....!"

کرنل سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر ایک گہری سانس لیکر بولا۔ "اگر خدا میری مدد کرے تو میری تو یہی خواہش ہے کہ جلد از جلد میری روح پر سے یہ بوجھ ہلکا ہو جائے۔ حالات کے تحت ابھی اس فائل کی حکومت کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ خاص طور سے اس وقت تک جب تک میں بیمار ہوں لیکن خدانخواستہ کسی اتفاقیہ معاملے کے بارے میں میں نہیں کہہ سکتا! اگر ایسی کوئی نوبت آ گئی' تو مجھے خودکشی ہی کرنا پڑے گی۔ دوسرے فائل کے لئے مجھے جس طرح مجبور کیا جا رہا ہے اگر مجھے واقعی ان کے ہاتھوں میں کھلونا بننا پڑا تو پھر یہ الجھنیں اور بڑھ جائیں گی۔ بہرحال میں اپنی نیک نامی کو داغدار نہیں ہونے دوں گا خواہ اس کے لئے مجھے اپنے خاندان کو داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑ جائے"۔

"اس کی نوبت نہیں آئے گی کرنل! آپ اس قدر دل برداشتہ نہ ہوں"۔ میں نے کرنل کو تسلی دینے والے انداز میں کہا اور کرنل بے بسی کے انداز میں میری صورت دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میری ذہنی کیفیت کو تم سمجھ چکے ہو گے نوجوان! بس یہ جان لو کہ میں کیسے حالات کا شکار ہوں۔ ڈاکٹر برہان کی تشکیل کردہ ٹیم ذہین افراد پر مشتمل ہے۔ اس وقت میرا یہ ذاتی معاملہ ہی نہیں بلکہ ایک قومی مسئلہ بھی ہے جس کا شکار میں بدقسمتی سے ہو گیا ہوں!"

"مجھے احساس ہے کرنل! اور میں آپ کو پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ مجھے اپنی اس عمارت میں کوئی ایسی حیثیت دے دیں' جس کی وجہ سے میں آزادانہ یہاں کے معاملات میں دخیل ہو سکوں۔ ایک آدھ دن یہاں رہ کر پہلے میں یہاں موجود افراد کا جائزہ لینا چاہتا ہوں!"

"میں اس کا انتظام کردوں گا۔ مجھے کل تک کی مہلت دو گے؟"

"ضرور.......... میں الفراز میں مقیم ہوں۔ آپ ٹیلی فون پر مجھے آگاہ کر سکتے ہیں!"

"بہتر ہے ہمیں کوڈ الفاظ کا تعین کر لینا چاہئے"۔ میں نے کہا اور ہم دونوں اس سلسلہ میں فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کرنل نے مجھے بتایا کہ اس کا ایک بھتیجا یورپ میں مقیم ہے اور پچھلے بارہ سال سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہاں کے رہنے والے اس کی شخصیت سے تو واقف ہیں صورت سے نہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم نعمان کی حیثیت سے یہاں آ جاؤ۔ گھر کے لوگوں کو بھی شبہہ نہیں ہو گا۔ ہاں یہ دو افراد ہیں صرف انہیں سمجھانا ہو گا۔ میری مراد زبیر اور عذرا سے ہے!"

"سوچ لیں کرنل! یہ دونوں اتنے ہی قابل اعتماد ہیں!" میں نے کہا۔

"تمہاری تشویش بے جا نہیں ہے لیکن پوری طرح اطمینان رکھو۔ مجھے ان پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا خود پر' ورنہ ان حالات میں انہیں اتنا قریب نہ رکھتا!"

"بہتر.......... تو پھر کل میں آپ کی فون کال کا انتظار کروں گا' میرے خیال میں کسی وقت کا تعین بھی کر لیا جائے"۔

"شام کو ٹھیک پانچ بجے!" کرنل نے جواب دیا۔

"مناسب!" میں نے کافی کا آخری گھونٹ لیا اور کھڑا ہو گیا۔

"مجھے اجازت ہے کرنل؟"

"واپسی کے لئے..........؟" کرنل نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"وہی راستہ مناسب ہو گا جہاں سے آیا ہوں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر کرنل کو سلام کر کے باہر نکل آیا۔ باہر فرض شناس نرس موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "عمدہ کافی کا شکریہ۔ آپ تشریف رکھیں!" میں نے اخلاقاً گردن جھکا کر کہا اور آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں واپس الفراز کی جانب جا رہا تھا۔ کہر میں ڈوبی ہوئی سڑکوں پر سفر کرنا خاصا مشکل کام تھا۔ ٹیکسی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بہرحال کافی دیر کے بعد منزل پر پہنچا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر لباس اتارا اور پھر بستر میں گھس گیا۔ تھوڑی تھکن ہو گئی تھی لیکن بہرحال ایک کامیاب قدم اٹھایا تھا۔ اب مجھے ان حالات پر غور کرنا تھا اور بستر اس کے لئے نہایت مناسب جگہ تھی۔ میں اپنے ذہن میں حالات کی ترتیب کرنے لگا۔ کرنل جہانگیر کی سوچ غلط نہیں تھی۔ ایک بے داغ ماضی کے انسان کی یہ تشویش بجا تھی۔ ان لوگوں نے کرنل کی دکھتی رگ کو پکڑا تھا یعنی اس کی بیٹی۔ جلال

خان جو کرنل کا دشمن تھا' فائل سے پڑوسی ملک کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ براہ راست نہ سہی دوسرے ذریعہ سے۔ شارق کی گمشدگی............ اس نے بہرحال ایک مقام بنایا تھا۔ اور پھر زبیر خان........... جلال خان اس کے باپ کا قاتل تھا۔ زبیر خان کی شخصیت مشکوک تو نہیں ہوسکتی تھی لیکن اس کے باوجود اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیکن شارق کہاں ہے اس پر مشکل ہی سے قابو پایا گیا ہوگا لیکن اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ دیر تک میں ایک ایک نکتے پر غور کرتا رہا اور جب ذہن دکھنے لگا تو باقی معاملات کل پر چھوڑ کر گہری نیند سوگیا۔

دوسری صبح سکون بخش تھی۔ حسن پور کے موسم میں ایک طرح کا سکون پوشیدہ تھا۔ کھڑکی سے باہر کہری کی دھند بکھری ہوئی تھی۔ اس دھند میں ہلکی سی سردی پوشیدہ تھی جو بدن کو بھلی لگتی تھی۔ میں نے ناشتہ طلب کرلیا اور عمدہ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد دن کا پروگرام طے کرنے لگا۔ اور کوئی کام تو تھا نہیں۔ چنانچہ سوچا کہ دن میں حسن پور اور اس کے نواح کی سیر بھی کرلی جائے۔ چنانچہ تیار ہو کر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ باہر آکر ایک ٹیکسی روکی۔ ڈرائیور ایک نوجوان آدمی تھا۔ میں نے اس کا جائزہ لیا اور پھر بولا۔ "تمہارے شہر میں اجنبی ہوں"۔

"جی صاحب! کہاں جائیں گے؟"

"حسن پور میں سیاحوں کے لئے جو جگہیں ہوں' مجھے ان کی سیر کراؤ اور ان جگہوں کا تعین تمہارا کام ہے؟"

"بہت بہتر جناب.......... لیکن.........."

"معاوضہ وہ ہوگا جو تم طلب کرو چاہو تو پہلے ادا کیا جاسکتا ہے؟"

"نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے چلئے!" ڈرائیور نے خوش ہو کر کہا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سواری فراخ دل ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی پسند کی جگہوں کا انتخاب کیا۔ موتی محل کے کھنڈرات' بارہ دری' عیسیٰ خان کا باغ' کچی گڑھی' غرض حسن پور کے بے شمار مقامات کی اس نے سیر کرائی اور دوپہر تک ہم حسن پور کی ساری قابل ذکر جگہیں گھوم چکے۔ تب میں نے ایک ہوٹل کے سامنے ٹیکسی رکوائی"۔ آؤ اب کھانا کھالیں امجد!" میں نے اس سے کہا۔

"میں باہر کھالوں گا صاحب!" ڈرائیور نے کہا۔

"آجاؤ یار! حسن پور میں میرا کوئی شناسا نہیں ہے۔ میں نے تمہیں ہی دوست بنا لیا ہے۔ شام کو جب تم معاوضہ وصول کرو تو کاروباری بن جانا' مجھے اعتراض نہیں ہوگا"۔ میں نے بے تکلفی سے کہا اور ڈرائیور جھجکتا ہوا میرے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ عمدہ قسم کا کھانا منگوا کر میں نے ڈرائیور کے ساتھ کھایا اور اس کی بوکھلاہٹوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے میں نے کہا۔ "اب کیا ارادہ ہے امجد صاحب!"

"گھومنے کے قابل جگہیں تو ساری دکھا دی ہیں جناب! باقی جہاں آپ کہیں"۔ ڈرائیور نے نیازمندی سے کہا۔

"یہاں کہیں تیل کالونی بنی ہے؟"

"تیل کالونی!" ڈرائیور نے کہا اور پھر ہنس پڑا۔ "اسے تیل کالونی نہیں کہتے صاحب! باہر کے لوگ وہاں آباد ہیں۔ تیل نکالنے کے لئے کھدائی ہو رہی ہے!"

"وہ بھی دیکھ لیں!"

"چلئے صاحب!" ڈرائیور نے مستعدی سے کہا اور ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہر کی سب سے عمدہ سڑک تھی۔ دونوں طرف حسین باغات لگے ہوئے تھے۔ درختوں کی بہتات تھی اور کہر میں ڈوبے ہوئے درخت بے حد حسین لگ رہے تھے۔ شہر سے خاصا طویل فاصلہ تھا۔ بہرحال اس کے بعد ہم کالونی پہنچ گئے۔ سڑک کا اختتام ایک چیک پوسٹ پر ہوا تھا جہاں چند مسلح گارڈ تعینات تھے"۔ بس یہیں تک آنے کی اجازت ہے۔ صرف وہ لوگ اندر جاسکتے ہیں جن کے شناسا یہاں رہتے ہوں"۔

"ہوں!" میں نے چاروں طرف دیکھا۔ خار دار تاروں سے گھرے ہوئے علاقے میں دیو پیکر مشینیں نصب تھیں جن پر کام ہو رہا تھا۔ ایک بورڈ لکھا ہوا تھا"۔ تصویریں اتارنا منع ہے"۔ عمدہ جگہ ہے لیکن افسوس میرا کوئی شناسا نہیں ہے اس لئے واپس چلو اور ڈرائیور نے ٹیکسی واپس موڑ دی۔ "ارے ہاں.......... وہاں خان جلال کی سیرگاہ بھی تو ہے!" میں نے اچانک کہا۔

"اس جگہ سے تقریباً پچاس میل دور ہوگی صاحب!" ڈرئیور بولا۔

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ابھی تو رات ہونے میں کافی دیر ہے!" میں نے کہا اور ڈرائیور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ میں نے اس کے انداز میں کسی قدر ہچکچاہٹ محسوس

کی تھی۔

"دراصل سڑکیں کہر کی وجہ سے گیلی ہو رہی ہیں اور اس طرف کا راستہ بھی کافی خراب ہے۔ اس کے علاوہ جناب آپ پردیسی ہیں' میں آپ کو اس طرف جانے کا مشورہ نہیں دوں گا!"

"کیوں؟"

"خان جلال شہنشاہ ہے۔ بس جو دل میں آ جائے۔ وہ ہمیں ٹیکسی سمیت کسی کھڈ میں بھی پھینک سکتا ہے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خوش ہو تو مالا مال کر دے۔ اس کے بارے میں آپ کو یہاں بہت سی کہانیاں ملیں گی!"

"خوب! لیکن میرے دوست! اس طرح تو تم نے میرا اشتیاق اور بڑھا دیا ہے۔ ویسے تم صورت سے بزدل تو نظر نہیں آتے۔ یوں بھی ٹیکسی چلانے والے عام لوگوں سے کہیں زیادہ بہادر ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے خوف ذہن سے نکال دو جو حال ہوگا دونوں کا ہو گا تم تنہا تو نہیں ہو گے!"

"جیسی آپ کی مرضی' لیکن خان جلال کی اجازت بھی تو نہیں ہے"۔

"ہم دور ہی سے سیرگاہ تو دیکھ لیں گے!"

"آپ اصرار کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے چلئے آپ مالک ہیں!" ڈرائیور نے کہا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی لیکن پورے ان کی طرح اس وقت وہ ہشاش بشاش نہیں تھا۔ ٹیکسی کی رفتار بھی سست تھی جیسے وہ کشمکش کا شکار ہو۔

خان جلال کی شخصیت سے مجھے بہت دلچسپ محسوس ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ اگر وہ کرنل جہانگیر والے کیس میں ملوث نہ بھی ہوا تب بھی اس سے ملاقات دلچسپ رہے گی۔ ایسے ہٹلر صفت آدمی سے ملنا تو بے حد ضروری ہے۔ اپنی آزمائش بھی ہو جاتی ہے۔ سیرگاہ کا سفر جاری رہا۔ ڈرائیور تھوڑی دیر تک تو متفکر رہا تھا پھر وہ بھی لاپرواہ ہو گیا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے تھے راستے اور دلکش ہوتے جا رہے تھے۔ ایک پتلی سی شفاف سڑک دور تک نظر آ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں سمت ڈھلان تھی جو سرسبز گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی اور ڈھلانوں کے اختتام پر درختوں کا لامتناہی سلسلہ تھا جو پس منظر میں نظر آنیوالی پہاڑیوں تک چلا گیا تھا۔ کہر میں ڈوبی ہوئی برف پوش پہاڑیاں دھوئیں کی دیوار کے سوا کچھ نہ لگ رہی تھیں۔ ماحول بے حد خوابناک تھا۔ ہم نے تقریباً

چالیس میل کا سفر طے کر لیا اور پھر ڈرائیور نے ٹیکسی کی رفتار سست کر دی۔ یہ بورڈ پڑھ لیں جناب! بس اس سے آگے جانا مناسب نہ ہوگا!" اس نے ٹیکسی سڑک کے کنارے لگے ایک بورڈ کے نزدیک روک دی اور میں گردن نکال کر بورڈ پڑھنے لگا۔

زندگی بے حد قیمتی چیز ہے۔ زندگی کی حفاظت کیجئے۔ آگے جانا منع ہے"۔

بحکم خان جلال خان!

"خوب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "زندگی واقعی قیمتی چیز ہے چلو واپس چلو"۔ اور ڈرائیور نے سکون کی سانس لے کر ٹیکسی واپس موڑ دی۔ "بڑا دلچسپ آدمی ہے خان جلال۔ لیکن لوگ اس سے خوفزدہ کیوں ہیں؟"

"شہر میں اس کے نام پر وارداتیں ہوتی ہیں اور لوگ کان دبا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پولیس اس کے خلاف رپورٹ درج کرانے والے کو قید کر دیتی ہے اور اس وقت تک مارتی ہے جب تک وہ رپورٹ درج کرنے کی وجہ تک نہ بھول جائے"۔

"اس طرف آنے والوں کے ساتھ وہ کیا سلوک کرتا ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ کھال اتروا کر کسی چوراہے پر بھی رکھوا دیتا ہے اور وہ موڈ میں ہو تو زندگی بھر کے لئے فارغ البال کر دیتا ہے۔ شہر میں کئی لوگ ایسے ہیں جو خان جلال کی وجہ سے کچھ سے کچھ بن گئے ہیں۔ وہ بے تاج بادشاہ ہے اس علاقے کا!"

"حالانکہ خود اس کا تعلق آزاد علاقے سے ہے!"

"ہاں' لیکن یہ سیرگاہ بھی اس نے آزاد علاقہ ہی قرار دے دی ہے!" ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا۔

درحقیقت خان جلال کے بارے میں تفصیلات سن کر مجھے اس سے ملاقات کا بے حد اشتیاق پیدا ہو گیا تھا' میں بھی اس بے تاج شہنشاہ کو دیکھنا چاہتا تھا' لیکن اس وقت یہ کسی طور ممکن نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور بہت خوفزدہ تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ کسی بھی طرح اس جگہ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ میں خود بھی اسے شکست کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ خان جلال کی شکارگاہ کو تو میں اچھی طرح دیکھوں گا۔ تب میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ "ٹھیک ہے دوست اسی جگہ اتار دو جہاں سے تم نے مجھے لیا تھا!"

"بہت بہتر جناب!" ٹیکسی ڈرائیور نے سعادت مندی سے کہا اور ٹیکسی واپس موڑ دی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں الفراز سے تقریباً دو سو گز دور ٹیکسی سے اتر گیا۔ ڈرائیور

کو میں نے تین بڑے نوٹ تھما دیئے تھے۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان نوٹوں کو دیکھا اور مودبانہ لہجے میں بولا۔ "نہیں جناب! یہ بہت زیادہ ہیں۔ کرایہ تو صرف ایک نوٹ میں پورا ہو جاتا ہے!"

"میں نے تم سے انعام کا بھی وعدہ کیا تھا' تینوں رکھ لو!" میں نے کہا اور ڈرائیور نے مجھے کئی سلام کر ڈالے۔ ٹیکسی جب نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو میں ہوٹل کی جانب پلٹ پڑا۔ حسن پور کے بارے میں تو اب اتنی معلومات ہوگئی تھیں کہ میں کہیں سے کہیں آجاسکتا تھا اور ان علاقوں میں آنے جانے میں مجھے کوئی خاص دقت نہیں ہوتی! ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ پانچ بجنے میں صرف بیس منٹ باقی تھے' یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ میں واپس آگیا تھا۔ اگر اور آگے بڑھ جاتا یا کسی اور چکر میں پھنس جاتا تو وقت مقررہ پر ہوٹل واپس نہیں پہنچ سکتا تھا جبکہ مجھے ٹھیک پانچ بجے ہوٹل واپس پہنچ کر کرنل جہانگیر کا فون ریسیو کرنا تھا۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور پھر ایک آرام کرسی میں دراز ہو کر چائے طلب کی۔

جونہی ویٹر چائے لایا فون کی گھنٹی بھی بج اٹھی۔ ٹھیک پانچ بجے تھے۔ "شکریہ۔ تم جاؤ!" میں نے ویٹر سے کہا اور وہ گردن جھکا کر چلا گیا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔ "ہیلو!" میں نے بھرائی آواز میں کہا۔

"کیا بادبان کھل گئے؟" دوسری سے آواز سنائی دی۔

"ہاں سمندر پرسکون ہے!" میں نے جواب دیا۔

"پونے ساتھ بجے فلائٹ آئے گی اور کنول کھل اٹھیں گے۔ ایئرپورٹ کا نظارہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ جانے پہچانے لوگ یہاں انتظار کریں گے۔ کیسی رہی!"

"بہت مناسب!" میں نے جواب دیا۔

"نقلی شہد تیار کرنیکا فارمولا معلوم ہے؟"

"مکمل طور پر' شہد کی بوتلیں وقت پر پہنچ جائیں گی!"

"تب خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" میں نے جواب دیا۔ اور دوسرے طرف سے فون بند ہوگیا۔ اس فضول بکواس پر مجھے ہنسی آرہی تھی۔ لیکن کرنل جہانگیر محتاط انسان تھا۔ اس نے اپنا مافی الضمیر سمجھا دیا تھا یعنی مجھے پونے سات بجے ایئرپورٹ پر پہنچنا تھا۔ جہاں کوئی مجھے لینے آئیگا

اور جانے پہچانے لوگ زبیر خان یا نرس کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

میں اطمینان سے کرسی پر آبیٹھا اور چائے کی ٹرے کھسکا کر اپنے لئے چائے بنانے لگا۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ الفراز کو نہ چھوڑا جائے۔ دوسرے ٹھکانے ضروری ہوتے ہیں۔ چائے پینے کے بعد میں آرام کرتا رہا اور پھر ٹھیک سوا چھ بجے کچھ ضروری سامان ایک سوٹ کیس میں رکھ کر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ باہر نکلنے سے قبل میں نے کاؤنٹر پر ایک ہفتے کا کمرے کا کرایہ ایڈوانس ادا کر دیا تاکہ کمرہ میرے نام محفوظ رہے اور پھر وہاں سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دور چل کر ٹیکسی روکی اور ایئرپورٹ چل پڑا۔

چھوٹی سی عمارت کے ایک گوشے میں میں نے ٹیکسی رکوائی اور بل ادا کر کے سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہوگیا۔ ایئرپورٹ پر کم لوگ تھے۔ چند غیر ملکی ایک طرف کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ میں ان کے نزدیک سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میرا خیال تھا کہ ان لوگوں کا تعلق یقینی طور پر تیل کالونی سے ہوگا لیکن اتنا موقع نہیں تھا کہ میں ان میں سے کسی سے ربط و ضبط بڑھانے کی کوشش کرتا اور پھر اتنی جلدی ممکن بھی نہیں تھا کیونکہ چند ہی منٹ کے بعد مجھے ایک اور حیثیت اختیار کرنا تھی۔ چنانچہ میں نے ان لوگوں کو نظرانداز کر دیا۔ ویسے میں نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ ایک بار اس کالونی کا جائزہ ضرور لوں گا۔ نہ جانے یہ خواہش کیوں میرے دل میں بیدار ہوئی تھی۔ اس کالونی سے متعلق کوئی ایسی بات ضرور تھی' جس کا تجزیہ میں خود بھی نہیں کرسکا تھا!"

پونے سات بجنے میں اب زیادہ دیر باقی نہیں تھی۔ میں نے فلائٹ کے آنے کا اعلان سنا اور پھر باہر نگاہ دوڑائی۔ ابھی تک کوئی نہیں پہنچا تھا' لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے ایک خوبصورت لمبی کار ایئرپورٹ کے صدر دروازے کے سامنے رکتے دیکھی۔ کار ڈرائیو کرنے والا زبیر خان تھا۔ وہ تنہا ہی تھا اور ایک خوبصورت تراش کے سوٹ میں ملبوس وہ بیحد اسمارٹ نظر آرہا تھا۔ تن و توش کے اعتبار سے وہ کوئی پہلوان معلوم ہوتا تھا' ویسے اس کی شاندار شخصیت کی میں نے دل ہی دل میں داد دی تھی۔ حالات یہاں بھی کچھ عجیب ہی تھے۔ رانی آف اثر پور کے پاس بھی ایک ایسی ہی شاندار شخصیت کا مالک شخص موجود تھا' عادل درانی کچھ سے کچھ نکلا تھا لیکن بہرصورت اس کی شخصیت سے میں متاثر ہوا تھا لیکن زبیر خان کی شخصیت عادل درانی سے کہیں زیادہ دیدہ زیب اور شاندار تھی'

سرحدی علاقے کا باشندہ ہونے کی وجہ سے وہ بالکل سرخ و سفید رنگ کا تھا اور پھر یورپ میں اس نے پرورش پائی تھی۔ وہاں کا اثر اس کی شخصیت پر پڑا تھا اور وہ بے حد نکھر گیا تھا۔ اس کی یہ رنگت اور خوبصورتی مجھے بے حد پسند تھی لیکن اس کی جلد کے نیچے ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار ہوتا تھا۔ ایک کھردراپن سا اور ایک کرختگی سی۔ جیسے وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا ہو۔ جیسے ساری دنیا اس کی نگاہوں میں مشتبہ ہو۔ ممکن ہے یہ شخص بھی دوسرا عادل درانی ثابت ہو۔ عادل درانی کی طرح اگر کبھی اس سے زور آزمائی کی ضرورت پیش آگئی تو یہ عادل درانی کی طرح نرم چارہ نہیں ثابت ہوگا یہ اس کے تن و توش سے اندازہ ہوتا تھا۔

بہرحال میں انتظار کرتا رہا تاوقتیکہ فلائٹ سے آنیوالے مسافر باہر نکلنا شروع ہوگئے۔ ٹیکسیاں حرکت میں آئیں۔ چند غیر ملکی بھی آئے تھے اور تیل تلاش کرنیوالی کمپنی کی ایک گاڑی انہیں ریسیو کرنے کے لئے موجود تھی۔ ریسیو کرنیوالوں میں وہی لوگ تھے جنہیں میں نے دیکھا تھا۔ وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ تب میں آگے بڑھا اور زبیر خان کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے سگریٹ نیچے پھینک دی اور اس طرح اسے مسلنے لگا جیسے اپنے کسی دشمن کو جوتے کی نوک سے رگڑ دیا ہو!

"ہیلو!" میں نے خوش اخلاقی سے کہا اور زبیر خان نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ "دوست! تمہارے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔ پیچھے بیٹھنا کچھ اچھا نہیں لگتا"۔

"بیٹھ جاؤ!" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"تمہاری مرضی لیکن............" میں نے پیچھے بیٹھتے ہوئے کہا اور اس نے دروازہ بند کر کے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور پھر کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

"کرنل جہانگیر نے تمہارے انتخاب میں غلطی کی ہے!" راستے میں زبیر خان نے کہا۔

"خوب ذرا تفصیل"۔ میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"کیا تم میری حیثیت سے ناواقف ہو؟"

"کسی حد تک............ صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم کرنل جہانگیر کے معتمد ہو!"

"ملازم کی حیثیت رکھتا ہوں۔ کیا مالک ملازموں کے ساتھ بیٹھتے ہیں؟" اس نے

چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور میں نے پسندیدگی سے بھنویں سکوڑیں۔ بات اس نے واقعی ذہانت کی کی تھی۔ میں نے اتنی باریکی سے نہیں سوچا تھا"۔ ذہین آدمی ہو!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"ہاں میں ذہین لوگوں سے دوستی رکھتا ہوں۔ گاؤدی قسم کے لوگ مجھے ناپسند ہیں۔ کرنل جن حالات میں گھرے ہوئے ہیں ان کو مدنگاہ رکھتے ہوئے معمولی لوگوں سے دلچسپی نہیں رکھنی چاہئے۔ شارق تمہارا ساتھی تھا؟"

"کرنل نے تمہیں تفصیل بتائی ہوگی؟"

"ہاں، بتائی تھی اور میں نے دبی زبان میں ان سے کہا بھی تھا کہ ہر شخص پر بھروسہ مناسب نہیں ہوتا۔ تم ہی نے مجھ سے فون پر بات کی تھی؟"

"یہ بات بھی کرنل ہی نے تمہیں بتائی ہوگی؟"

"نہیں"۔ وہ دفعتاً مسکرا دیا۔ "تم کرنل سے پوچھ سکتے ہو۔ یہ صرف میرا اندازہ تھا اور تم نے اعتراف کرلیا"۔ اس نے قہقہہ لگایا اور اب میرے مسکرانے کی باری تھی۔

"ساری ذہانتیں اسی وقت صرف کردو گے میرے دوست!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے میں صرف تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کرنل کے معاملے میں کام کرنے کے لئے ایک ایک لمحے چوکنا رہنا پڑے گا۔ جس لاپرواہی سے تم نے اب تک کام کیا ہے، وہ کرنل کو صرف نقصان پہنچا سکتا ہے فائدہ نہیں............!!"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہاری طرح ذہانت کے مظاہرے کرسکوں"۔ میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا اور اس نے عقب نما آئینے میں میری صورت دیکھی پھر ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں کرنل کا وفادار ہوں۔ میرا باپ بھی ان کا نمک خوار تھا، لیکن میں بعض ذاتی حالات میں پٹڑی سے اتر جاتا ہوں۔ کرنل کو مدنگاہ رکھتے ہوئے تمہارا صرف اتنا احترام کروں گا کہ تم میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرو اور اپنی زبان اور لہجے پر قابو رکھو۔ اگر یہاں مجھے مایوسی ہوئی تو میں کرنل سے معذرت کرلوں گا!" اس نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور میں خاموش ہوگیا۔ بلاوجہ تلخ ہونا مناسب نہیں تھا۔ زبیر خان تند مزاج معلوم ہوتا تھا اور اسے ذہانت کا خبط بھی تھا۔ بہرصورت مجھے معاملات بگاڑنے نہیں تھے۔ وقت اگر کبھی اجازت دے گا تو زبیر خان کو بھی اس کی اصلیت بتادی جائے گی۔ فی الوقت میں اس کی جانب سے لاپرواہ یوں تھا کہ خود کرنل جہانگیر نے اس کی طرف سے پورے

اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ میں خاموش ہوگیا۔ کار کرنل جہانگیر کی کوٹھی میں داخل ہوگئی تھی۔

پورچ میں کار روک کر زبیر خان ادب سے نیچے اترا اور عقبی دروازہ کھول دیا۔ پھر اس نے میرا سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکایا اور ادب سے مجھے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں آگے بڑھ گیا تھا۔ بہرحال اس شخص کی یہ حرکات مجھے پسند آئی تھیں۔ آدمی کو کم از کم اتنا محتاط ضرور ہونا چاہئے..........!

میرا استقبال ایک معمر خاتون نے کیا۔ بڑی پروقار شخصیت تھی۔ وہ یقیناً کرنل جہانگیر کی بیوی تھیں۔ کیونکہ ان کے خدوخال میں ہما کی جھلک نظر آتی تھی' ان کے ہونٹوں پر ایک مشفقانہ مسکراہٹ ابھری اور وہ چند قدم آگے بڑھ گئیں۔ "آہا نعمان! میرے بچے تم تو ماشاء اللہ بڑے خوبصورت نکلے۔ آؤ! معمر عورت نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آداب پیش کرتا ہوں چچی جان!" میں نے گردن جھکا کر کہا۔

"جیتے رہو! میں نے تو سمجھی تھی کہ یورپ سے درآمد شدہ نوجوانوں کی طرح تمہارا حلیہ بھی انہی جیسا ہوگا۔ لمبے لمبے بال' بگڑی ہوئی شکل' اور بگڑا ہوا لہجہ' لیکن تمہارے انداز میں تو بڑی شائستگی ہے۔ مجھے دلی مسرت ہوئی"۔

"شکریہ چچی جان!" میں نے جواب دیا اور معمر خاتون مجھے لئے ہوئے اندر پہنچ گئیں۔ ایک کمرہ میرے لئے درست کرا دیا گیا تھا' یہ کمرہ اندر زنان خانے ہی میں تھا' گویا میں ان لوگوں سے بہت قریب تھا!

"عارضی طور پر تمہاری رہائش گاہ کے لئے میں نے یہ کمرہ درست کیا ہے۔ کوئی تکلیف ہو تو بتا دینا۔ آہ تمہیں دیکھ کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ تمہارے والد تو ایسے گئے کہ پھر ہمیں بھول ہی گئے"۔

"میں نے آپ کو یاد کرلیا چچی جان!"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ باقی لوگ کیسے ہیں؟"

__"بالکل ٹھیک ہیں' آپ لوگوں کو سلام کہا ہے؟"

"خدا عمریں دراز کرے' سفر سے تھک گئے ہوگے۔ تھوڑی دیر آرام کرو۔ چائے وغیرہ کی طلب ہو تو بتا دو۔ ورنہ رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی"۔

"بہتر' تایا میاں کچھ علیل ہیں' مجھے اطلاع ملی تھی"۔

"ہاں' ان کی اس وقت کی غیرموجودگی کو نظرانداز کر دو۔ ممکن ہے رات کے کھانے پر وہ موجود ہوں"۔ معمر عورت نے کہا اور واپس چلی گئی۔ میں نے دل ہی دل میں کرنل جہانگیر کو برا بھلا کہا تھا۔ نہ تو مجھے مسز جہانگیر کے بارے میں کچھ معلوم تھا' نہ اپنے ان والدین کے بارے میں جو یورپ جا کر انہیں بھول گئے تھے۔ تھوڑی سی تفصیل تو ضروری تھی۔ بمشکل کام چلایا تھا۔ بہرحال اب اور محتاط رہنا تھا اور اس احتیاط کے پیش نگاہ میں نے اپنے کمرے میں مقید رہنا مناسب سمجھا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بھونچال آگیا۔ کمرے کا دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا تھا اور اندر آنیوالی ہما تھی۔ ایک حسین لباس میں ملبوس اس کے ساتھ ہی دو لڑکیاں اور تھیں جو شکل و صورت سے شوخ معلوم ہوتی تھیں لیکن خواہ مخواہ مودب رہنے کی کوشش میں مضحکہ خیز ہوگئی تھیں!"

"تم دونوں باہر رکو!" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"جی.......... جی بہتر.........." دونوں نے بیک وقت کہا۔ ہما مجھے دیکھ کر چونک پڑی تھی۔ "تم گولکنڈہ کے قیدی ہو؟" وہ تعجب سے بولی۔

"نہیں! یہ آپ سے کس نے کہا"۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہمیں خدام نے یہی اطلاع دی تھی۔ ہم سے کہا گیا تھا کہ تم گولکنڈہ سے فرار ہو کر یہاں پہنچے ہو اور تمہیں سیاسی پناہ دی گئی ہے!"

"ان تمام خدام کو پھانسی کی سزا دی جائے کیونکہ انہوں نے نپولین بوناپارٹ کی توہین کی ہے۔ خادم کو نپولین کہتے ہیں!" میں نے جواب دیا اور ہما کے چہرے پر مسرت کے آثار نظر آنے لگے۔

"آہ بوناپارٹ! مجھے تمہاری صورت ہی جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ جانتے ہو میں کون ہوں.......... افواہ.......... تمہیں ایک نگاہ دیکھ کر میں چونک پڑی تھی۔ میں "ماری لویزا" کی بہن! میری شامس" ہوں۔ شاید تمہیں وہ ملاقات یاد ہو جب تم برائن کے فوجی اسکول میں زیرتربیت تھے اور ایک پتھریلے علاقے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہوگئے تھے۔ میری تم سے دوسری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب تم نے پیرس میں حکومت کا تختہ الٹا تھا اور یہاں کے قونصل اول ہوگئے تھے۔ شاہ آسٹریا کے نمائندے کی حیثیت سے

سب سے پہلی مبارکباد میں نے تمہیں دی تھی۔ یہ شاید 1779ء کی بات ہے۔ پھر 18 مئی
1804ء کو تم نے اپنے شہنشاہ ہونیکا اعلان کیا۔ 1805ء میں تم نے آسٹریا کو 1806ء میں
جرمنی کو شکست دی اور پھر اپنی بیوی جوزیفائن کو طلاق دے کر میری بہن ماری لویزا سے
شادی کرلی۔ لیکن واٹر لو میں شکست کھانے کے بعد تمہیں سینٹ ہیلنا میں جلا وطن کر دیا
گیا تھا۔ اس کے بعد سے تمہاری خبر نہیں ملی۔ یہ وقت تم نے کہاں گزارا بونا پارٹ!"
اس نے والہیت سے پوچھا اور میں مسکرا کر رہ گیا۔ اس نے درحقیقت نپولین کی تاریخ
دہرا دی تھی۔ کرنل جہانگیر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ علم و ادب کی رسیا ہی ہے۔ اس ذہین
لڑکی کی یہ کیفیت مجھ پر اثر انداز ہوئی تھی۔
"کسی مناسب وقت میں تمہیں تفصیل بتاؤں گا!" میں نے جان بچانے کی غرض

سے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ میں پھر تم سے ملوں گی اور معلوم کروں گی کہ واٹر لو میں تمہاری
شکست کے اسباب کیا تھے؟" وہ واپس پلٹ گئی اور میں نے دل ہی دل میں گہری سانس
لی۔ اس بقراط سے تو جان بچی ہی رہے تو بہتر ہے۔ رات کو وہ اولمپک چیمپئن تھی اور اس
وقت شاہ آسٹریا کی بیٹی میری شامس اور پھر معلومات تھیں کہ خدا کی پناہ! انسان بول کر
پھنس جائے۔ ویسے درحقیقت اتنی ذہین لڑکی کی یہ کیفیت غم انگیز تھی۔
دیر تک میں ہما کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ لڑکی ان لوگوں کی آلہ کار کس طرح
بنی۔ اغوا کرنے کے بعد اس بیچاری کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ دماغ الٹ دنیا دوسری بات
ہے لیکن اس کے ساتھ کیا ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کے لئے کام بھی کرنے لگے۔
جب کہ کرنل جہانگیر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہما اس فائل کی چوری کا ذریعہ بنی ہے
اور ضروری نہیں ہے کہ اس کے بعد ہما ان کے لئے کام نہ کرے۔ جب وہ ایک بار اس
سے کوئی کام لے سکتے ہیں تو دوبارہ بھی یہی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے ہما سے بہتر
کارکن انہیں اور کون مل سکتا تھا۔ مجھے اس لڑکی پر خصوصی توجہ دینا ہوگی۔
دوسرا کردار زبیر خان کا تھا۔ زبیر خان کا کردار کسی قدر عادل درانی سے ملتا جلتا
تھا۔ کرنل جہانگیر کا اعتماد بے معنی نہیں تھا۔ زبیر خان کے باپ کو جلال خان نے قتل کر دیا
تھا لیکن یہ دشمنی ختم بھی تو ہو سکتی ہے' کسی بڑے مفاد کی خاطر اور اس کے لئے دشمنی کی
[illegible] کا سہارا لے آسانی لیا جاسکتا ہے۔ رانی آف اثر پور بھی تو عادل درانی ہی کو سب

سے زیادہ قابل اعتماد سمجھتی تھی۔ بہرحال اب تو میں یہاں آ ہی گیا تھا۔ دوسرے لوگوں پر بھی نگاہ رکھی جائے گی لیکن ان دونوں افراد پر خصوصی توجہ دینا ہوگی۔ اور میں دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اس سلسلہ میں ایک طریقہ کار کا تعین کیا تھا اور اس کے بعد میں مطمئن ہوگیا۔

رات سے قبل کرنل جہانگیر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کھانے کی میز پر وہ خاص طور پر میرے لئے آئے تھے۔ بیگم جہانگیر تھیں' خاندان کے دو افراد اور بھی تھے اور خاص بات یہ تھی کہ ہما بھی تھی لیکن بالکل بدلی ہوئی کیفیت میں۔ ایک سادہ سی قمیض شلوار میں ملبوس' خدوخال میں بے حد نرمی اور معصومیت تھی۔

"روبی بیٹے! نعمان سے ملیں۔ یہ تمہارے چچا کے بیٹے ہیں!" کرنل جہانگیر نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"آداب! بچپن میں ملاقات ہوئی ہوگی۔ طویل عرصہ سے تو یہ ہمارے ہاں آتے ہی نہیں تھے!" ہما نے سادگی سے کہا۔

"ہاں یہ شکایت سب کو ہے' لیکن نعمان نے یہ شکایت دور کر دی ہے!" کرنل جہانگیر کے لہجے میں مسرت تھی اور مجھے حیرت۔ ہما نے بالکل اس انداز میں گفتگو کی تھی جیسے واقعی پہلی بار مجھے دیکھا ہو۔ اس کے چہرے پر شناسائی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ کرنل جہانگیر مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے اپنی بیماری کے بارے میں بھی بتایا تھا اور پھر انہوں نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں لینے ایئرپورٹ نہ آسکا اور اس کی وجہ یہی بیماری تھی۔ بہرحال یہ تمہارا گھر ہے' یہاں کوئی تکلیف نہ اٹھانا!"

"شکریہ تایا جان! آپ بے فکر رہیں!"

"آؤ' مجھے میرے کمرے تک چھوڑ دو۔ تم سے کچھ باتیں ہوں گی!"

کھانے کے بعد کرنل جہانگیر نے کہا اور میں نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ان کے ساتھ ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ "بیٹھو شہاب! درحقیقت مجھے یہی لگ رہا ہے جیسے تم میرے ہی خاندان کے فرد ہو۔ اب تمہارا کیا پروگرام؟"

"دن کے تھوڑے سے وقت میں حالات کا معمولی جائزہ لیا ہے' اپنے طور پر کام کروں گا ممکن ہے میرے بارے میں آپ کو کچھ ناخوش گوار اطلاعات بھی ملیں لیکن براہ

کرم انہیں نظرانداز کردیں"۔

"میں نہیں سمجھا!" کرنل جہانگیر بولے۔

"میں بھی کسی حد تک خبط الحواس ہوں' اس لئے بعض اوقات اوٹ پٹانگ حرکات کرجاتا ہوں۔ آپ متردد نہ ہوں"۔

بس میرے لئے کچھ اور پریشانیاں نہ پیدا ہوں۔ ویسے تم لوگوں کی ذہانت کا اعتراف کرچکا ہوں!" کرنل جہانگیر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"چند شکایتوں کے علاوہ اور کوئی پریشانی نہ ہوگی آپ کو۔ ہاں ذرا ایک بار زبیر خان کے بارے میں گفتگو کروں گا!"

"کیا؟" کرنل جہانگیر نے پوچھا۔

"یہ آدمی کافی گہرا اور خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ آپ ہر پہلو سے اس کی طرف سے مطمئن ہیں۔ دراصل بعض اوقات ہم کسی ایسے شخص کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچ سکتے جس کے ماضی پر ہمیں اطمینان ہو' لیکن حال انسان میں بہت سی تبدیلیاں لاتا ہے اور ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ میں صرف اس الجھن کا شکار ہوں کہ کہیں دشمن ہماری شہ رگ کے قریب نہ ہو!"

میری اس بات سے کرنل جہانگیر سوچ میں پڑ گئے۔ پھر بولے۔ "دیکھو شہاب! تراب خان میرا ملازم ہی نہیں' دوست سمجھو۔ زبیر خان کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی میں نے ہی بھیجا تھا اور میرے ان احسانات کے بارے میں زبیر خان کو بھی معلوم ہے۔ شہاب بیٹے! اچھا خون کچھ نہ کچھ اثر ضرور رکھتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کی مسموم ہوائیں کسی کے کردار پر اثر انداز ہوسکتی ہیں یا نہیں' البتہ خون کی اگر کوئی تاریخ ہے تو زبیر خان جیسے لوگ اپنے اجداد کا خون بھلا نہیں سکتے اور کم از کم ایسے دشمن کے آلہ کار نہیں بن سکتے جن کے ہاتھ ان کے اجداد کے خون سے رنگے ہوں۔ اس کے باوجود تمہیں آزادی ہے کہ اپنے طور پر جو چاہے کرو البتہ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ سے بدظن ہو جائے"۔

"میں اس بات کا خیال رکھوں گا!"

"بس یہی میری خواہش ہے اور اس کے علاوہ کوئی ایسی بات جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو"۔

"فی الوقت نہیں۔ ضرورت ہوئی تو عرض کروں گا"۔

"بہتر!" کرنل جہانگیر بولے۔ "اب تم آرام کرو۔ میں درحقیقت بیمار ہوگیا ہوں۔ ایک عجیب سی کمزوری کا احساس ہوتا ہے بعض اوقات!"

"خود کو سنبھالے رکھیں۔ آپ پر بہت ذمہ داریاں ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ان ذمہ داریوں میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا!"

"میں تمہاری اس ڈھارس پر شکرگزار ہوں"۔

"ہاں ایک سوال اور........." میں نے چونک کر پوچھا اور کرنل جہانگیر سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "اس وقت ہما بالکل بدلی ہوئی کیفیت میں تھیں!"

میں نے شاید تمہیں یہ بات بتائی تھی کہ کبھی کبھی اس کی ذہنی حالت بالکل اعتدال پر ہوتی ہے۔ گو ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن ہوتا ضرور ہے۔ اس وقت اسے اپنی پرانی کیفیت یاد نہیں رہتی اور اگر کوئی اسے اس کے بارے میں بتا دے تو وہ سخت متوحش ہو جاتی ہے"۔

"بس یہی معلوم کرنا چاہتا تھا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔ کرنل جہانگیر نے میری اس مسکراہٹ کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا تھا لیکن کچھ بولا نہیں اور میں وہاں سے نکل آیا۔ میرے ذہن میں بہت سے منصوبے تھے اور میں ان پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔

اس رات تقریباً دو بجے میں اپنی رہائش گاہ سے نکل آیا اور پوری عمارت کا گشت کرنے لگا۔ میں نے چچی جان کی خواب گاہ دیکھی وہ گہری نیند سو رہی تھیں۔ ہما کی خواب گاہ پر آج پہریدار مستعد تھے کیونکہ پچھلی رات کے پہریدار زخمی پڑے تھے اس لئے آج جو لوگ تھے' وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار تھے۔ چنانچہ وہاں ذرا پوشیدہ رہنا پڑا۔ پھر میں زبیر خان کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ زبیر خان البتہ اپنی خواب گاہ میں موجود نہیں تھا۔ چنانچہ میں اطمینان سے اس کی خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔ کمرے کا دروازہ میں نے کھلا چھوڑ دیا تھا لیکن میری تیز نگاہوں نے ایسی جگہوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا جہاں زبیر خان کی خفیہ چیزیں پوشیدہ ہوں۔ پھر انتہائی پھرتی سے میں نے ان جگہوں کی تلاشی لی اور اس کے سارے کاغذات وغیرہ دیکھ ڈالے۔ ہر اس ممکنہ جگہ کا میں نے جائزہ لے لیا جہاں مجھے کوئی چیز مل سکتی تھی لیکن زبیر خان کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوسکی۔ تب میں

نے نہایت احتیاط سے زبیر خان کی ساری چیزیں ان کی جگہ اسی انداز میں رکھ دیں کہ اسے شبہ بھی نہ ہوسکے اور اس کے بعد نہایت اطمینان سے زبیر خان کے بستر میں گھس گیا۔

سونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اس وقت رات کے تقریباً چار بجے تھے جب زبیر خان اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹین گن دبی ہوئی تھی۔ اندر آکر اس نے اسٹین گن ایک جانب رکھی اور پھر ایک الماری سے شب خوابی کا لباس نکالا۔ میرے سامنے ہی بے فکری سے اسے زیب تن کیا۔ ابھی تک اس نے اپنے بستر پر توجہ نہیں دی تھی لیکن پھر وہ بستر کی طرف مڑا اور پھر اس کی پھرتی قابل دید تھی۔ اس نے برق کی طرح کوند کر اسٹین گن اٹھائی تھی اور میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ زبیر خان نے مسہری کو زور دار ٹھوکر ماری تھی۔ "کھڑے ہو جاؤ!" وہ خونخوار لہجے میں بولا لیکن یہاں کس کے کان پر جوں رینگتی۔ دوسرے لمحے اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال کر مجھے مسہری سے گھسیٹ لیا۔ بلامبالغہ انتہائی طاقتور آدمی تھا' میں کھڑا ہوگیا لیکن میری آنکھیں بدستور بند تھیں۔ جونہی زبیر خان نے مجھے چھوڑا' میں ایک طرف گر گیا' کمبخت نے مجھے سنبھالنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی اور میرے کافی زور سے چوٹ لگی تھی لیکن میں جس انداز میں پڑا تھا اس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔

"میں تمہاری بے ہوشی دائمی بھی کرسکتا ہوں!! اٹھو.........." اس نے میری پسلی میں ٹھوکر ماری اور میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اس سے اس ٹھوکر کا انتقام ضرور لوں گا لیکن اس وقت میں نے تکلیف کے آثار بھی نمودار نہ ہونے دیئے تھے!

زبیر خان پریشان اور غصے سے ناچنے لگا۔ "تم اٹھتے ہو سور کے بچے کہ میں اسٹین گن کی گولیاں تمہارے سینے میں اتار دوں!" وہ دہاڑا.......... لیکن اس وقت تو سب کچھ برداشت کرنا تھا۔ تب زبیر خان نے اسٹین گن رکھ دی اور جھک کر مجھے اٹھالیا۔ اس نے کئی تھپڑ میرے منہ پر مارے اور پھر مجھے اٹھا کر مسہری پر پھینک دیا۔ اس کے بعد شاید وہ باتھ روم میں گیا اور پانی لاکر سارا پانی اس نے میرے اوپر انڈیل دیا لیکن اس وقت تو اگر وہ میرے بدن کے کسی حصے میں خنجر بھی بھونک دیتا تو میں جنبش نہ کرتا۔ وہ سر کھجانے لگا تھا۔ پھر اس نے جھک کر مجھے اٹھایا اور کندھے پر ڈالے باہر نکل آیا۔ کہیں کسی گٹر وغیرہ میں نہ ڈال دے۔ میں نے سوچا اور آنکھیں کھول لیں۔ لیکن زبیر خان مجھے لئے ہوئے شاید کرنل جہانگیر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا اور پھر میں نے نرس کو دیکھ کر دوبارہ

آنکھیں بند کرلیں جو زبیر خان کو دیکھ بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہوگئی تھی۔

"..........یہ کون ہے؟"

اس نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"کرنل جہانگیر کا چہیتا جاسوس! کرنل کو جگاؤ"۔

"جاگ رہے ہیں راتوں کو وہ عموماً بہت کم سوتے ہیں۔ ابھی کافی دے کر آئی ہوں!"

"دروازہ کھولو!"

"اوہ' اچھا لیکن اسے کیا ہوا؟"

"مرگیا شاید"۔ زبیر خان نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ اور پھر مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔ کرنل ایک آرام کرسی میں دراز تھا۔ ہمیں دیکھ کر چونک کر کھڑا ہوگیا۔

"اوہ.......... یہ..........!"

"ملاحظہ فرمایئے!" زبیر خان نے مجھے بستر پر اچھال دیا۔ میں بے سدھ بستر پر پڑا تھا۔ کرنل مضطربانہ انداز میں مجھ پر جھک گیا۔ "اسے کیا ہوا زبیر خان!" کرنل کا لہجہ خوشگوار نہیں تھا۔

"میں نہیں جانتا۔ میرے بستر پر پڑا تھا"۔

"تمہارے بستر پر!" کرنل کے لہجے میں سخت حیرت تھی۔

"جی' اور مجھے قطعی نہیں معلوم کہ یہ میرے بستر پر کس طرح آیا"۔ زبیر خان نے جواب دیا۔

"تم مجھ سے کس طرح گفتگو کر رہے ہو زبیر خان!" کرنل کا لہجہ کرخت ہوگیا۔

"میری پریشانی بھی تو بجا ہے۔ میں سرے سے اس قسم کے لوگوں کے خلاف ہوں۔ میں کسی پر اعتبار نہیں کرسکتا۔ لیکن معاف کیجئے کرنل آپ .... کیا آپ کے خیال میں' میں آپ کے کسی حکم سے انحراف کرسکتا ہوں!"

"اس کی بے ہوشی کی وجہ تمہاری ناپسندیدگی تو نہیں ہے؟"

"ثابت ہو جائے تو پہلے مجھے گولی مار دیں۔ یہ میرے بستر پر آرام سے سو رہا تھا اور ہوش میں لانے کی ہر کوشش ناکام رہی ہے"۔

"اوہ!" کرنل پھر مجھ پر جھک گیا۔ وہ میرے بدن کو ٹٹول رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا"۔ شاید تم نے اس پر پانی بھی ڈالا ہے"۔

"جی صرف ہوش میں لانے کے لئے"۔ زبیر خان نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"زبیر خان! اسے زہر وغیرہ دینے کی کوشش تو نہیں کی گئی۔ ہمیں کسی بھی امکان کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے"۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

زبیر خان کے لہجے میں بدستور بیزاری تھی۔ کرنل جہانگیر تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر بھاری لہجے میں بولا۔ "نہیں اس وقت مناسب نہیں ہے۔ لیکن یہ بے ہوشی معنی خیز ہے تم شاید آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں ...."

"جی ہاں، آخری گشت کے بعد"۔

"تو جاؤ آرام کرو۔ میں دیکھوں گا اسے!"

"اتنا جاگنا آپ کی صحت کے لئے بھی مناسب نہیں ہے!"

"شکریہ زبیر! اب تم جاؤ"۔ کرنل نے نرم لہجے میں کہا۔ زبیر خان چند ساعت کھڑا رہا۔ پھر اس نے شانے اچکائے اور واپس پلٹ گیا۔ کرنل نے میرے نزدیک کرسی گھسیٹ لی تھی۔ چند ساعت کے بعد نرس اندر آگئی"۔ انہیں کیا ہوا جناب!!"

"ذرا تم دیکھو.......... یہ صرف بے ہوش ہے یا زہر خورانی کا کیس ہے۔ تم تو اندازہ لگا سکتی ہو"۔ اور نرس مجھ پر جھک گئی۔ اس نے چیر کر میری آنکھیں دیکھیں، ناخن وغیرہ دیکھے اور بولی۔

"نہیں جناب! زہر کے کوئی آثار نہیں ہیں"۔

"پھر اب میں کیا کروں؟"

"دو ہی باتیں ہیں یا تو انہیں ہسپتال بھجوایا جائے یا.........."

نرس کی بات ادھوری رہ گئی۔ میں نے جنبش کی تھی اور پھر میں نے اندھوں کی طرح ادھر ادھر ٹٹولا اور آنکھیں بند کئے کئے سہارا لے کر کھڑا ہوگیا۔ نرس اور کرنل جہانگیر اچھل کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ وہ دونوں احمقوں کی طرح مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے آنکھوں میں اتنی خفیف جھری رکھی تھی کہ انہیں کوئی شبہ نہ ہو سکے۔ پھر میں کھڑا ہو گیا اور اسی طرح آگے بڑھنے لگا۔ رخ دیوار کی طرف تھا۔ چند ساعت کے بعد میں دیوار

سے ٹکرایا اور پھر پلٹ کر دوسری طرف چل پڑا۔ دونوں کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ مجھے ٹوکتے۔ بالآخر میں نے دروازہ ٹٹول لیا اور اسے کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ دونوں میرے پیچھے چلے آئے تھے۔ میں نے عمارت کے عقبی لان کا رخ کیا تھا اور پھر گھاس پر پہنچ کر میں اطمینان سے لیٹ گیا۔

وہ دونوں یہاں تک پیچھے آئے تھے اور اب میرے گرد کھڑے تھے۔ "نیند میں چلنے کا مریض ہے!" نرس نے کہا۔

"اب میں کیا کروں؟" کرنل جہانگیر نے پریشان لہجے میں کہا۔

"مناسب سمجھیں تو اٹھوا کر ان کے کمرے میں پہنچوا دیں!" نرس نے کہا۔

"جاؤ انتظام کرو........... کسی کو لاؤ .... نہ جانے میری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے میری عزت کا جنازہ نکل کر رہے گا۔ جاؤ لڑکی جاؤ"۔ اور نرس دوڑتی چلی گئی۔ کرنل جہانگیر اپنی جگہ کھڑا سر کھجا رہا تھا۔

"ہیلو کرنل!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ اچھل پڑا۔ اس نے جھک کر مجھے دیکھا اور میں نے اسے آنکھ مار دی"۔ کیسا جا رہا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

کیا .... کیا تم پاگل ہو........... تم بن رہے تھے اب تک .... اور تم نے .... تم نے ...." کرنل اب شدید غصے کا شکار ہو گیا تھا۔

"سوری کرنل! لیکن میں آپ کی اجازت لے چکا ہوں!"

"اجازت کے بچے........... میں کہتا ہوں تم نے یہ ڈھونگ کیوں رچایا تھا۔ رات کے اس وقت تم نے .... تم نے ...."

"کرنل! میں نے پہلے ہی معذرت کر لی تھی کہ ممکن ہے کچھ ناخوشگوار شکایات آپ کے کانوں تک پہنچیں تو آپ انہیں نظرانداز کر دیں!"

"میں کہتا ہوں اس سے فائدہ؟"

"فائدہ اور نقصان میرے اوپر چھوڑ دیں کرنل! یا پھر آپ کی اجازت سے واپس چلا جاؤں"۔ میں نے بھی خشک لہجے میں کہا اور کرنل مجھے گھورتا رہا۔ پھر گردن جھٹک کر کسی قدر بے بسی سے بولا۔

"لیکن اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی"۔

"پہلی اور آخری بار بتانے کی زحمت کر رہا ہوں۔ آپ کے بار بار کے سوالات

کے جواب نہیں دوں گا۔ میں اس کیفیت یا اس بیماری کا اظہار کر کے اپنے کام میں آسانی پیدا کر رہا ہوں۔ میری نیند میں چلنے کی عادت کی پبلسٹی ہونے دی جائے۔ کسی کو حقیقت نہ معلوم ہو۔ اگر مجھے آپ سے ہمدردی نہ ہوتی تو آپ کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ سمجھ گئے آپ!"

"اوہ گویا......... گویا تمہارا مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں تمہیں دیکھ لیا جائے تو .... تو تم اپنی اس کیفیت سے فائدہ اٹھاؤ گے"۔ کرنل دھیمے لہجے میں بولا۔

"اب آپ ڈاکٹر برہان کے ساتھیوں کی ذہانت کا تذکرہ کریں گے۔ لیکن براہ کرم خاموش رہیں۔ نرس کچھ لوگوں کے ساتھ واپس آ رہی ہے!" میں نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ کرنل جہانگیر کی حالت عجیب ہو رہی تھی، بہرحال نرس پہنچ گئی۔

"ہوش آیا؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں!" کرنل جہانگیر نے کسی قدر ہچکچائے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور پھر دوسرے لوگوں کی طرف رخ کر کے بولے۔ "احتیاط سے اٹھاؤ۔ کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کمرے میں پہنچا دو"۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ حالانکہ اس حماقت کی ضرورت نہیں تھی۔ خاموشی سے کام ہو سکتا تھا لیکن بس ہما کو دیکھ کر طبیعت پر جولانی آگئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ کرنل کی کوٹھی میں تھوڑی سی رونق ہی رہے۔

ہما رات کو ٹھیک تھی لیکن دوسرے دن وہ ناشتے کی میز پر نہیں آئی۔ کرنل جہانگیر بھی موجود نہیں تھے۔ رات کی ہنگامہ خیزی ان پر اثر انداز ہوئی تھی اور ناشتے کے کمرے میں اس نرس نے آکر بتایا تھا کہ کرنل نہیں پہنچ سکیں گے، آپ لوگ ناشتہ کرلیں۔ لے دے کر بے چاری بیگم جہانگیر رہ گئی تھیں جو کسی قدر افسردہ سی نظر آتی تھیں۔

"روبی بھی نہیں آئی چچی جان!" میں نے ہما کے بارے میں پوچھا۔ یہ لوگ اسے روبی کے نام سے ہی پکارتے تھے۔

"کہیں اس کی بھی طبیعت خراب نہ ہو"۔ بیگم جہانگیر نے تشویش سے کہا اور پھر ایک ملازمہ کو ہدایت کی کہ جا کر ہما کو دیکھے۔ "ناشتہ شروع کرو نعمان! میں جانتی ہوں تمہیں یہاں آکر خوشی نہ ہوئی ہوگی!"

"کیوں چچی جان!"

"یہاں کا ماحول، تھوڑے دن قبل ہمارے خاندان پر نحوست کے یہ سائے موجود

نہیں تھے۔ بس اچانک ہی تقدیر بدل گئی اور اب یہ ایک سوگوار گھرانہ ہے!"

"آپ کو افسردہ دیکھ کر مجھے بہت رنج ہو رہا ہے چچی جان!" کوئی ایسی بات ہے جو مجھے بتائی نہیں جا سکتی!"

"نہیں، بس کرنل صاحب کی بیماری، ہما کی ذہنی کیفیت، ان دونوں چیزوں نے گھر کا ماحول بدل دیا ہے!"

"سب ٹھیک ہو جائے گا چچی جان! آپ فکرمند نہ ہوں"۔

میں نے کہا اور بیگم جہانگیر نے گردن ہلا دی۔ پھر بولیں۔ "شکریہ بیٹے! چلو ناشتہ کرو!!"

"روبی آ جائے"۔ میں نے کہا اور اسی وقت ہما اندر داخل ہوگئی لیکن عجیب جاہ و جلال تھا۔ سر پر بہت سے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ لباس بھی عجیب و غریب انداز سے پہنا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ پیچھے پیچھے دو خادمائیں موجود تھیں۔ تب اس نے بڑے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ میں دیوی ایرس (ERIS) ٹرائے کی تباہی کا پیغام دینے آئی ہوں۔ پلیوس (PELUS) اور تھیٹس (THETIS) کی شادی کے موقع پر مجھے شرکت کی دعوت نہ دے کر ٹروجن حملہ کا آغاز کیا گیا۔ یہ سونے کا سیب سب سے حسین شخصیت کی ملکیت ہوگا اور تم........." اس نے میری طرف دیکھا۔

"پریام کے بیٹے پیرس (PARIS) میں جانتی ہوں ایک ثالث کی حیثیت سے تم کیا فیصلہ دو گے۔ ہیرا (HERA) ایتھنا (ATHENA) اور افرودیتہ تمہیں رشوت پیش کریں گی اور تم یہ سنہرا سیب افرودیتہ کی محبت کی نذر کر دو گے لیکن تمہاری فطرت بالآخر ایک دن تم پر تباہی لائے گی۔ اسپارٹا کی ہیلن کی رفاقت طویل نہیں ہوگی اور تمہیں سفید لوگوں کے ہاتھوں شکست اٹھانی پڑے گی۔ سمجھے یہ ایرس کا پیغام ہے!"

بیگم جہانگیر رو دینے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں، اب بند بھی کرو گی یہ بکواس!........" وہ آگے بڑھ کر بولیں اور ہما نے چونک کر انہیں دیکھا"۔

"یہ کون ہے؟ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ پینی لوپی ہو۔ مگر اس جہان فانی میں کون رہا ہے۔ انقلاب زندہ باد، انقلاب........." اس نے رک کر خونخوار نگاہوں سے دونوں ملازماؤں کی طرف دیکھا۔

"ز......... زندہ باد!" انہوں نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا اور پلٹ کر

بھاگ نکلیں۔ ہما نے ایک گرجدار قہقہہ لگایا۔ "دیکھا دشمن میدان چھوڑ گیا' لکڑی کے گھوڑے کو میدان میں لانا ہی نہ پڑا' لیکن میں ان کا تعاقب کروں گی' میں انہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گی۔ انقلاب زندہ باد......... انقلاب زندہ باد........." وہ واپس پلٹ گئی اور بیگم جہانگیر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ ان کی آنکھیں نمناک تھیں۔ ناشتہ غارت ہوچکا تھا اور اب بھلا اس سوگوار ماحول میں ناشتے کا کیا سوال تھا۔ میں بھی سوگوار بیٹھا رہا۔ پھر بیگم جہانگیر چونک کر بولیں۔ "اوہ' نعمان بیٹے! ناشتے کرو۔ پلیز' پلیز"۔

"مجھے سخت افسوس ہے چچی جان! لیکن حیرت بھی ہے اس بات پر کہ آپ روبی کا علاج کیوں نہیں کراتیں؟"

"براہ کرم اس موضوع کو جانے دو۔ پھر کبھی اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔ چلو ناشتہ کرو"۔ انہوں نے کہا اور میں نے ناشتہ شروع کردیا۔ بیگم جہانگیر نے تو خیر ناشتہ کیا کیا' صرف فرض پورا کیا لیکن میں ناشتہ کی میز پر بیٹھ کر باقی فرائض بھول جاتا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈٹ کر ناشتہ کیا اور بیگم جہانگیر بے چاری مجبوراً میرا ساتھ دیتی رہیں۔ ناشتے کے بعد ہم اٹھ گئے۔

پورا دن بیکاری کا دن تھا' لیکن اپنے طور میں بیکار نہیں رہا تھا۔ میں نے اس پورے دن میں اس عمارت میں رہنے والے ایک ایک فرد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلی تھیں اور پھر یہی سوچا تھا کہ گھر کے کسی فرد پر شبہ کرنا تقریباً بے مقصد ہی ہوگا۔ صرف دو افراد ایسے تھے جو کرنل جہانگیر کے سب سے زیادہ قریب تھے' لیکن کرنل جہانگیر ان پر اس قدر اعتماد کا اظہار کرچکا تھا کہ اب ان پر شبہ کرنا مناسب نہیں رہا تھا۔ چنانچہ گھر کی طرف سے توجہ ہٹانا پڑے گی۔ لیکن اب اس کے بعد میرا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے اور پھر ایک ہی نام میرے ذہن میں گونجا۔ خان جلال .... ہاں خان جلال کو اب دیکھنا ہی پڑے گا۔ شارق کی الجھن بھی بدستور موجود تھی۔ اس کی گمشدگی ذاتی طور پر میرے لئے تکلیف دہ تھی۔ ڈاکٹر برہان بھی اس کے سلسلے میں تشویش کا شکار ہوگیا۔ ویسے یہاں سے ڈاکٹر برہان سے بہ آسانی رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا لیکن کوئی کام کی بات ہو تو ڈاکٹر برہان سے رابطہ بھی قائم کیا جائے۔ اس وقت تو بے مصرف تھا۔

شام کو کرنل جہانگیر نے خود مجھے بلوا بھیجا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بشاشت نظر آرہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ تنہا ہی تھا اور باہر نرس بھی

موجود نہیں تھی۔

"ہیلو کرنل!"

"بھئی تھوڑے دن کے لئے تایا جان کہنے کی عادت ڈال لو۔ کوئی دوسرا نہ سن لے؟" کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تایا جان!"

"یوں بھی' رشتہ برا نہیں ہے!"

"بے شک!"

اس کے علاوہ دن میں ایک آدھ بار میری تیمار داری کرنے بھی آجایا کرو۔ کم از کم رشتوں کا اتنا پاس رکھنا تو ضروری ہے!"

"بہتر ہے۔ لیکن اب اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی!"

"کیوں.........؟"

"صرف آپ کے قرب و جوار کا جائزہ لینا تھا......... اپنے طور پر میں مطمئن ہوگیا ہوں"۔

"خوب!" کرنل جہانگیر گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "لیکن میں سمجھا نہیں!" اس نے کہا۔

"کیا آپ مجھے حسن پور کے نواح کی سیر کی اجازت نہیں دیں گے تایا جان!" میں نے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اوہ تو اب تم یہاں سے جانا چاہتے ہو؟ لیکن نواح کی سیر' میرا مطلب ہے.........؟"

"بس خان جلال کی سیرگاہ میرے لئے باعث کشش ہے' ویسے میں اس کا تھوڑا سا نظارہ کرچکا ہوں!"

"کیا مطلب؟" کرنل جہانگیر نے چونک کر پوچھا۔

"اس وقت تک یہاں نہیں پہنچا تھا۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے حسن پور کے قرب و جوار کا جائزہ لیا تھا۔ وہ علاقہ بھی دیکھا تھا جہاں تیل کی تلاش کرنیوالی کمپنیوں کے افراد کے رہنے کی کالونی ہے۔ لیکن اس جگہ تک جہاں تک پہنچ ممکن ہے۔ خان جلال کی سیرگاہ کے ایک مخصوص حصے تک جہاں بورڈ لگا ہوا ہے' ٹیکسی ڈرائیور مجھے لے گیا' اس

سے آگے بڑھنے کی جرات اس نے نہیں کی تھی!"

"تعجب ہے بھئی تعجب ہے۔ تم ہر لمحے مجھے چونکا دیتے ہو۔ اول تو تمہاری رات والی شرارت ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی"۔

"شرارت نہیں جناب' ضرورت کہئے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکوں گا"۔

"خیر اس سے زیادہ میں کچھ پوچھنا بھی نہیں چاہتا لیکن تم مجھے یہ بتاؤ اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" کرنل جہانگیر نے سوال کیا۔

"میں خان جلال کی سیرگاہ کو دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"اس طرف جانے کی اجازت کسی کو نہیں ہے' خان جلال نے سرکاری طور پر بھی اس بات کی اجازت حاصل کرلی ہے' اور اس کی وجہ اس نے یہی بتائی ہے کہ عموماً سیرگاہ میں شکار ہوتا رہتا ہے' اجنبی لوگوں کو اس سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے"۔

"بڑی عجیب بات ہے۔ کیا حکومت کے ارکان کو اس سلسلے میں کوئی تشویش پیدا نہیں ہوتی؟" میں نے سوال کیا۔

"قطعی نہیں کیونکہ اکثر اعلیٰ عہدیداران خود بھی اس کے ساتھ شکار میں شریک ہوتے ہیں۔ خان جلال حکام سے بنا کر رکھتا ہے۔ نہ جانے اس کی وجوہ کیا ہیں؟ میں نے کبھی اس سلسلہ میں معلومات کی ضرورت محسوس نہیں کی!"

"خان جلال قانون شکنی بھی کرتا ہے۔ میرا مطلب ہے اگر کسی کو اس کی ذات سے نقصان بھی پہنچ جائے تو چشم پوشی اختیار کرلی جاتی ہے!"

"ہاں جب قانون اس کا دوست ہے تو اس کے لئے سب کچھ جائز ہے!"

"ایک فوجی ہونے کے باوجود آپ یہ بات کہہ رہے ہیں!"

"میں صرف فوجی ہوں' اس ملک کا وزیراعظم نہیں"۔ کرنل جہانگیر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے! میں اس بحث میں کیوں الجھوں' بہرحال میں سیرگاہ دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"تنہا جاؤ گے!" کرنل نے پر تشویش انداز میں پوچھا۔

"ظاہر ہے!"

"ایک تجویز پیش کروں!"

"جی فرمائیے!"

"کیوں نہ زبیر خان کو بھی ساتھ لے لو!"

"اوہ!" میں نے ہونٹ سکوڑ دیئے!

"وہ خود بھی کئی بار یہ ارادہ کرچکا ہے۔ میں نے ہی روکا ہے لیکن اگر تم دونوں ساتھ ہو جاؤ گے تو.........."

"کیا وہ پسند کرے گا!"

"کیوں نہیں' میں اس سے بات کرلوں گا۔ کب جانا چاہتے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ کل"۔ میں نے جواب دیا اور کرنل جہانگیر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے بلکہ یہ بہتر ہے کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہئے"۔

"ایک بات اور کرنل!" میں نے پرخیال انداز میں کہا اور کرنل سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "کیا تیل کالونی میں آپ کا کوئی ایسا شناسا موجود ہے جس پر آپ کو مکمل اعتماد ہو!"

"اوہ' کیوں؟" کرنل نے چونک کر پوچھا۔

"میں اسے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے بیرونی لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے"۔

"ہاں' لیکن اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟" کرنل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے طور پر کرنل! کوئی خاص بات نہیں"۔

"میرا ایک بہترین دوست میجر یوسف وہاں سیکیورٹی انچارج ہے۔ ریٹائرڈ فوجی ہے۔ بے حد اعتدال پسند' میرا خیال ہے تمہارے لئے کوئی دقت نہ ہوگی!"

"بہت عمدہ' بہرصورت یہ بات میرے پروگرام میں شامل ہے لیکن خان جلال کی سیرگاہ کی سیر کے بعد"۔ میں نے جواب دیا اور کرنل سر ہلانے لگا۔ تھوڑی دیر تک میں مختلف موضوعات پر کرنل کے پاس بیٹھا گفتگو کرتا رہا۔ کرنل کی طبیعت آج خاصی بہتر نظر آتی تھی۔ بہرصورت تھوڑی دیر کے بعد نرس وہاں پہنچ گئی اور میں نے اجازت طلب

کرلی۔ کرنل کے کمرے سے نکل کر میں اپنی رہائش گاہ واپس آگیا اور یونہی سرسری طور پر حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ شام ہوگئی' رات کے کھانے پر ہما موجود نہیں تھی۔ یقیناً اپنے کمرے میں ہوگی۔ میں نے سوچا لیکن بیگم جہانگیر سے اس موضوع پر بات ہوئی تو پتہ چلا کہ ہما سرشام ہی سے غائب ہے اور میں چونک پڑا۔

"کہاں چلی گئی؟" میں نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں!" بیگم جہانگیر گہری گہری سانسیں لے کر بولیں۔

"کیا مطلب .... کیا آپ کو تشویش نہیں ہے؟"

"نہیں!" بیگم جہانگیر نے عجیب سے انداز میں جواب دیا۔

"کیوں؟"

"اکثر وہ چلی جاتی ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں ماری ماری پھرتی رہتی ہے اور پھر خود ہی واپس آجاتی ہے۔ کئی بار ایسا ہوچکا ہے!"

"تعجب کی بات ہے چچی جان! اس کی ذہنی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اسے نظرانداز نہیں کرسکتے"۔

"میں عاجز ہوں' میں جتنی پریشان ہوں تم اندازہ نہیں لگا سکتے نعمان! میں تو اس بات پر ہی شرمندہ ہوں کہ یہاں آکر تم ہماری الجھنوں کا شکار ہوگئے' ہم تو نہ جانے کون سی مصیبتوں کا شکار ہیں"۔

"بیگم جہانگیر کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ میں نے ہمدردی سے انہیں دیکھا۔

"لیکن چچی جان! ان سب کے باوجود ہم ہما کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ وہ کہیں چلی جاتی ہے لیکن آپ نے اس کے لئے لوگوں کو بھی تو مقرر کر رکھا ہے"۔

"وہ انتہائی چالاکی سے انہیں دھوکہ دے کر نکل جاتی ہے۔ وہ ہروقت اس کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ میں نے خاص طور پر لوگوں کو اس کے لئے ملازم رکھا ہے لیکن وہ انہیں آسانی سے چکر دے لیتی ہے۔ اس وقت بھی وہ ہمارے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہما اندر موجود تھی۔ لیکن پھر جب اسے کسی کام سے تلاش کیا گیا تو وہ موجود نہیں تھی اور عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی"۔

"کیا یہ بات چچا جان کو معلوم ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں انہیں کہاں' کہاں پریشان کروں۔ ابتداء میں ایک دوبار میں نے انہیں بتایا تھا

لیکن اس کے بعد جب وہ واپس آگئی تو میں نے یہ بتانا چھوڑ دیا"۔ بیگم جہانگیر نے جواب دیا۔

"میں بیگم جہانگیر کی بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ حالات بعض اوقات اس حد تک بھی لے جاتے ہیں کہ انسان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کرے؟ لیکن مجھے تشویش رہی۔ بیگم جہانگیر سے میں نے کچھ نہیں کہا لیکن اپنے طور پر ہما کو تلاش کرتا رہا۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے وہ کوٹھی کے کسی حصے میں موجود ہو لیکن کوٹھی میں ہما کا کوئی نشان نہیں مل سکا تھا۔

رات کو تقریباً ایک بجے میں پھر باہر نکل آیا۔ ایسے راستوں پر جہاں کسی کے ملنے کے امکانات نہیں تھے' میں آرام سے چلتا رہا۔ اگر کوئی نظر آجاتا تو میں نیند میں چلنے کی اداکاری کرسکتا تھا لیکن اس کی ضرورت نہیں پیش آئی اور میں نے تقریباً پوری کوٹھی کا گشت کرلیا۔ پھر شرارتاً میں کرنل جہانگیر کی رہائش گاہ کی طرف جانکلا۔ مجھے یقین تھا کہ چوکیدار نما نرس یا نرس نما چوکیدار باہر موجود ہوگی لیکن جونہی میں اس طرف پہنچا' کرنل جہانگیر کی خواب گاہ کے دروازے کو دیکھ کر چونک پڑا۔ نرس دروازے کے نزدیک اوندھی پڑی تھی۔ دوسرے لمحے میں نے اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ نرس کے سر کی پشت سے خون بہہ رہا تھا اور کرنل جہانگیر کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس وقت نرس کی تیمار داری کی بجائے کرنل جہانگیر کی خبرلینا ضروری تھا۔ چنانچہ میں برق رفتاری سے اندر داخل ہوگیا۔ اندر کی حالات حال واقعی خوفناک تھی۔ کرنل جہانگیر کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور ہما ان کے سامنے پستول تانے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول میں سائلنسر لگا ہوا تھا۔

صورت حال کی تفتیش کے بجائے اس پر قابو پانا ضروری تھا' اس لئے میں بے آواز آگے بڑھا اور ایک جچا تلا ہوا ہاتھ ہما کے پستول والے ہاتھ پر مارا۔ پستول فضا میں اچھل گیا اور میں نے اسے اطمینان سے لپک لیا۔ ہما غرائے انداز میں پلٹی اور پھر اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی۔ وہ کسی وحشی شیرنی کی مانند میرے اوپر جھپٹ پڑی اور مجھے مجبوراً اس کی کنپٹی سہلانی پڑی۔ میرے ایک ہی ہاتھ میں وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی اور پھر وہ میرے بازو میں جھول گئی۔ اسے احتیاط سے نیچے لٹانے کے بعد میں کرنل کی جانب متوجہ ہوا' گولی نے صرف کرنل کے بازو کی کھال ادھیڑدی تھی اور سرہانے کے تکئے

میں پیوست ہو گئی تھی۔ میں نے زخم دیکھا اور پھر کرنل کے نزدیک پڑی ہوئی چادر سے ایک پٹی پھاڑ کر کرنل کے بازو پر کس دی۔ کرنل اس وقت بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ میں نے انہیں پانی پلایا اور اطمینان سے لٹا دیا۔ کرنل نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"کیا آپ بہت زیادہ کمزوری محسوس کر رہے ہیں؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں حواس باختہ ہوں"۔

"خود کو سنبھالئے۔ یہ صورت حال میری سمجھ میں نہیں آئی"۔

"اب تو بار بار تقدیر کا نام لیتے ہوئے بھی شرم آنے لگی ہے میں جن حالات کا شکار ہوں' وہ یقیناً مجھے خودکشی تک لے جائیں گے!"

"نہیں کرنل! آپ فوجی ہیں اور فوجی اتنے کم ہمت نہیں ہوتے!"

"ہوں"۔ کرنل نے گہری سانس لی۔ "جانتے ہو وہ مجھ سے کیا کہہ رہی تھی؟" کرنل نے سوال کیا۔

"جاننا چاہتا ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔

"وہ کہہ رہی تھی فائل کا دوسرا حصہ کل شام تک اسے مہیا کر دیا جائے ورنہ وہ مجھے گولی مار دے گی اور اس نے ثبوت کے طور پر میرا بازو زخمی کر دیا"۔

"اوہ"۔ میں گہری نگاہوں سے کرنل کا جائزہ لینے لگا جو آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"لیکن کرنل! کیا اس بات پر آپ کو تعجب نہیں ہے؟" میں نے چند ساعت کے بعد پوچھا۔

"کیا مطلب؟" کرنل نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔

"ذہنی توازن بگڑ جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ آدمی کسی مخصوص لائن پر کام شروع کر دے۔ میرا مطلب ہے کہ ہما ان لوگوں کے آلہ کار کی حیثیت سے ہی کام کر رہی ہے۔ اگر آپ کو خوفزدہ کرنے کے لئے انھوں نے ہما کا ذہنی توازن خراب کر دیا تو اس کے بعد یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ اس ذہنی توازن کی خرابی کے باعث آپ سے اس کام کا مطالبہ بھی کرے جو آپ کے دشمن چاہتے ہیں!"

"ہاں یہ نکتہ تم نے مجھے سمجھایا ہے' مجھے تو ابھی تک غور کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا"۔

"ایک اطلاع اور دوں آپ کو!" میں نے کرنل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور کرنل مجھے بے بسی سے دیکھنے لگا۔ "ہما شام سے غائب تھی۔ رات کو کھانے تک وہ نہیں پہنچ سکی تھی۔ میں نے بیگم جہانگیر سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اکثر اس طرح غائب ہو جاتی ہے۔ میں نے پوچھا کیا اس بات کی اطلاع کرنل جہانگیر کو دی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کی پریشانیوں میں کہاں تک اضافہ کروں۔ ہما غائب ہو جانے کے بعد خود ہی پراسرار طور پر کوٹھی میں واپس پہنچ جاتی ہے"۔

"اوہ .... اوہ........... اس کا مطلب ہے........... اس کا مطلب ہے"۔

"مطلب کچھ بھی ہے کرنل جہانگیر! بس اب آپ میری ہدایات پر عمل کریں!" میں نے مضبوط لہجے میں کہا اور کرنل جہانگیر کے چہرے پر امید کی ایک کرن نمودار ہو گئی۔ نہ جانے میرے اس لہجے سے انہیں کیا تقویت ملی تھی۔ "کہو........... کہو........... انہوں نے گہری گہری' سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہما کی نگرانی سخت کر دی جائے۔ اسے ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا جائے جو اس سے رحم کا سلوک نہ کریں' اسے کمرے میں قید رکھا جائے۔ کمرے میں ہی کھانے پینے کی چیزیں دی جائیں اور صرف کسی ایسے اقدام سے باز رکھا جائے جو اس کی ذات کو نقصان پہنچا سکے۔ ورنہ ہر قیمت پر اسے کمرے میں ہی رہنا چاہئے اور اگر وہ کمرے سے باہر نکلی تو میں نہیں کہہ سکتا کرنل! کہ آپ کو کن حالات سے واسطہ پڑے"۔

"میں ہدایات جاری کر دوں گا بے شک اب وہ اپنے کمرے سے نہیں نکل سکے گی!" کرنل نے جواب دیا۔

"بس یہ ضروری ہے؟"

"لیکن کیا تم کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہو؟"

"کرنل ابھی میں اس کا اظہار ضروری نہیں سمجھتا۔ ہما کے بارے میں بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ ویسے اس بات کا تو آپ کو یقین ہے کہ وہ کسی طور بہک نہیں سکتی!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میرے بیٹے! تم خود سوچو ہما کیا ہے اور میں اس کے لئے کیا ہوں لیکن تقدیر ان دنوں ہم سے بڑے خطرناک مذاق کر رہی ہے"۔ کرنل نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے کرنل! آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں' ہاں بازو کے زخم کی کیا کیفیت

ہے؟"

"زخم تو کوئی خاص گہرا نہیں ہے لیکن سینے کے زخم بہت گہرے ہیں"۔

"آپ خود کو سنبھالیں' اگر آپ نہ سنبھل سکے تو دشمنوں کی کامیابی یقینی ہے۔ اس وقت آپ کی آہنی قوت ہی دشمنوں کو شکست دے سکتی ہے۔ میں دل و جان سے آپ کے ساتھ ہوں۔ زخم کے لئے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے فرمادیں' نرس تو باہر بے ہوش پڑی ہے"۔

"کیا مطلب؟" کرنل چونک کر بولا۔

"اس بیچاری کا سر بھی پھاڑ دیا گیا ہے!"

"اوہ.......... اوہ..........!" کرنل نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ بہرصورت میں نے انہیں اسی حالت میں چھوڑا اور باہر آکر بے ہوش نرس کو اٹھایا' اور اندر لے گیا۔ اس کے سر کا زخم صاف کر کے پٹی باندھ دی۔ اس سے زیادہ میں کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کرنل نے اسے بستر پر لٹانے کے لئے کہا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے بستر پر لٹا دیا۔ کرنل کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"اب بتاؤ۔ اب میں کیا کروں؟"

"اس عمارت میں آپ کے دشمنوں کی آلہ کار صرف ہما ہے کرنل! اور ہما کو کسی طور انہوں نے اپنے زیر اثر لے رکھا ہے۔ میرے خیال میں آپ صرف ہما پر نگاہ رکھیں۔ آپ اتنی ذمہ داری قبول کریں کرنل! باقی حالات میں دیکھ لوں گا"۔

"تم بڑے اعتماد سے یہ بات کہہ رہے ہو"۔

"ہاں کرنل! آپ کو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں رکھوں گا۔ کسی بہت اہم نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ آپ محفوظ ہیں"۔

"کک.......... کیا مطلب؟"

"وہ نہ تو آپ کو قتل کرسکتے ہیں اور نہ دیگر کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بس ہما کو ان کے ہتھے نہ چڑھنے دیں"۔

"لیکن خود ہما' اگر اس کا نشانہ ذرا سا چوک جاتا تو.........."

"نہیں چوکتا کرنل! وہ صرف دھمکی تھی جسے شدید کرنے کے لئے آپ کو معمولی سا زخمی کر دیا گیا"۔

لیکن پھر وہی سوال آجاتا ہے شہاب بیٹے ہما!"

"آپ کی تسلی کے لئے صرف اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ ہما کو ہپناٹائز کیا گیا ہے' وہ تنویمی عمل کے تحت کام کر رہی ہے اور اس کی عارضی گمشدگی اس بات کا ثبوت ہے"۔

میں نے کہا اور کرنل جہانگیر ایک بار پھر اچھل پڑا۔ کیا تمہیں یقین ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہما کی ذہنی حالت بھی صرف اس تنویمی کیفیت کے تحت منتشر ہے شاید اس لئے کہ وہ ان لوگوں کی نشاندہی نہ کرسکے۔ جن اوقات میں آپ اسے درست سمجھتے ہیں۔ ان اوقات میں بھی وہ بالکل درست کیفیت میں نہیں ہوتی"۔

"لیکن پھر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ دور بیٹھ کر ٹیلی پیتھی کے ذریعہ اپنے خیالات اس کے ذہن تک نہیں پہنچا سکتے ہیں تو اسے بلانے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے"۔

"اپنے پیشے کی ضرورت کے تحت میں نے اس علم کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل کی ہیں۔ کرنل! میں زیادہ نہیں جانتا۔ ممکن ہے کوئی مخصوص ہدایت دینے کے لئے معمول کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہو۔ بہرحال یہ تو کوئی ماہر ہی بتا سکتا ہے"۔

"درست کہتے ہو' تب میں ایک اور کام کیوں نہ کروں"۔ کرنل پر خیال انداز میں بولا۔

"کیا؟"

"کیوں نہ کچھ عرصہ کے لئے ہما کو کہیں بھجوا دوں۔ میرا مطلب ہے یہاں سے کہیں دور.........؟" کرنل نے کہا اور میں اس بارے میں سوچنے لگا پھر میں نے گردن ہلا کر کہا۔ "نہیں کرنل! یہ مناسب نہیں ہوگا۔ یا تو آپ ہما کو کسی ایسے ماہر کے حوالے کریں جو اس کی ذہنی کیفیت درست کرسکے۔ ورنہ پھر یہیں رہنے دیں۔ اگر ہمارے اندازے کے مطابق ہما تنویمی کیفیت کے زیر اثر ہے تو وہ جہاں ہوگی' اسے طلب کیا جاسکتا ہے اور دوسرے لوگ اس کی بہتر حفاظت نہیں کرسکیں گے۔ دوسری بات یہ کہ ہما سے مایوس ہو کر وہ لوگ فوری طور پر دوسرے اقدامات کریں گے اور انہیں یہ احساس بھی ہو جائے گا کہ ان کے خلاف موثر طور پر کام ہو رہا ہے جب کہ اس وقت وہ مطمئن ہیں' انہیں دھوکے میں رہنا چاہئے"۔

کرنل سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ بھی درست ہے!"

"بس آپ ہما کو قید کر دیں اور اس پر بھرپور نگاہ رکھی جائے"۔

"ٹھیک ہے جب تک تقدیر کی گردش ہے، بھگتنا پڑے گی۔ تم کل جا رہے ہو؟"

"ہاں آپ اس چھوٹے سے مسئلے کو سنبھال لیں اور مجھے اپنے کام پر کام کرنے دیں۔ ہاں زبیر سے گفتگو ہوئی تھی؟"

"ہاں وہ تمہارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہے بلکہ بے چین ہو گیا ہے؟"

"کوئی تعرض نہیں کیا اس نے؟"

"نہیں بلکہ وہ تم سے خوش ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اسے تمہارے خلوص کا ثبوت مل گیا ہے۔ تم نے شاید اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی"۔

"اوہ، تو یہ تلاشی میرے خلوص کا ثبوت ہے!" میں نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا۔

"ہاں، کہنے لگا بے ہوشی کی آڑ میں تم نے ابتدائی صحیح لائنوں پر کام شروع کیا ہے۔ ضروری تھا کہ گھر میں موجود لوگوں کے بارے میں اطمینان کیا جائے۔ بس اس بات پر اس کا خیال ہے کہ تم صحیح آدمی ہو!"

"ہوں!" میں نے مختصراً کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر کرنل سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔ بقیہ رات آرام سے گزری۔

دوسری صبح زبیر خان خود ہی میرے پاس پہنچ گیا تھا۔ "میں نے بیگم صاحبہ سے اجازت لے لی ہے کہ آج ناشتہ تم میرے ساتھ کرو گے!"

"شکریہ زبیر خان! بیٹھو"۔

"نہیں بس تیار ہو جاؤ۔ میرے کمرے میں چلو ناشتہ تیار ہے"۔

اس نے نرم لہجے میں کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ہاتھ منہ دھو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور زبیر خان کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

"آج تم اس بستر پر جوتوں سمیت بھی بیٹھ جاؤ تو مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔ میں بس اسی قسم کا آدمی ہوں جس سے متاثر ہوتا ہوں اس کی ہر ادا مجھے پیاری لگتی ہے!"

"ہاں یار.......... تم ذہین آدمی ہو.......... باریک بیں نگاہ کے مالک اور تیز سوچ رکھنے والے۔ اس رات تم نے جوتے نہیں پہنے تھے۔ نیند میں چلنے والے عموماً ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ یہ تمہاری ذہانت کا ثبوت ہے جب کہ درحقیقت تم نیند میں نہیں بلکہ ہوش و حواس کے عالم میں چل دیئے تھے اور یہ ایک بہترین کوشش تھی تاکہ

اگر دیکھ بھی لئے جاؤ تو شبہ نہ ہو سکے۔ دوسری بات یہ کہ تم نے میرے کمرے کی تلاشی اتنے خوبصورت انداز میں لی کہ مجھے گمان بھی نہیں ہو سکا۔ وہ تو بس ایک اتفاق سے میرا ذہن اس طرف متوجہ ہوا اور یقین کرو اسی وقت سے میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہوا"۔ زبیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلو شکر ہے زبیر خان! یوں بھی اب ہمیں ایک ساتھ رہ کر کام کرنا ہے!" میں نے جواب دیا۔

"ارے کام کرنے کا صحیح لطف اب آئیگا! زبیر خان نے جواب دیا۔ اسی وقت ناشتہ آگیا جو روزانہ کے ناشتوں سے مختلف تھا۔ زبیر خان بسیار خور تھا۔ کئی بھنی ہوئی رانیں، مکھن کا پورا پیالہ، خالص دودھ وغیرہ۔ اس نے مجھے ناشتہ شروع کرنے کا اشارہ کیا"۔

"یہ ناشتہ ہے؟" میں نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"اوہ! ہاں ذرا مختلف ہے، لیکن میں تو غیر ممالک میں بھی اپنی ہی طرز کا ناشتہ کرتا تھا اور نازک اندام انگریز حیران رہ جاتے تھے۔ زبیر خان نے ایک ران ادھیڑتے ہوئے جواب دیا۔ بہرحال لذیذ چیزیں تھیں۔ میں بھی اس کے ساتھ شریک ہو گیا۔

"تمہاری خوراک پر مجھے اپنا ساتھی یاد آ رہا ہے!"

"کون شارق؟"

"ہاں!"

"بہت مختصر ملاقات رہی اس سے، لیکن پہلی ہی نگاہ میں متاثر کرنیوالا آدمی تھا۔ نہ جانے کس جال میں پھنس گیا بے چارہ!"

"اسے بھی تلاش کریں گے!" میں نے کہا۔

"ضرور تلاش کریں گے۔ اب تو خان جلال کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا موقع آیا ہے۔ دیکھو دوست! تمہیں دل کی کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ یقین کرنا نہ کرنا تمہاری مرضی ہے لیکن میرے سامنے میری باتوں کو جھوٹ سمجھنے کا اظہار مت کرنا۔ دل ہی دل میں جو چاہو سمجھنا۔ ہر انسان کے ساتھ ایک کمزوری ضرور ہوتی ہے"۔

"وہ کیا زبیر خان؟" میں نے پوچھا۔

"تھوڑی سی اپنائیت کا احساس ہونے پر دل کی بات کہہ دینے کی کمزوری۔ کیا خیال ہے؟"

"متفق ہوں تم سے!" میں نے جواب دیا۔

"بس میں بھی اسی کیفیت کا شکار ہوں۔ دراصل میری زندگی کا مسلک خان جلال سے انتقام لینا ہے۔ اس نے ہمیں بہت پیسا ہے' زیادہ عرصہ قبل کی بات نہیں ہے۔ میرا باپ تراب خان ترائی کے علاقے کا سب سے بڑا آدمی تھا۔ ہمارے ہاں پشتوں کی دشمنی چلتی ہے۔ کسی پشت میں ہمارے خاندان کے کسی فرد نے جلال خان کے خاندان کے کسی شخص کو قتل کر دیا تھا اور جلال خان کے دل میں اس کی آگ بھڑک رہی تھی۔ یورپ سے واپسی پر اس نے اپنی کارروائی شروع کر دی۔ میرا باپ سادہ فطرت کا انسان تھا۔ جلال خان نے پہلے تو کوشش کر کے ہماری زمینداری ختم کی اور میرے باپ کی سادگی سے فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ ہم دربدر پھرنے لگے۔ لیکن میرا سادہ لوح باپ جلال خان کے دل کا راز نہیں پاسکا۔ پھر جب ہم زندگی کی الجھنوں میں پھنس کر رہ گئے تو جلال خان نے میرے باپ کو قتل کر دیا۔ میں اس وقت ملک سے باہر تھا۔ طویل عرصہ کے بعد مجھے اس کی اطلاع ملی"۔

"اوہ!" میں نے زبیر خان کے خاموش ہونے پر گردن ہلائی۔ "کرنل جہانگیر سے تمہارے تعلقات کب سے ہوئے"۔

"اس وقت میں یہیں تھا۔ پریشانی کے دور میں میرے باپ کو کرنل کے ہاں نوکری کرنا پڑی لیکن کرنل عظیم انسان ہے۔ جب انہیں ہماری حیثیت معلوم ہوئی تو انہوں نے ہمیں ہمارے شایان شان مقام دیا اور اتنے احترام سے نوازا کہ ہمارا رواں رواں ان کا شکر گزار ہے۔ انہوں نے مجھے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھجوایا تھا!"

"تمہیں کس طرح پتہ چلا کہ جلال خان نے تراب خان کو قتل کرایا؟"

"میری ماں نے مجھے بتایا تھا!"

"اوہ' تمہاری ماں کہاں ہے زبیر خان؟"

"ان کا بھی انتقال ہوگیا!" زبیر خان نے جواب دیا اور میں ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد زبیر خان نے پھر کہا۔ "کرنل جہانگیر کی الجھن رفع کرنا میری ذمہ داری ہے۔ میں زندگی کی قیمت پر بھی ان کی الجھنوں کا حل تلاش کروں گا۔ لیکن جب سے یہ بات میرے علم میں آئی ہے کہ خان جلال بھی اس میں ملوث ہے' میں اپنی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ ہم لوگ.......... ہم لوگ دنیا کے کسی خطے

تک پہنچ جائیں' ہماری رگوں میں رواں خون ہمارا ہی رہتا ہے۔ یقین کرو میرے دوست! یورپ میں لڑکیاں کتیوں کی طرح میرے پیچھے لگی رہتی تھیں' ان میں سے چند مجھے پسند بھی تھیں' لیکن میں نے کبھی اپنا خون تقسیم نہیں کیا۔ کیونکہ اس خون میں چند خوبیاں ہیں۔ یہ خون میری رگوں میں میرے خاندان کی امانت ہے۔ ہم اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتے اور دوست سے دغا نہیں کرتے۔ کرنل جہانگیر ہمارا محسن ہے اور خان جلال ہمارا دشمن.......... میں نے تمہیں شبہہ کی نگاہ سے صرف اس لئے دیکھا کہ کرنل کو تمہاری ذات سے نقصان نہ پہنچے اور تم نے بھی مجھے شبہے کی نگاہ سے دیکھا۔ بس میری غلط فہمی دور ہوگئی۔ چاہو تو میری دوستی قبول کرلو!"

"ٹھیک ہے' زبیر خان' میں تمہارا دوست ہوں اور آج سے ہمارے راستے یکجا ہوگئے ہیں۔ جلال خان اس کیس میں ملوث ہو یا نہ ہو' وہ ہم دونوں کا دشمن ہے"۔ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا اور زبیر خان نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"وہ یہاں کا بہت بااثر انسان ہے۔ بے تاج شہنشاہ بن گیا ہے لیکن ہم اس سے اس کا تخت چھین لیں گے!"

"کرنل کا معاملہ نمٹانے کے بعد!" میں نے کہا۔

"بالکل!" زبیر خان نے جواب دیا۔ اس دوران ناشتہ جاری تھا۔ میں تو تھوڑی ہی دیر میں فارغ ہوگیا تھا لیکن زبیر خان نے برتنوں کی صفائی ضروری سمجھی تھی۔ چنانچہ وہ مصروف رہا اور سب کچھ ختم کر کے ہی دم لیا۔

"ہاں اب بتاؤ۔ پروگرام کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کرنل جہانگیر نے تمہیں رات کا واقعہ بتایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہما والا؟"

"ہاں"۔

"میں بے بی کے لئے سخت پریشان ہوں۔ اگر اس کی عزت پر کوئی داغ آیا تو میرے لئے خودکشی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ لیکن.........."

"وہ لوگ کرنل کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر اقدام کر سکتے ہیں۔ ہمیں ہر بات پر نگاہ رکھنا ہوگی"۔

"تم اسے کہیں بھجوانے کی مخالفت کیوں کر رہے ہوں"۔

"کرنل نے تمہیں اس کی وجہ بھی بتا دی ہوگی۔ کیا وہ نئے سرے سے کوئی اقدام نہیں کریں گے؟ ابھی تو ہمیں معلوم ہے کہ ان کی کارروائی کا ذریعہ کیا ہے لیکن اس کے بعد ہمیں نئے سرے سے مصروف ہونا پڑیگا"۔

"ہاں تمہارا یہ خیال درست ہے لیکن ایک بات اور سوچ لو۔ وہ یہ کہ کیا ان حالات میں ہمارا یہ عمارت چھوڑنا مناسب ہوگا؟"

"عمارت میں محدود رہ کر تو ہم کوئی کارروائی نہیں کرسکتے"۔

"لیکن خان جلال تو صرف ایک مفروضہ ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ پس پشت وہی ہو۔ اس کے علاوہ کرنل جہانگیر کی مدد کئے بغیر اگر ہم خان جلال کے چکر میں الجھ گئے تو پھر کرنل تنہا رہ جائے گا اور وہ لوگ"۔

"ہوں، یہ خیال بھی درست ہے لیکن اس کے باوجود خان جلال کا جائزہ لینا ضروری ہے"۔

"میرا خیال ہے ہم کرنل سے بھی گفتگو کرلیں"۔

"مناسب بات ہے، آؤ"۔ میں نے کہا اور ہم دونوں اٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد ہم کرنل کے سامنے بیٹھے تھے۔ کرنل نے ہماری بات سنی تھی اور غور کر رہا تھا پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ "تم دونوں کو اس بات کا یقین ہے کہ بظاہر ہما کے علاوہ ان کا اور کوئی کارکن اس عمارت میں موجود نہیں ہے؟"

"ہاں کرنل آپ نے لفظ بظاہر مناسب استعمال کیا ہے۔ بظاہر واقعی یہاں اور کوئی محسوس نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے جیسا کہ میں نے آپ سے کہا کہ اگر انہوں نے ہما کو ٹرانس میں لے لیا ہے تو اس کے بعد انہوں نے یہاں کسی اور کی موجودگی ضروری نہیں سمجھی ہوگی۔ یوں بھی وہ لوگ محتاط تو ہوں گے ہی اور اپنے کسی آدمی کو یہاں نہیں چھوڑیں گے تاکہ ان کا راز نہ کھل سکے"۔

"تب ٹھیک ہے"۔ کرنل گہری سانس لے کر بولا۔ "میں تمہاری غیرموجودگی میں حالات سے نمٹنے کی کوشش کروں گا اور اس کا بہتر ذریعہ یہی ہے کہ اگر دوبارہ مجھ سے اس فائل کا مطالبہ کیا جائے تو میں ان سے ایسی گفتگو کروں جیسے میں نے شکست تسلیم کرلی ہو۔ لیکن مجھے ایک بات اور بتاؤ"۔

"ضرور پوچھئے کرنل؟"

"خان جلال کی سیرگاہ میں جا کر تم لوگ کرو گے کیا؟"

"بس اس شبہے کا جائزہ لیں گے کہ کیا اس کیس میں خان جلال کا براہ راست کوئی ہاتھ ہے یا نہیں"۔

"کس طرح؟" کرنل نے سوال کیا۔

"یہ بات تو وہاں جانے کے بعد ہی مناسب طور پر معلوم ہو سکے گی۔ فی الوقت ہمارے سامنے کوئی خاص طریقہ کار نہیں ہے۔ ہم خان جلال سے چھیڑ چھاڑ کریں گے اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات میں سے اپنے لئے راستہ نکالیں گے"۔

"ٹھیک ہے"۔ کرنل نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کے علاوہ کیا کیا جاسکتا ہے۔ کوئی ایسا راستہ تو ہے نہیں جس پر ہم آگے بڑھیں اگر خان جلال پر شبہ ہے تو سب سے پہلے اسے اس شبہے کو ٹٹولیں گے اور میرا خیال ہے یہی طریقہ کار مناسب بھی ہے۔ تم لوگ بے فکر ہو کر جاؤ اور اپنا کام انجام دو۔ میں یہاں حالات پر قابو پانے کی کوشش کروں گا اور اس کے لئے مجھے کسی قدر بہتر طبیعت کا مظاہرہ کرنا پڑے گا"۔

کرنل جہانگیر کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم دونوں وہاں سے نکل آئے۔ کرنل کو اسی وقت خدا حافظ کہہ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ہم آخری تیاریوں کے لئے زبیر خان کی خواب گاہ ہی میں آ گئے۔ زبیر خان گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب میں تمہیں نعمان کے نام سے مخاطب نہیں کروں گا۔ میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جو ابتداء سے تمہاری حقیقت جانتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ میرا نام شہاب ہے"۔

"تو ڈیئر شہاب یہ بتاؤ ہم وہاں کس حیثیت سے داخل ہوں گے؟"

"ظاہر ہے کرنل جہانگیر کے آدمیوں کی حیثیت سے نہیں"۔

"یقیناً، لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارا کچھ پس منظر بھی ضرور ہونا چاہئے"۔

"الفراز کے علاوہ یہاں اور کوئی ایسا ہوٹل موجود ہے جو معیاری ہو؟"۔ میں نے سوال کیا۔

"ہاں کئی ہیں۔ مثلاً کیلی فورنیا، جدید ترین ہوٹلوں میں سے ہے"۔

"سیر و شکار کے لئے گھوڑوں کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں۔ بہرحال یہ میرا علاقہ ہے۔ یہاں میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔

لیکن........"

"دو لاابالی قسم کے سیاح جو حسن پور آکر ٹھہرے اور اس کے قرب و جوار کی سیر کی۔ کیا خیال ہے؟" میں نے زبیر خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور زبیر خان گردن ہلانے لگا۔ پھر اچانک مسکرا پڑا۔ "عمدہ ترکیب ہے اور یہ سیاح کسی پہاڑی علاقے کے باشندے ہی ہوں گے"۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

"آسانی بھی ہے۔ میں شام تک لباس اور دوسری چیزوں کا بندوبست کرلوں گا۔ آج کا دن اور ضائع کرکے سیرگاہ کا رخ کریں گے۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟"

"نہیں کیا حرج ہے؟" میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد زبیر خان چلا گیا۔

شام کو تقریباً پانچ بجے ہم لوگ مخصوص لباس پہن کر کوٹھی کے عقبی دروازے سے باہر نکل آئے۔ یہ لباس زبیر خان نے مہیا کئے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں چمڑے کے سوٹ کیس تھے، جسم پر لمبی پوستین اور بڑے بالوں والی ٹوپیاں، جو موسم کے لحاظ سے مناسب تھیں۔ یہ لباس یوں بھی خاص سردی والے علاقوں میں پہنا جاتا ہے بہرحال ہمیں خاصی دور تک پیدل چلنا پڑا۔ تب کہیں جاکر ٹیکسی ملی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر ہم ہوٹل چل پڑے۔

ہوٹل کیلی فورنیا بلاشبہ بہترین ہوٹلوں میں سے تھا، یقینی طور پر یہ الفراز سے زیادہ خوبصورت تھا۔ بہرصورت مجھے یہاں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں اس لئے میں الفراز میں ہی ٹھہرا تھا۔ ہوٹل کیلی فورنیا میں داخل ہوکر مجھے احساس ہوا کہ یہ ہوٹل یہاں کے بہترین ہوٹلوں میں سے ہوگا۔ ہوٹل میں بے شمار غیرملکی تھے اور یقیناً یہ تیل کالونی کی وجہ سے تھے۔ ہمیں بھی ایک خوبصورت کمرہ مل گیا۔ دوسری منزل پر تھا اور عقبی منظر خاصا حسین تھا۔ کمرے میں ٹھہرنا تو صرف ایک ضرورت کے تحت تھا چنانچہ موسم کی طرف کون توجہ دیتا، یہ رات ہم نے ہوٹل ہی میں گزاری۔ دوسری صبح زبیر خان گھوڑوں کا انتظام کرنے چلا گیا۔ دوسری تمام چیزیں مہیا کرلی گئی تھیں جن میں عمدہ ساخت کے دو پستول بھی تھے۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے زبیر خان واپس آیا اور مسکراتا ہوا بولا۔

"سارے انتظامات مکمل ہوگئے ہیں دوست! اور میرا خیال ہے دوپہر کے کھانے کے بعد ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے"۔

"کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں کیا خیال ہے زبیر خان؟" میں نے سوال

کیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سیرگاہ کے باغات پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور کبھی کبھی انسان کو پھلوں پر بھی گزارا کرنا چاہئے اور پھر ہم تو خان جلال کے مہمان ہوں گے"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

آخرکار سیرگاہ کا سفر شروع ہوگیا۔ گھوڑے بے حد شاندار تھے۔ زبیر خان نے تشویش کی نگاہ سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "اوہ شہاب، تمہیں گھوڑے کی سواری آتی ہے؟ میں یہ پوچھنا تو بھول ہی گیا تھا۔ اور میں نے جواب میں مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی پھر وہ جگہ آگئی جہاں بورڈ لگا ہوا تھا۔ کافی بڑا بورڈ تھا اور مضبوط بلیوں پر نصب تھا لیکن اس جگہ زبیر خان نے گھوڑا روکا، نیچے اترا اور بے مثال قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے دونوں بلیاں اکھاڑ کر پھینک دیں اور بورڈ کی چادر کو درمیان سے پھاڑ دیا۔ یہ گویا خان جلال کی پہلی توہین تھی۔ میں دلچسپ نگاہوں سے زبیر خان کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ پھر ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی تھوڑی دیر تک تو درختوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ہم درختوں کی دوسری سمت نکل آئے۔ تاحد نگاہ سرسبز گھاس کے میدان نظر آ رہے تھے۔ بہت طویل علاقہ تھا۔ ہم میدان میں سفر کرتے رہے۔ درختوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو زبیر خان نے کہا۔ "اب خان جلال کا خاص علاقہ شروع ہوگیا ہے"۔

"تمہیں کیسے معلوم، کیا اس طرف آئے ہو؟"

"بچپن میں یہ علاقہ ہمارا تھا۔ خان جلال نے اس میں تبدیلیاں ضرور کرالی ہیں لیکن اپنی زمین کو کون بھول سکتا ہے"۔

"ہوں........" میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک ہم دونوں خاموش رہے۔ پھر میں نے کہا۔ "ایک نصیحت کروں زبیر خان"۔

"ضرور"۔ زبیر خان نے بے اختیار مسکرا کر کہا۔

"لومڑی کو مکاری سے مارنا چاہئے زبیر خان! مجھے یاد ہے تم نے فون پر مجھ سے اپنا تعارف کرایا تھا اور جلال خان کو دھمکی دی تھی"۔

"ہاں مجھے یاد ہے"۔

"لیکن اب تمہیں بھولنا ہوگا کہ تم زبیر خان ہو"۔

"سمجھتا ہوں دوست، جس نسل کے ساتھ میں نے زندگی کے بہت سے سال

گزارے ہیں اس نے مجھے مکاری بھی سکھائی ہے"۔ زبیر خان نے ہنستے ہوئے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ابھی تک ہمیں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ خان جلال اور اس کے آدمیوں کو وہم و گمان بھی نہیں ہوگا کہ کوئی اس علاقے میں آنے کی جرات کر سکتا ہے۔ ہم نے کافی طویل سفر کر لیا تھا۔ درختوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہونے سے پہلے ہم لوگ رک گئے اور زبیر خان نے تجویز پیش کی کہ یہاں تھوڑی دیر تک آرام کر لیا جائے۔ ممکن ہے اس کے بعد کسی جدوجہد کا آغاز ہو جائے۔ چنانچہ اس کے ایماء پر میں گھوڑے سے اتر گیا۔ گھوڑوں کو ہم نے گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور خود آرام کرنے لگے۔

"سوال یہ ہے زبیر خان کہ اگر خان جلال کے آدمی ہم تک پہنچ جاتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ کیا سلوک کریں؟"

"تم بتاؤ میرے دوست!" زبیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے تھوڑا سا اندر جانے کے لئے ہمیں ذرا سی مفاہمت سے کام لینا ہوگا"۔

"ٹھیک ہے تمہارے اقدامات پر عمل کروں گا"۔ زبیر خان نے جواب دیا اور میں کسی قدر مطمئن ہو گیا۔ میرا خیال تھا یہ سرکش گھوڑا مشکل ہی سے رام ہوگا اور بعض معاملات میں اسے قابو میں کرنا مشکل ہو جائے گا۔ یوں بھی بظاہر تو اس نے وعدہ کر لیا تھا لیکن اب دیکھنا یہ تھا کہ دشمن کے سامنے آنے کے بعد زبیر خان جیسے خونخوار انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ بہرصورت تقریباً دو گھنٹے تک ہم نے آرام کیا۔ گھوڑے بھی گھاس کھا کر شکم سیر ہو گئے تھے اور اب ایک جگہ سر میں سر دیے خاموش کھڑے تھے۔

تب زبیر خان نے کہا۔ "ہمیں تھوڑا بہت سفر اور کر لینا چاہئے۔ رات جنگلوں میں ہی ہوگی"۔

"جلال خان کی قیام گاہ کے بارے میں جو سنا تھا وہ کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ تو میں نے بھی نہیں دیکھی۔ بہرصورت ممکن ہے انہی جنگلوں میں کسی جگہ ہو یا اس کے بعد جو علاقہ شروع ہوتا ہے وہاں ہو"۔

"یہ علاقہ ہے کتنا طویل؟" میں نے سوال کیا۔

"انتہائی طویل۔ دور تک چلا گیا ہے۔ اتنا کہ تم دو دن تک مسلسل سفر کرتے رہو تب بھی ختم نہ ہو"۔

"لیکن اس طرف کا علاقہ تو بڑا دشوار گزار ہے۔ کیا خان جلال نے کثیر سرمایہ خرچ کر کے اسے بھی درست کرایا ہے؟ ورنہ اس جگہ تو عمارت بنانے کی کوئی تک نہیں تھی"۔ میں نے سوال کیا۔

"بہرصورت دیکھیں گے"۔ زبیر خان نے لاپرواہی سے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ پھر ہم دوبارہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑوں کو ہم نے جنگل میں ڈال دیا لیکن ابھی ہمیں آگے بڑھتے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ پیچھے سے ہمیں آہٹیں سنائی دیں اور زبیر خان چوکنا ہو گیا۔

چند ساعت کے بعد ہم نے ان گھوڑے سواروں کو دیکھ لیا جو عربی النسل گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے جسموں پر باقاعدہ فوجیوں کی سی وردی تھی۔ زبیر خان نے گھوڑے کی رفتار سست کی اور ہم دونوں رک گئے۔ چاروں سوار قریب آگئے تھے۔ انہوں نے رائفلیں اپنے ہاتھوں میں لے لی تھیں۔ جدید ساخت کی بہترین رائفلیں تھیں۔ انہوں نے چاروں طرف سے گھیر کر ہم پر رائفلیں تان لیں اور خونخوار نگاہوں سے ہمیں گھورنے لگے۔ تب ان میں سے ایک نے رائفل کی نال نیچے کی اور آگے بڑھ آیا۔

"کون لوگ ہو تم؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا اور زبیر خان عجیب سی نگاہوں سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ "تم کون ہو دوستو؟" اس نے سوال کیا۔

"تمہیں یہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ اس شخص نے بدستور اسی انداز میں کہا جس میں جارحیت تھی۔

"تمہیں یہ حق کس نے دیا؟"

"خان جلال نے' یہ اس کا علاقہ ہے"۔

"اوہ۔ وہ ٹین کے تختے پر اسی بے وقوف کا نام لکھا ہوا تھا۔ مگر زمین خدا کی ہے۔ اس پر کسی احمق کا حکم"۔ زبیر خان نے اتنا ہی کہا تھا کہ مجھے جنبش کرنی پڑی۔ میرے پستول کی گولی نے اس شخص کا بھیجا اڑا دیا جس نے زبیر خان پر فائر کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید خان جلال کے خلاف یہ توہین آمیز الفاظ اس سے برداشت نہیں ہوئے تھے مجھے دو فائر اور کرنے پڑے تھے۔ باقی دو رائفل برداروں کی دلخراش چیخیں بھی جنگل میں گونج اٹھی تھیں۔ لیکن میں نے صرف ان کی کلائیاں زخمی کی تھیں۔ ان کے گھوڑے ٹھہر گئے اور وہ دونوں کراہتے ہوئے نیچے آرہے۔

"نہیں چل سکتا سمجھے تم"۔ زبیر خان نے لاپرواہی سے ایک نگاہ ان تینوں پر ڈالی جن میں سے ایک تو دم توڑ رہا تھا اور دو اپنی کلائیاں پکڑے کراہ رہے تھے۔ بچ جانے والے آدمی کا رنگ اڑ گیا۔ چہرے کی ساری کرختگی دور ہوگئی۔ اب تو جھکی ہوئی رائفل سیدھی کرنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ لجاجت سے بولا۔

"ہم تو.......... ہم تو حکم کے بندے ہیں خان!"

"تمہارا خدا خان جلال ہے؟ کیوں؟"

"نہیں خان! لیکن لیکن"۔ اس شخص کا انداز اب گڑگڑانے والا ہوگیا تھا۔

"نیچے اترو۔ نیچے اترو۔ اور اسے پھینک دو۔ یہ بیکار چیز تم جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں اچھی نہیں لگتی۔ پھینک دو"۔ زبیر خان گرجا اور اس شخص نے جلدی سے رائفل پھینک دی۔ "اب نیچے اتر جاؤ"۔ زبیر خان کی مسکراہٹ بھی بہت بھیانک تھی۔ اور رائفل بردار جلدی سے گھوڑے سے نیچے کود گیا۔ زبیر خان بھی اطمینان سے اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا تھا۔ پھر اس نے اپنا پستول نکال کر میری جانب اچھال دیا اور میں نے اسے دوسرے ہاتھ میں لپک لیا۔

زبیر خان کا مقصد شاید یہی تھا کہ میں پستول کا استعمال نہ کروں۔ وہ کچھ اور کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر وہ دونوں رائفلیں اٹھالیں جو زخمی ہونے والوں کی تھیں اور پھر بلاشبہ زبیر خان کی طاقت کا میں نے دوسرا کارنامہ دیکھا۔ اس نے رائفلوں کی نالیں گھٹنوں پر رکھیں اور انہیں موڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔ پھر وہ اس شخص کی جانب متوجہ ہوا جو چند ساعت قبل شیر بنا ہوا تھا۔ "ہاں دوست تو میں اس بے وقوف کی بات کر رہا تھا جو خدا کی زمین پر اپنا حکم چلاتا ہے۔ بتاؤ کیا زمین پر سفر کرنا انسان کا حق نہیں ہے؟"

"ہے خان!" وہ شخص جلدی سے بولا۔

"تو پھر تم مجھ سے یہ سوال کرنے کیوں آئے تھے کہ میں کون ہوں؟" زبیر خان اس شخص کے سر پر پہنچ کر بولا۔ اس شخص کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا تھا۔ وہ زبیر خان کو خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور زبیر خان کسی دیو کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔ "جواب دو"۔ زبیر خان دھاڑا۔

"خان ۔ خان ۔ میں تو بتا چکا ہوں ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ خان جلال کو شاید تم نہیں جانتے وہ اس علاقے کا بے تاج شہنشاہ ہے"۔

"بے تاج شہنشاہ!" زبیر خان قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "جس شخص کے سر پر تاج ہی نہ ہو وہ شخص اپنے آپ کو شہنشاہ کہلوانے کا کیا حق رکھتا ہے۔ جواب دو کیا تمہارا جلال خان گدھا نہیں ہے؟" زبیر خان نے اس شخص کے بال پکڑ کر اسے کھڑا کردیا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ "بولو تمہارا جلال خان گدھا ہے کہ نہیں؟" زبیر خان نے اس کا سر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ہے خان ہے۔ بالکل گدھا ہے"۔ وہ جلدی سے بولا۔ اور زبیر خان پھر ہنس پڑا۔

دیکھا شیر خان۔ یہ آجکل کے نمک خوار ہیں اپنے مالک کو صفائی سے گدھا کہہ رہا ہے"۔ زبیر خان نے ایک تھپڑ اس شخص کے رسید کردیا اور وہ چت جاگرا۔ "بول خدائی خوار تو نے کس لیے ہمیں روکا تھا"۔

"تم مجھے مار ڈالو خان۔ اگر تم نے مجھے زندہ چھوڑدیا تو خان جلال زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہماری ڈیوٹی ہے کہ یہاں کسی کو داخل نہ ہونے دیا جائے۔ خان جلال کا حکم ہے کہ کوئی یہاں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اسے بے دریغ گولی ماردی جائے۔ ہم لوگ علاقے سے تھوڑی دور باہر نکل گئے تھے اس لیے تم لوگوں کو نہیں دیکھا۔ پھر ہم نے بورڈ ٹوٹا ہوا دیکھا تو ہم تمہاری تلاش میں ادھر آگئے"۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" زبیر خان نے نرم لہجے میں کہا اور پھر دانت پیس کر ان لوگوں کی طرف دیکھا جن کی کلائی کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور جو درد سے بری طرح کراہ رہے تھے۔

"احمد خان"۔ اس نے جواب دیا۔

"شیر خان! ایک ایک گولی ان کی کھوپڑیوں میں بھی اتار دو۔ کتوں کی طرح چیخ رہے ہیں زنخے کہیں کے۔ لیکن چیخنے والے اب حواس کھوتے جارہے تھے۔ چند ساعت کے بعد ان کی آوازیں خودبخود بند ہوگئیں اور وہ لمبے ہوگئے۔ "اب ٹھیک ہے"۔ زبیر خان پھر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی کسی بھیڑیے کا قہقہہ ہی معلوم ہوتی تھی۔ "ہاں تو جیالے ذرا جلال خان کے بارے میں کچھ اور بتاؤ"۔

"کیا بتاؤں خان؟" احمد خان کی حالت بھی بگڑتی جارہی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ یہاں تمہارے علاوہ ڈیوٹی پر اور کتنے ہیں؟"

"علاقے کی نگرانی تو صرف ہم چاروں ہی کرتے ہیں۔ آگے خان جلال کی رہائش

گاہ ہے۔ وہاں بہت سے لوگ موجود ہیں"۔

"تمہارے بدن پر وردی تو فوجی ہے؟"

"خان جلال کے سارے آدمیوں کی یہی وردی ہے"۔

"پوری فوج بنا رکھی ہے خنزیر نے۔ حکومت کر رہا ہے پہاڑوں پر اور پہاڑ کسی کی حکومت قبول نہیں کرتے۔ احمد خان کب جاؤ گے اپنے آقا کے پاس؟"

"خان ۔ خان' میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ میری جان بخشی کردو۔ میں کہیں اور بھاگ جاؤں گا"۔

"ارے نہیں نہیں۔ میں تمہیں نہیں ماروں گا۔ میں تو تم میں سے کسی کو نہ مارتا پر تم نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔ زمین خدا کی ہے یہاں کسی اور کی حکومت تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ چلیں شیر خان؟" زبیر خان نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"چلو"۔ میں نے جواب دیا اور زبیر خان اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ہم سیر گاہ کے اگلے حصے کی طرف بڑھ گئے۔ ہم نے احمد خان کو پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ گھوڑے آگے بڑھ گئے۔ تب میں نے زبیر خان کو مخاطب کیا۔ "ایک بات پوچھنا بھول گئے زبیر خان"۔

"کیا؟" خان جلال سیر گاہ میں موجود ہے یا نہیں"۔

"ہاں۔ واقعی کیا خیال ہے واپس چلیں؟"

"نہیں' اب اتنی محنت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگر وہ موجود نہیں ہے تو ہماری یہاں موجودگی کی خبر سن کر پہنچ جائے گا اور اسے ہماری موجودگی کی اطلاع تو بہت جلد مل ہی جائے گی"۔

"ہاں اطلاع تو یقیناً مل جائے گی"۔ زبیر خان ایک دم مسکرا پڑا۔ گھوڑے گھنے درختوں میں آگے بڑھ رہے تھے اور پھر سورج چھپ گیا۔ درختوں کے نیچے رات اتر آئی لیکن ہم نے سفر جاری رکھا اور اس وقت رکے جب دور سے ہمیں روشنیاں نظر آنے لگیں۔ یہ روشنیاں کسی عمارت سے چھن رہی تھیں۔

"بجلی موجود ہے یہاں؟" میں نے بڑبڑانے کے سے انداز میں کہا۔

"اوہ ۔ اس خنزیر نے جنریٹر وغیرہ لگائے ہوں گے۔ کیا مشکل ہے اس کے لیے تم اس کی پوزیشن دیکھ ہی چکے ہو"۔

"ہاں یہ درست ہے اور ظاہر ہے حکومت اس کی اس حیثیت سے واقف ہوگی"۔ میں نے کہا۔

"حکومت کے بارے میں جہاں تک میں نے معلومات حاصل کی ہیں"۔ زبیر خان نے کہا "جتنے سربر آوردہ لوگ ہیں وہ سب خان جلال کے وفادار ہیں۔ اول تو دارالحکومت تک بات ہی نہیں پہنچتی ہوگی اور اگر پہنچتی ہوگی تو وفاشعار اور تنخواہ دار لوگ یہ کہہ دیتے ہوں گے کہ خان جلال تو بے حد نیک فطرت اور اچھا انسان ہے۔ دولت کی حکمرانی تو پوری دنیا پر مسلط ہے۔ میرے دوست' خان جلال ہی کیا جگہ جگہ ایسے دولت مند بکھرے نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنی حکومتیں الگ بنا رکھی ہیں اور ان حکومتوں میں وہ آزاد حکمران ہیں"۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے"۔ میری آواز میں کسی قدر غراہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ زبیر خان چونک کر مجھے دیکھنے لگا اور پھر جیسے وہ آہستہ سے چونک پڑا۔ ایک بات بتاؤ شہاب' میں نے خود تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتادیا ہے اور ہم لوگوں نے دوستی کے ہاتھ ملائے ہیں تو اس کے بعد مجھے بھی تو حق پہنچتا ہے کہ تمہارے بارے میں کچھ پوچھوں"۔

"ہاں ضرور پوچھو"۔ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"خود تمہارا اپنا جغرافیہ کیا ہے؟"

"نہایت معمولی اور مختصر' ڈاکٹر برہان ہمارا چیف ہے اور ہم لوگ مناسب معاوضہ لے کر ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔ البتہ کچھ اقدار ہماری بھی ہیں۔ مثلاً" کہ ہم صرف ان لوگوں کی مدد نہیں کرتے جو دولت سے ہماری جیبیں بھردیں بلکہ کسی کے لیے کام شروع کرنے سے پہلے ہم یہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ کام کسی ایسے مظلوم کے خلاف جارحیت تو نہیں ہے جو ہم سے کام لینے والے کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتا ہو۔ ہم ایسے کام نہیں کرتے جو کسی کے خلاف جارحیت ہو۔ ہاں کسی الجھے ہوئے انسان کو الجھنوں سے نکالنا اور معاوضہ لے کر اس سے تعاون کرنا ہماری ڈیوٹی میں شامل ہے۔ بڑی الجھنیں بڑے لوگوں ہی کو پیش آتی ہیں غریب لوگوں کی الجھن تو صرف ایک ہوتی ہے اور سخت مشقت کے بعد وہ اس الجھن کو معدے میں رخصت کرکے سکون کی نیند سو جاتے ہیں۔ البتہ نیند جیسی حسین شے بڑے لوگوں کی تابع نہیں ہے۔ چنانچہ وہ سونے کے لیے

ہماری خدمات حاصل کرتے ہیں۔ ہر ملک کا قانون اس کے شہریوں کا ایمان ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر برہان کے اصولوں کے مطابق جو شہری قانون کو اپنا گھوڑا سمجھتا ہو ہم اس کے سامنے اپنا قانون پیش کردیتے ہیں۔ بس ان چند چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈاکٹر برہان کی ٹیم کا انحصار ہے"۔

"بڑے دلچسپ لوگ ہو تم۔ اگر زندگی رہی تو کبھی تمہاری پوری ٹیم سے ملاقات کروں گا۔ اور خاص طور سے ڈاکٹر برہان سے"۔

"ضرور"۔

"لیکن ڈاکٹر برہان سے پہلے بھی تو تم کچھ ہوگے"۔ زبیرخان نے پوچھا۔ لیکن دوسرے لمحے ہم چونک پڑے اچانک عمارت لاتعداد روشنیوں سے جگمگا اٹھی۔ یہ سرچ لائٹیں تھیں جو عمارت کے مختلف حصوں میں نصب تھیں۔ انتہائی طاقتور روشنیوں کی لکیریں درختوں کو منور کرنے لگیں اور زبیرخان ہنس پڑا۔ "مہمانوں کی آمد کی اطلاع مل گئی"۔

"ہاں رات ہنگاموں میں گزرے گی"۔

"سونا چاہتے تھے؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"اوہ نہیں۔ سونے کے لیے کرنل جہانگیر کی خوبصورت رہائش گاہ زیادہ موزوں تھی یہ سیرگاہ نہیں"۔

"خوبصورت ہو"۔ زبیرخان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے ایسے لوگوں سے عشق ہے جو ذہین بھی ہوں امیر بھی اور عمدہ کارکردگی کے مالک بھی۔ اس گدھے نے شاید مجھ پر فائر کرنے کی کوشش کی تھی جس کو تم نے گولی ماردی؟"

میں نے گھوڑا روک لیا اور سامنے کی جانب اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "دیکھو خان جلال کی فوج حرکت میں آگئی ہے۔ عمارت کی جانب سے ہم نے چند گھڑسواروں کو دیکھا تھا جو تاریکی سے روشنی میں آگئے تھے۔ ان کا رخ اسی طرف تھا جہاں ہم لوگ موجود تھے۔ یقینی طور پر وہ ہم لوگوں کی آمد سے مطلع تھے۔ میں نے کہا اور زبیرخان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"خوب۔ کیا پروگرام ہے؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"ظاہر ہے ان لوگوں کے قتل عام سے کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ فی الوقت

ہم ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کریں"۔ میں نے کہا اور زبیرخان کو اشارہ کرکے ایک جانب کھسک گیا۔ ہم لوگ سرچ لائٹوں کی رینج سے بچنے کی کوشش کررہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم کافی پیچھے واپس لوٹ آئے۔ تب میں نے بائیں سمت اختیار کی۔ یہاں روشنیوں کے دائرے ہم تک، نہیں پہنچ رہے تھے۔ دائیں سمت سے گھوم کر ہم دوبارہ اسی عمارت کی جانب بڑھنے لگے۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ جلال خان کے آدمی سامنے ہی کے رخ پر سفر کررہے ہیں۔ چنانچہ بائیں سمت آہستہ آہستہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہم کافی آگے بڑھ گئے۔ وہاں سے ہم نے عمارت کی طرف کا رخ اختیار کیا۔ سرچ لائٹیں چاروں طرف نہیں لگی ہوئی تھیں' بلکہ ان کا زیادہ تر رخ سامنے کی سمت تھا۔ چنانچہ اس بار ہم جس سمت سے عمارت کی جانب پہنچے وہاں روشنی نہیں تھی۔ تب ہم دونوں نے گھوڑے چھوڑ دیئے اور ان کی پشت پر آہستہ سے ہاتھ مار کر انہیں آگے بھگا دیا۔ زبیرخان نے ایک لمحے کے لیے، کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر وہ خاموش ہوگیا اور میرے ساتھ چلنے لگا۔ عمارت کے نزدیک پہنچ کر اس نے کہا۔ "ہاں اب کیا ارادہ ہے؟"

"میرا خیال ہے اس وقت ہمارے لیے . بہترین پناہ گاہ یہی عمارت ہے"۔ میں نے جواب دیا اور زبیرخان رک کر ایک لمحے کے لیے میری صورت دیکھنے لگا۔ تاریکی کی وجہ سے میں اس کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ تو نہ لگا سکا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ بڑی پرجوش گرفت تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "آؤ" اور ہم دونوں عمارت کی طرف بڑھ گئے۔

دفعتہ" ہمیں فائرنگ کی آواز سنائی دی اور زبیر آہستہ سے ہنس پڑا۔ "وہ دشمن پر اہتمام سے گولیاں برسا رہے ہیں"۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور آخرکار ہم عمارت کی چاردیواری کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس طرف کوئی دروازہ نہیں تھا بلکہ لمبی دیوار دور تک چلی گئی تھی۔ میں نے اس کی بلندی کا جائزہ لیا۔ تقریباً" نو فٹ اونچی دیوار تھی۔ زبیرخان کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ "عمارت میں داخلے کا کوئی دوسرا دروازہ بھی ضرور ہونا چاہیے"۔

"تم میرے شانوں پر چڑھ کر دیوار پر پہنچو زبیرخان"۔

"اوہ۔ میرا وزن دوسو ستر پونڈ ہے"۔ زبیرخان ہنس پڑا۔

"ایک پونڈ کم ہے۔ میں دو سو اکہتر پونڈ وزن اٹھانے کا ریکارڈ رکھتا ہوں۔ آجاؤ میں بیٹھ گیا اور زبیرخان جوتے اتارنے لگا۔ "ان تکلفات میں نہ پڑو۔ جلدی کرو"۔ میں نے کہا اور وہ ہنستا ہوا میرے کندھوں پر کھڑا ہوگیا۔ میں اطمینان سے کھڑا ہوچکا تھا اور زبیرخان اطمینان سے دیوار پر چڑھ گیا۔ جونہی اس کا وزن میرے شانوں سے ہٹا میں نے پنجے جوڑے اور دوسرے لمحے اچھل کر دیوار پر پہنچ گیا۔ زبیرخان ابھی اپنا وزن سنبھال ہی رہا تھا۔ اس کا خیال ہوگا کہ وہ اوپر پہنچ کر کسی طرح مجھے اوپر کھینچنے کی کوشش کرے گا۔ مجھے دیوار پر دیکھ کر اس کے حلق سے ہلکی سے آواز نکلی لیکن پھر وہ خاموش ہوگیا۔ دوسرے لمحے ہم دونوں نیچے پہنچ گئے۔ تھوڑے فاصلے پر عمارت موجود تھی۔ اس طرف زیادہ روشنی نہیں تھی۔ عمارت کا یہ حصہ نیم تاریک تھا۔ ہم دونوں عمارت کے اس حصے کی طرف بڑھ گئے۔ پھر اندر داخل ہونے میں ہمیں زیادہ دقت نہ ہوئی۔ زیادہ تر لوگ تو ہماری تلاش میں سرگرداں تھے۔

روشن راہداریاں سنسان پڑی تھیں لیکن ان کا حسن اور رکھ رکھاؤ دیکھنے کے قابل تھا۔ موٹے موٹے قالین تمام راہداریوں میں بچھے ہوئے تھے جن پر قدموں کی چاپ کا کوئی احساس نہیں ہوتا تھا۔ دیواریں انتہائی حسین روشنیوں سے آراستہ تھیں۔ جگہ جگہ آرائشی چیزیں نصب تھیں۔ ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک بڑے سے ہال میں کھڑے تھے لیکن یہاں رکنا بے حد خطرناک تھا۔ چنانچہ ہم نے فوری طور پر اس دروازے کا رخ کیا جو ہال کے ایک جانب نظر آرہا تھا۔ دروازے کے اس جانب بھی ایک راہداری تھی لیکن اس راہداری کے دونوں سمت کمروں کے دروازے بھی تھے۔ یقینی طور پر یہ عمارت کے نگرانوں کے کمرے تھے۔ چنانچہ ہم وہاں سے گزر گئے۔ پھر یہ راہداری ایک سمت گھومی اور ایک بڑا محرابی دروازہ نظر آیا۔ ہم نے اس دروازے کا رخ کیا تھا۔ دروازے کو دھکیلا تو وہ اندر سے کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ہوشیار ہو کر اندر داخل ہوگئے۔ میں نے زبیرخان کا پستول اسے واپس کردیا تھا۔

دروازے کے دوسری جانب ایک ہال نما کمرہ تھا۔ حسین ترین خواب گاہ جو یقینی طور پر خان جلال کی ہوگی۔ اس کی آرائش اور شان وشوکت سے اسی بات کا اظہار ہوتا تھا۔ زبیرخان نے مسکرا کر میری جانب دیکھا اور کہنے لگا۔ "آج ہم اپنے دشمن کے مہمان ہیں لیکن یوں لگتا ہے جیسے خان جلال یہاں موجود نہ ہو"۔

"ہاں اگر وہ موجود ہوتا تو یہ بستر بے شکن نہ ہوتا اور اس کے علاوہ اس خوابگاہ کا اندازہ بتاتا ہے کہ فی الوقت یہ خالی ہے"۔

"یقیناً لیکن میرا خیال ہے اب یہ خالی نہیں رہنی چاہیے۔ آخر ہم خان جلال کے مہمان ہیں"۔ زبیرخان نے ہنس کر کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ خواب گاہ میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہم نے پورے ماحول کا جائزہ لیا۔ ضرورت کے وقت چھپنے کا معقول بندوبست تھا اور یہ بندوبست وہ بڑی بڑی الماریاں تھیں جن میں ایک کیا کئی آدمی باآسانی سما سکتے تھے۔

زبیرخان پسندیدگی کی نگاہوں سے اس جگہ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے خان جلال کے آدمی علاقے کا کونہ کونہ چھان ماریں گے اور اس کام میں انہیں کافی وقت لگے گا۔ زیادہ سے زیادہ انہیں ہمارے گھوڑے دستیاب ہوسکیں گے اور وہ بے وقوف ہمیں درختوں پر تلاش کریں گے۔ اس لیے یہ رات سکون کی رات ہے"۔

"سکون کی نہیں زبیرخان! یہ الماریاں ہمیں سونے نہ دیں گی۔" میں نے الماریوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ زبیرخان چند ساعت میری صورت دیکھتا رہا۔ غالباً میری بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ ہنس پڑا"۔ اوہ ٹھیک کہا تم نے۔ ہاں یہ سونے کی رات نہیں ہے۔ ہم الماریوں کی تلاشی لیں گے۔ لیکن کیا دروازہ بند کردیا جائے؟"

"دروازہ کھلا ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔ ہم میں سے ایک آدمی دروازے پر جما رہے تاکہ اگر کوئی اس طرف آئے تو اسے شبہہ نہ ہو۔ ایک آدمی الماریوں کی تلاشی لے۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو پھر یہ الماریاں ہماری پناہ گاہ بنیں"۔

"بہتر ہے لیکن کیا یہ الماریاں بھی اس دروازے کی مانند کھلی ہوں گی؟"

"کیا بند دروازے تمہاری راہ روکتے ہیں زبیرخان؟"

"ہاں بھئی۔ میں ڈاکٹر برہان جیسے کسی شخص کے زیر تربیت نہیں رہا اس لیے میں دروازے پر جم جاتا ہوں"۔ زبیرخان نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر پستول لے کر دروازے پر جم گیا۔ میں نے پہلی الماری سے ابتدا کی۔ الماریاں مقفل ضرور تھیں لیکن ان کے تالے غیر اہم تھے۔ پہلی الماری زنانہ مردانہ ملبوسات سے بھری ہوئی تھی۔ میں اس کا جائزہ لیتا رہا اور زبیرخان چوکنے انداز میں پہرہ دیتا رہا۔ پھر دوسری اور تیسری الماری بھی میں نے

دیکھ ڈالی اور چوتھی الماری کی طرف بڑھ رہا تھا کہ دفعتہ" زبیرخان کی آواز ابھری۔ "ہوشیار ۔کوئی آرہا ہے!" اور دوسرے لمحے ہم غڑاپ سے الماریوں کے پیچھے پہنچ گئے۔ قدموں کی چاپ دروازے تک آگئی تھی۔

دروازہ کھلا اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ہم دونوں ساکت کھڑے رہے تھے۔

یہ اندازہ لگانا ضروری تھا کہ آنے والوں کی تعداد کتنی ہے۔ پھر دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا اور ایک نسوانی آواز ابھری۔ "وہ لوگ یا تو دیوانے ہوں گے یا پھر اجنبی! ورنہ حسن پور میں کون ہے جو خان جلال کی حکم عدولی کی جرات کرسکے۔ وہ معمولی سی حکم عدولی کرنیوالوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے! بولنے والی انگریزی زبان میں بول رہی تھی لیکن لہجہ دیسی ہی تھا!

"اوہ لیکن میرا موڈ چوپٹ ہوگیا۔ بھلا ان حسین لحات میں یہ ہنگامے کسے پسند آسکتے ہیں؟" یہ آواز مردانہ تھی اور لہجہ مقامی نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور زبیرخان کھسک کر میرے بالکل نزدیک آگیا۔ اس کا مطلب ہے صرف دو ہیں! اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"ڈیڑھ! ۔ عورت کو میں نے کبھی ایک نہیں گنا! میں نے بھی سرگوشی ہی میں جواب دیا۔

"پھراب؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"مرد نے حسین لحات کا ذکر کیا ہے۔ کیا ہم اتنے بے غیرت ہیں کہ ہماری موجودگی میں یہ حسین لحات برقرار رہیں۔ ویسے زبیرخان! تم نے تو غیرممالک میں زندگی گزاری ہے۔ تمہاری زندگی تو بے شمار حسین لحات سے پر ہوگی!

"فضول باتیں مت کرویار! میری زندگی تو ابتدا ہی سے ایک مشن رہی ہے۔ میں نے ہمیشہ اس پر ایک قرض ایک بوجھ محسوس کیا ہے اور اس بوجھ نے مجھے دوسری چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے؟"

"بس ایسے ہی!" میں نے جواب دیا۔ جو خیال میرے ذہن میں آیا تھا' میں نے اسے جھٹک دیا۔ زبیرخان کی موجودگی میں کوئی ہلکا پن مناسب نہیں تھا۔ وہ ایک سنجیدہ شخص تھا۔ ہم دونوں خاموش ہو کر باہر کی آوازیں سننے لگے۔ بوتل کھلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد غٹ غٹ........... ایسے ماحول میں یہ آواز شراب کے علاوہ اور کس چیز

کی ہوسکتی تھی۔ ہم نے مزید کچھ دیر انتظار کیا اور پھر زبیرخان دوبارہ بولا۔ "اب کب تک انتظار کرو گے؟"

"بس بس انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ آؤ' میں نے کہا اور ہم دونوں الماری کی آڑ سے باہر نکل آئے۔ کمرے میں مدھم رنگین روشنی ہو رہی تھی۔ خوبصورت مسہری پر ایک غیرملکی مرد نظر آیا جو پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ دوسری ایک ایسی لڑکی تھی جس کے بدن پر اوپری لباس موجود نہیں تھا۔ صرف گلے میں رنگین موتیوں کا جھالر والا ہار تھا۔ جس نے اس کے بدن کے کچھ حصے کو ڈھکنے کی کوشش کی تھی۔ وہ گلاس میں شراب انڈیل رہی تھی۔

مرد نے فورا" ہی ہمیں دیکھ لیا اور ایک دم کانپ کر رہ گیا۔ اسکے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی اور اس آواز پر لڑکی نے پہلے اسے دیکھا اور پھر پلٹ کر ہمیں۔ "چیخنے کے لئے منہ کھولا تو گولی حلق میں گھس کر گدی سے نکل جائے گی"۔ میں نے پستول ہلاتے ہوئے کہا اور لڑکی کی چیخ حلق ہی میں گھٹ گئی۔ "تم کھڑے ہو جاؤ! میں نے انگریزی میں مرد سے کہا اور وہ دونوں ہاتھ مسہری پر ٹکا کر کھڑا ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ کافی بزدل آدمی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا جارہا تھا۔ ہاتھی خان! تم ذرا اس کے سرہانے دیکھو' پستول وغیرہ تو نہیں ہے! میں نے زبیرخان سے کہا اور وہ سرعت سے آگے بڑھ گیا!

نوجوان کے سرہانے پستول وغیرہ نہیں تھا۔ لڑکی کے ہاتھ کا گلاس اوندھ گیا تھا اور شراب بہہ رہی تھی۔ بدن ڈھکو اپنا!" زبیرخان غرایا اور لڑکی نے نزدیک پڑے اوپری لباس پر جھپٹا مارا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنا بدن ڈھکا تھا۔ دونوں کے چہرے خوف سے بگڑے ہوئے تھے۔

"تعارف ہو جائے! میں نے کہا اور لڑکی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ "کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے مرد سے کہا۔

"ٹول۔ ایمس ٹول"۔ پینتیس سالہ شخص نے جواب دیا۔

"یہاں کس طرح آئے؟" میں نے پھر سرد لہجے میں پوچھا اور مرد کسی قدر ہچکچایا لیکن خاموش رہنے کی ہمت نہیں کرسکا!

"خان جلال کا مہمان ہوں!"

"اوہ میزبان موجود نہیں ہے اور مہمان عیش کر رہا ہے۔ خوب کیا خان جلال کو تمہاری یہاں موجودگی کا علم ہے؟"

"ہاں' وہ مجھے یہاں چھوڑ گیا ہے؟"

"کہاں سے آئے ہو؟"

"میں - میں یہاں کام کرتا ہوں تیل کالونی میں - اکثر خان جلال کے پاس آتا رہتا ہوں' خان میرا دوست ہے!"

"تو اب خان جلال نے یہ کام بھی شروع کردیا ہے۔ اس لئے بنائی ہے اس نے یہ سرکاری سیرگاہ کہ اپنے دوستوں کو خوش کرے۔ تم کون ہو؟ اس بار زبیرخان نے لڑکی کو مخاطب کیا تھا۔ لڑکی کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ غالباً ہمارے اچانک نمودار ہونے کا ردعمل تھا ورنہ خوفزدہ ہونے کی اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔

"میرا نام اینی ساریا تو ہے!" وہ بمشکل بولی۔

"کاروباری عورت ہو!" زبیرخان کے لہجے میں سخت متانت تھی۔

"نہیں خان جلال کی نوکر ہوں!"

"یہی کام کرتی ہو یا کچھ اور بھی!" زبیرخان بدستور اسی انداز میں بولا اور لڑکی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اس بات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔

زبیرخان میری طرف متوجہ ہوگیا۔ "کیا کرنا ہے' ان دونوں کا!"

"ان سے معلومات حاصل کریں گے۔ اگر انہوں نے صحیح جوابات دیئے تو ٹھیک ہے' ورنہ گردن دبا کر مار ڈالیں گے!" میں نے انگلش میں کہا تاکہ دونوں ہی سمجھ لیں۔ لڑکی دیسی عیسائی تھی اور انگریزی سے بخوبی واقف معلوم ہوتی تھی۔ دونوں کے چہروں سے کچھ اور خوف ٹپکنے لگا۔

"خان جلال کہاں ہے؟" میں نے لڑکی سے پوچھا۔

"سبز حویلی میں۔ آجکل سیرگاہ میں نہیں ہے"۔

"تم یہیں رہتی ہو؟"

"ہاں!"

"کتنے افراد ہیں یہاں؟"

"پوری سیرگاہ میں تقریباً چالیس۔ اس عمارت میں سولہ افراد ہیں"۔ لڑکی نے

جواب دیا۔

"لڑکیاں بھی ہیں تمہارے علاوہ!"

"ہاں پانچ لڑکیاں ہیں!"

"کیا کرتی ہیں؟"

"عمارت کے چھوٹے چھوٹے کام.......... اور.......... بس! لڑکی جھینپے ہوئے سے انداز میں خاموش ہوگئی۔

"خوب! خان جلال نے اپنی خاندانی روایات سے خوب بغاوت کی ہے۔ ورنہ سرحد کے رہنے والوں کی غیرت مندی کی تو قسم کھائی جاسکتی ہے ہاں' اب تم بولو مٹی کے شیر۔ خان جلال سے تمہاری دوستی کس سلسلہ میں ہوئی ہے؟" میں نے غیر ملکی کو مخاطب کیا۔

"تم کون ہو؟" غیر ملکی اس دوران سنبھلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میں نے زبیرخان کی طرف دیکھا اور زبیرخان آہستہ آہستہ سے آگے بڑھا اور پھر اس کا تھپڑ بھی مثالی حیثیت رکھتا تھا۔ غیر ملکی نے قلابازی کھائی اور فرش پر آگرا۔ آواز بھی شاندار تھی۔ زبیرخان نے مزید آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا اور اسے پھر مسہری پر بٹھادیا۔

"تمہارے ہر سوال کا صرف یہی جواب ملے گا۔ اس لئے صرف جواب دو سوال مت کرو"۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ غیر ملکی چکرا کر رہ گیا تھا۔ اس نے کئی بار آنکھیں بند کرکے گردن جھٹکی اور پھر کینہ توز نگاہوں سے زبیرخان کو دیکھنے لگا۔

"ہاں تو تمہاری دوستی کس نوعیت کی ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"وہ براہ راست میرا دوست نہیں ہے' مسٹر ڈریک نے میرا تعارف کرایا تھا۔ خان نے مجھے سیرگاہ آنے کی دعوت دی تھی اور سیرگاہ عمدہ شراب اور حسین عورتوں کے لئے مشہور ہے!" ٹول نے جواب دیا۔

"مسٹر ڈریک کون ہیں؟"

"چیف انجینئر ہیں۔ تیل کالونی میں بنگلہ نمبر آٹھ میں رہتے ہیں!"

"اس میں جھوٹ کتنے فیصد ہے؟"

"بالکل نہیں ہے۔ میں یہاں تفریحاً آیا تھا کسی سازش کے مشن پر نہیں۔ یہاں یہ بھی ہوتا ہے' یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی!" غیر ملکی نے اپنا گال سہلاتے ہوئے کہا۔

"یہاں تو بہت کچھ ہوتا ہے اور ابھی بہت کچھ اور ہوگا۔ اس لئے تم شراب پیو میری جان!" میں نے کہا اور لڑکی کو اشارہ کیا"۔ مسٹر ٹول کو پلاؤ............!!"

"نہیں بس اب میں جانا چاہتا ہوں"۔ ٹول بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا.........؟" زبیر خان غرایا اور ٹول بوکھلا کر اسے دیکھنے لگا۔

"مم.........میں نے کوئی غلط بات کہہ دی کیا؟" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تمہیں شراب پینا ہوگی اس وقت تک جب تک کہ وہ تمہارے حلق سے واپس نہ آنے لگے۔ چلو لڑکی شروع ہو جاؤ"۔ زبیر خان نے لڑکی کو اشارہ کیا اور پستول نکال لیا۔ دونوں کے چہروں پر سخت ہیجان نظر آرہا تھا لیکن لڑکی نے شراب کا گلاس ٹول کو دے ہی دیا اور پستول کے اشارے پر ٹول نے شراب حلق میں انڈیل لی۔

"تم بھی شروع کرو جان من! مسٹر ٹول کو تنہا پینے میں کیا مزا آئیگا؟ میں نے لڑکی سے کہا۔

"میں زیادہ نہیں پیتی!" لڑکی ملتجی انداز میں بولی۔

"پیو!" زبیر خان گرجا اور میز کو ٹھوکر ماردی۔ لڑکی نے بھی جلدی سے اپنے لئے گلاس بھرلیا تھا۔ میں نے ایک الماری سے شراب کی دو بوتلیں اور نکال لی تھیں اور پھر ہم دونوں اس وقت وہاں سے نکلے جب تک وہ پی پی کر اوندھے نہ ہوگئے۔ خاصا وقت لگ گیا تھا لیکن کرتے بھی کیا۔ اور کوئی بات ذہن میں ہی نہیں تھی۔ باہر کے ماحول میں خاموشی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے ہمیں تلاش کرنیوالے محافظ تھک گئے ہوں اور اب انہوں نے ہماری تلاش ترک کردی ہو۔ خان جلال موجود نہیں تھا' ورنہ اس سے ملاقات کرنیکی کوشش ضرور کی جاتی!

"اس عمارت میں خان جلال کی رہائش گاہ کونسی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ' ظاہر ہے مجھے نہیں معلوم۔ لڑکی ضرور جانتی ہوگی لیکن ہمیں بعد از وقت خیال آیا!

"وقت تو گزارنا ہی ہے' آؤ عمارت کا جو کمرہ سامنے آئے اس کی تلاشی لیں۔ میرا خیال ہے ہم خان جلال کی خواب گاہ کے بارے میں اندازہ تو لگا ہی سکتے ہیں!" میں نے کہا اور زبیر خان نے آمادگی ظاہر کردی۔ لیکن ہم نے باقی وقت ضائع ہی کیا تھا۔ تقریباً" دس کمرے ایسے ملے جو خواب گاہ کی حیثیت سے بیش قیمت فرنیچر اور سازوسامان سے آراستہ

تھے لیکن آرائشی سامان کے علاوہ ایسی اور کوئی چیز نہیں ملی جو ہمارے لئے کارآمد ہوسکتی تھی۔ تب ہم اس کام سے اکتا کر سیرگاہ کے عقبی کھلے حصے میں آگئے۔ تھوڑے فاصلے پر گھوڑوں کا اصطبل نظر آرہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم نے وقت ضائع ہی کیا ہے!" زبیر خان بے دلی سے بولا۔

"نہیں زبیر خان! ایسا تو نہیں کہہ سکتے!"

"کیوں؟"

"کچھ نہ کچھ تو ملا ہی ہے۔ مثلاً یہ کہ ہمیں جلال خان کے کردار کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ تیل کی تلاش کرنے والے کچھ لوگوں سے اس کا رابطہ ہے اور وہ ان کے لئے اس قدر گر گیا ہے کہ اپنی سیرگاہ میں بلا کر انہیں لڑکیاں سپلائی کرتا ہے!"

"اوہ ہاں یہ تو درست ہے!"

"اس کے علاوہ ایک نام بھی علم میں آیا ہے یعنی مسٹر ڈریک جو وہاں چیف انجینئر ہے!" میں نے کہا اور زبیر خان پرخیال انداز میں میری صورت دیکھنے لگا۔ "تم اس نام کو کوئی خاص اہمیت دے رہے ہو؟"

"دینا چاہیے زبیر خان! یہ وہ شخص ہے جس کے لئے خان جلال سب کچھ کرسکتا ہے' اسے ضرور دیکھنا ہوگا!"

"اگر تم اس پر توجہ دے رہے ہو تو پھر ٹھیک ہے کچھ نہ کچھ ہوا.......... لیکن اگر خان جلال مل جاتا تو پھر لطف آتا۔ ہم دونوں دوست ہی اس کے سامنے آجاتے اور کوئی فیصلہ کن بات ہوجاتی!"

"اوہ نہیں زبیر خان! فیصلے اتنے جلدی نہیں ہوتے۔ ویسے خان کی رہائش گاہ کہاں ہے؟"

"لڑکی نے سبز حویلی کا نام لیا تھا۔ حویلی یہاں سے تقریباً" تیس میل دور ہوگی"۔

"کیا خیال ہے حویلی کی سیر کی جائے"۔ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور زبیر خان مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر وہ بھی مسکرادیا۔

"اگر اتنی ہمت ہے تو ضرور کرو۔ اگر ہم وہاں تک پہنچ گئے اور صاف نکل آئے تو خان بوکھلا جائیگا!"

"تب ٹھیک ہے آؤ۔ میرا خیال ہے ہم اپنے لئے اب اس اصطبل سے عمدہ قسم

کے گھوڑے چھانٹ لیں۔ ہمارے گھوڑے تو ان لوگوں کے قبضے میں جاچکے ہوں گے!"

"اوہ۔ خان کوئی غیر نہیں ہے۔ ہماری اور اس کی چیز میں کیا فرق ہے؟" زبیر خان نے ہنستے ہوئے کہا اور ہم اصطبل کی طرف چل پڑے۔ اصطبل کا محافظ ایک چارپائی پر سورہا تھا۔ ہم نے اسے قابو میں کرکے چارپائی کی ادوائن سے باندھ دیا اور اس کا بڑا رومال اس کے حلق میں ٹھونس دیا۔ اس کام سے فارغ ہوکر ہم اصطبل میں داخل ہوگئے۔ ہم نے اپنے لئے عمدہ قسم کے دو گھوڑے منتخب کئے لیکن گھوڑوں کی زین یہاں نہ مل سکی۔ ہم نے کافی تلاش کی تھی' تب زبیر خان بولا۔ "ویسے گھوڑوں کی سواری بغیر زین کے ہی لطف دیتی ہے' کیا تمہیں مشکل پیش آئے گی"۔

"مشکل کا لفظ میری لغت میں نہیں ہے زبیر خان!" میں نے گھوڑے کو اصطبل سے باہر نکالتے ہوئے کہا۔ زبیر خان بھی اپنا گھوڑا نکال لایا تھا لیکن اسی وقت ایک مصیبت آگئی۔ نہ جانے کہاں سے دو خوفناک السیشن نکل آئے اور غراتے ہوئے ہماری طرف دوڑے۔ دوسرے لمحے ہم دونوں اچھل کر گھوڑوں پر آگئے۔ لیکن السیشن آن کی آن میں ہم تک پہنچ گئے تھے اور ان میں سے ایک نے گھوڑے پر چھلانگ لگائی۔ گھوڑا الف ہوگیا تھا اور اگر زبیر خان انتہائی مہارت سے کتے کی کھوپڑی کو نشانہ نہ بنالیتا تو کتے نے یقیناً میرے بدن کے کئی حصوں کو ادھیڑ دیا ہوتا۔ کتے کی کھوپڑی کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ زبیر خان کے گھوڑے نے بدک کر ایک طرف چھلانگ لگادی تو دوسرے کتے نے بھی چھلانگ لگادی تھی!

دفعتاً عقب سے کئی فائر ہوئے اور گولیاں سنسناتی ہوئی ہمارے نزدیک سے نکل گئیں۔ لیکن ان لوگوں نے ہماری دوسری مشکل خود حل کردی تھی۔ کتے کا جسم اس وقت فضاء میں ہی تھا جب گولیاں ہماری طرف لپکی تھیں اور وہ ان میں سے کئی گولیوں کا شکار ہوگیا۔ ہمارے گھوڑے اب سرپٹ دوڑ رہے تھے۔ راہ کا کوئی تعین نہیں تھا۔ وحشت زدہ گھوڑوں کو اس وقت قابو میں کرنا بھی ناممکن ہی تھا۔ چنانچہ ہم نے انہیں ان کے رخ پر دوڑنے دیا۔ البتہ عقب سے اب ہمارا تعاقب شروع ہوگیا تھا۔ وہ لوگ گولیاں بھی چلارہے تھے' اور ان کے پیچھے ہی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ گویا محافظوں کے ساتھ کتے بھی تھے۔ بہرحال یہ کافی خطرناک بات تھی اور مجھے اور زبیر خان کو اس کا پورا پورا احساس تھا۔ اس وقت صرف ایک ہی کوشش کارآمد تھی۔ وہ یہ کہ جتنی

دور نکلا جاسکے' نکل جاؤ اور ہم اس پر عمل کررہے تھے۔ گھوڑے اب بھی جان توڑ کر دوڑ رہے تھے اور ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ زمین نظر نہیں آرہی تھی اور پھر ایک حادثہ ہوگیا۔ دوڑتے ہوئے گھوڑے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے ایک گہری کھائی کی ابتدا ہوتی تھی۔ زبیر خان کا گھوڑا چونکہ مجھ سے آگے تھا اس لئے پہلے وہی اس حادثے کا شکار ہوا۔ کیونکہ وہ گہرائیوں میں جانے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے جیسے ہی اچانک گھوڑا جھکا' زبیر خان سے اس کی پشت چھوٹ گئی۔ ایک آواز اس کے حلق سے نکلی اور اچھل کر ڈھلان پر آگرا۔ میرا گھوڑا تقریباً پچاس گز دور تھا اس لئے میں نے اس حادثے کو دیکھ لیا اور اس وقت اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ کسی بھی خطرے کی پرواہ کئے بغیر گھوڑے کی پشت چھوڑدوں۔ گھوڑا جس رفتار سے دوڑ رہا تھا اس کے تحت پچاس گز کا یہ فاصلہ پلک جھپکتے ہی طے ہوجاتا اور اسی اثناء میں مجھے یہ کام کرلینا تھا! چنانچہ برق رفتاری سے میں نے اپنے بدن کو تولا اور گھوڑے سے نیچے چھلانگ لگادی۔ سخت اور کھردرے پتھروں پر میں دور تک گھسٹتا چلا گیا تھا۔ کہنیوں پر اور بدن کے مختلف حصوں پر بے شمار خراشیں آئی تھیں لیکن میں نے ان کی پرواہ نہیں کی اور کھائی کے کنارے کی طرف دوڑا۔ نیچے کا منظر کافی خوفناک تھا۔ گھوڑا لڑھکنیاں کھاتا ہوا نیچے جارہا تھا۔ رکنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس کا مطلب ہے زبیر خان کام آگیا۔ میں نے سوچا۔ لیکن اسی وقت بائیں سمت سے چھوٹے چھوٹے پتھروں کے لڑھکنے کی آوازیں سنائی دیں اور میں چونک پڑا۔ زبیر خان اوپر آگیا تھا۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ دوسرے لمحے اس کی مدد کرنے دوڑا لیکن زبیر خان کی آواز سنائی دی! نہیں میں ٹھیک ہوں' میں تمہارے لئے فکرمند تھا!"

"اوہ زبیر خان کیا تم شدید زخمی ہو؟"

"نہیں یار! ایک پتھر سے رک گیا ورنہ شاید نہ بچ سکتا!" زبیر خان نے کہا اور پھر وہ کھائی کے کنارے پر آگیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا!

"گھوڑے تو گئے کام سے!" میں نے کہا۔

"ہاں' لیکن تم گھوڑے سے نیچے کس طرح آگئے؟"

"بس تمہیں گرتے دیکھ کر بروقت چھلانگ لگادی"۔

"خوب! دراصل گھوڑے بے قابو تھے اس لئے اس جگہ کا اندازہ نہیں ہوسکا لیکن اب میں اس علاقے کو پہچان گیا ہوں۔ وہ دیکھو ڈھلان سے بائیں طرف جنگل ہے!"

زبیرخان نے کہا اور میں نے اسکے اشارے کی طرف دیکھا۔ درختوں کے جھنڈ نظر آرہے تھے۔ گو وہ تاریکی میں لپٹے ہوئے تھے لیکن صاف اندازہ ہو رہا تھا۔ "میرا خیال ہے ہمیں درختوں کی سمت نکل جانا چاہیے۔ مسلح محافظ کتوں کی مدد سے یہاں تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ ہم ان سے تو نمٹ سکتے ہیں لیکن کتے؟"

"ٹھیک ہے آؤ!" میں نے زبیرخان کی بات سے اتفاق کیا اور ہم جنگل کی طرف چل پڑے۔ گھنے درختوں کا فاصلہ وہاں سے ایک میل کے قریب تھا۔ ان کے نزدیک پہنچتے پہنچتے صبح کے آثار نمودار ہونے لگے۔ ابھی ہم ان کے نزدیک ہی پہنچے تھے کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز ہمارے کانوں میں پڑی اور ہم اچھل پڑے۔ "اوہ! وہ کمبخت کسی دوسرے راستے سے آگئے ہیں۔ بھاگو ان کا رخ اسی طرف ہے!" زبیرخان نے کہا اور ایک بار پھر ہم جنگل کی مخالف سمت دوڑنے لگے۔ "ہمیں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں کتے نہ پہنچ سکیں!" زبیرخان نے دوڑتے دوڑتے کہا۔ میں خاموشی سے دوڑ رہا تھا اور روشنی پھیلتی جارہی تھی۔ میں ان علاقوں سے قطعی ناواقف تھا جب کہ زبیرخان یہاں کافی وقت گزار چکا تھا۔ اس لئے کسی مسئلے میں اس سے اختلاف نہیں کر رہا تھا۔ ہم بے تحاشہ دوڑتے رہے اور جنگل کے علاقے سے کافی دور پہنچ گئے۔ پھر جب آوازیں مدھم ہوگئیں تو زبیرخان سانس لینے کے لئے رکا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا"۔ "وہ اس طرف"۔ اس نے ایک سمت اشارہ کیا۔ "تم نرسلوں کے جھنڈ دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

"آؤ' اس سمت چلیں۔ تھوڑی سی احتیاط کرنی ہوگی۔ دراصل وہ دلدلی علاقہ ہے۔ وہ لوگ اس طرف آنے کی جرات نہیں کرسکیں گے!"

"لیکن زبیرخان! ہم دلدل کا شکار نہیں ہوسکتے؟"

"ہم اس طرف جائیں گے ہی نہیں۔ بس انہیں دھوکا دینا مقصود ہے۔ میں طویل عرصہ تک اس طرف آتا رہا ہوں تم آجاؤ"۔ زبیرخان نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ دراصل نرسلوں کے درمیان خوفناک دلدلی گڑھے لاتعداد بکھرے ہوئے تھے۔ بے تحاشہ دوڑنے والے ان گڑھوں کا شکار ہوسکتے تھے لیکن زبیرخان کافی مہارت سے سفر کر رہا تھا۔ ہم نرسلوں کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ زبیرخان یہاں رک گیا تھا۔ "یہ جگہ بہترین ہے۔

یہاں سے وہ ہمیں نظر بھی آسکتے ہیں بشرطیکہ انہوں نے یہاں تک آنے کی جرات کی"۔ زبیرخان نے کہا۔

"نرسلوں کا سلسلہ یہاں ختم ہوگیا ہے؟" میں نے عقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں آگے میدانی علاقہ ہے اس کو عبور کرکے ہم سبزحویلی والے علاقے میں پہنچ سکتے ہیں۔ گو سبزحویلی پھر بھی دور رہ جائے گی لیکن کم ازکم اس کے اطراف کی آبادی میں ضرور پہنچ جائیں گے!"

"لیکن کیا خان جلال بھی یہی راستہ استعمال کرتا ہے؟"

"اوہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہم بالکل دوسرے راستے سے یہاں تک آئے ہیں۔ یہ راستہ تو بہت ہی مختصر ہے اور اسے ناقابل عبور سمجھا جاتا ہے!" زبیرخان بات بھی پوری نہیں کرنے پایا تھا کہ ایک بار پھر کتوں کا شور سنائی دیا اور زبیرخان نے پستول نکال لیا۔ میں یہاں بھی اسے سے متفق تھا۔ چنانچہ میں بھی تیار ہوگیا۔ محافظ پیدل ہی تھے۔ کتوں کی زنجیریں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ تین کتے تھے اور پانچ محافظ۔ تعاقب کرنے کی وجہ سے وہ بھی نڈھال نظر آرہے تھے۔ "پہلے کتے!" زبیرخان کی آواز ابھری اور پھر جونہی وہ سامنے نظر آئے۔ اچانک ہمارے پستولوں نے شعلے اگل دیئے۔ تینوں کتوں کے سرنشانہ بنے تھے۔ وہ اچھل کر نیچے گرے اور زمین پر لوٹنے لگے۔ محافظ ایک لمحے کے لئے ہکا بکارہ گئے۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے تھے لیکن ہم نے انہیں موقع نہیں دیا اور ہماری گولیاں دو محافظوں کو چاٹ گئیں۔ بقیہ تین بوکھلاہٹ میں بھاگ کھڑے ہوئے لیکن بوکھلاہٹ اور بدحواسی میں بھاگنے کا جو بھی نتیجہ ہوسکتا تھا وہ سامنے آگیا۔ تینوں ایک دلدلی گڑھے میں جاپڑے تھے۔ دیر تک ان کی خوفزدہ چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے اور دوسروں کو مدد کے لئے پکار رہے تھے۔ پھر یہ آوازیں معدوم ہوگئیں۔ زبیرخان کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ "خان جلال کو بھی ایک دن ایسی ہی کسی دلدل میں غرق ہونا پڑے گا"۔ اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری اور اس کے بعد خاموشی چھائی رہی۔ ان لوگوں کے علاوہ شاید اور کوئی نہیں تھا۔ ورنہ ان آوازوں پر ضرور آتا! جب یہ خاموشی طویل ہوگئی تو میں نے زبیرخان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اب کیا ارادہ ہے زبیرخان؟"

"جو تم کہو دوست!" وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"خان جلال تو سیرگاہ میں موجود نہیں ہے اس لئے دوبارہ وہاں جانا بے سود ہے۔

ہماری مڈبھیڑ صرف محافظوں سے ہوگی اور ان کرائے کے لوگوں کو قتل کرنے سے کیا حاصل؟"

"ٹھیک ہے' یہ بے قصور ہیں!"

"تب پھر ہمیں کسی دوسرے راستے سے واپس چلنا چاہئے"۔

"دوسرا راستہ مل تو جائیگا لیکن بہت طویل ہوگا۔ ہمیں بہرطور سبزحویلی کی طرف سے گزرنا ہوگا اور پھر میری دلی خواہش ہے کہ خان جلال سے مڈبھیڑ ہوجائے"۔

"اگر خان جلال سے ملاقات ہوگئی زبیرخان! تو کیا تم خود کو اس پر ظاہر کردو گے جیسا کہ تم نے فون پر مجھ سے بات کرنے کے دوران کیا تھا!"

"تو کیا میں چوروں کی طرح اسے ماروں گا!" زبیرخان نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے!" میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"یہ تو ہمارے ہاں کا دستور ہے دوست! اگر ہم دوسرے کسی سے انتقام لے لیں تو اس انتقام میں لذت نہیں ہوگی اور نہ ہی اسے کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ مزا تو یہ ہے کہ مرنے والے کو یہ علم ہو جائے کہ اس نے کونسی بات پر موت کا مزہ چکھا ہے؟"

"گویا تم اسے للکار کر مارو گے؟"

"ہاں ہاں مردوں کی یہی شان ہے!"

"لیکن یہ بات کرنل جہانگیر کے مفاد کے خلاف ہوگی۔ جلال خان اگر ہمیں مل بھی جائے تو پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ کرنل جہانگیر والے معاملے میں کس قدر ملوث ہے؟ اس سے دوسرے مجرموں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوں گی' اس کے بعد ہی اسے قتل کرنا مناسب ہوگا!"

"تو ٹھیک ہے' اسے قتل کرنے سے پہلے ہم اس سے یہ باتیں معلوم کریں گے!" زبیرخان بولا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ پہلے پوری دلجمعی سے ہمیں اپنے کام کرنے ہوں گے' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی صورت دیکھ کر تم جذباتی ہو جاؤ اور اسے فوراً قتل کردو!"

"نہیں۔ گو میرے لئے یہ مشکل بات ہے کہ اپنے باپ کے قاتل کو دیکھوں اور خود پر قابو رکھوں لیکن میں تمہاری ہدایات کا خیال رکھوں گا!"

"شکریہ زبیرخان! میرا خیال ہے اب ہم آگے بڑھیں۔ گھوڑوں کی غیرموجودگی سے بڑی تکلیف ہوگئی لیکن بہرحال.........!" اور زبیرخان تیار ہوگیا۔ تب ہم نے ایک سمت اختیار کی اور اس پر متفق ہو کر چل پڑے۔ ظاہر ہے سفر زیادہ تیزرفتاری سے نہیں طے ہو سکتا تھا' اس کے باوجود ہم میں سے کوئی کمزور نہیں تھا۔ ہم چلتے رہے۔ سورج پوری طرح ابھر آیا تھا اور مناسب روی سے سفر کر رہا تھا۔ ہم اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ نہ ہی اس میدانی علاقے میں کوئی شکار نظر آیا۔ ہاں پانی جگہ جگہ مل جاتا تھا چنانچہ کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی اور سورج ڈھل گیا۔

زبیرخان طویل عرصہ قبل کی یادداشت کے سہارے چل رہا تھا ویسے اس نے.......... چند نشانات کے بارے میں پہلے سے بتادیا تھا اور وہ نشانات ملتے جارہے تھے۔ اس لئے کسی قدر اطمینان تھا کہ ہم درست راستے پر چل رہے ہیں۔ زبیرخان کو اس پختہ سڑک کی تلاش تھی جو سبزحویلی سے حسن پور جاتی تھی۔ یہ سڑک بھی کافی پرانی تھی اور زبیرخان اپنے باپ کی زندگی میں اس پر کئی بار سفر کرچکا تھا۔

سورج ڈوبنے سے قبل ہم نے ایک جگہ رات کے قیام کے لئے منتخب کرلی۔ یہ ایک بلند اور مسطح چٹان تھی جس پر سبزہ بھی تھا۔ تمام دن کی مشقت کے بعد پیٹ خوراک طلب کررہے تھے لیکن خوراک کا حصول ناممکن تھا۔ طبیعت میں کسی قدر اضمحلال پیدا ہوگیا تھا۔ زبیرخان نے بھی زیادہ گفتگو نہیں کی اور ہم دونوں چٹانوں پر دراز ہوگئے۔ آسمان پر اکادکا تارے نظر آرہے تھے۔ میں خاموشی سے ان تاروں کو دیکھتا رہا تب اچانک زبیرخان نے مجھے پکارا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "میرا خیال ہے بھوک نے ہم دونوں کی زبان بند کردی ہے۔ کیا تمہیں نیند آرہی ہے؟"

"نہیں!"

"تو پھر کوئی بات کرو!"

"تم خاموش تھے' اس لئے میں نے بھی خاموشی اختیار کی!!"

"سچ بات تو یہ ہے دوست کہ مجھے شدید بھوک لگ رہی ہے۔ میں اس کا اعتراف کررہا ہوں لیکن یہ بھوک مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی!"

"اوہ' بے شک تم بے حد توانا ہو"۔

"تمہاری شخصیت ابھی تک میرے ذہن میں الجھی ہوئی ہے شباب!"

"کیوں؟"

"کرنل جہانگیر کا کہنا ہے کہ تم معاوضہ لے کر ان کی مدد کے لئے آئے ہو اور تمہاری ٹیم مناسب معاوضہ لے کر دوسروں کی مدد کرتی ہے کیا یہ دوست ہے؟"

"ہاں بالکل"۔

"لیکن میرے دوست! اس معاوضے کے لئے تم اس طرح اپنی زندگی خطرات میں ڈال دیتے ہو؟"

"خطرات تو زندگی کے گزرنے والے ہر لمحے میں پوشیدہ ہوتے ہیں ان سے مفر کہاں ہے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن معاوضے پر کام کرنیوالوں کے سینے میں وہ جذبے کہاں پرورش پاتے ہیں، جو ناقابل یقین کارنامے انجام دیتے ہیں"۔

"اپنے پیشے سے دلچسپی یہ جذبے پیدا کرتی ہے!"

"پیشہ ورانہ جذبوں اور حقیقی جذبوں میں بہرحال فرق ہوتا ہے!"

"اور اگر پیشہ ہی شوق بھی ہو تو..........!" میں نے سوال کیا۔

"یہ دوسری بات ہے!" زبیر خان کسی قدر الجھے انداز میں بولا۔ اور اسی وقت ایک آواز ہمارے کانوں میں ابھری اور ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ ڈھول کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجیرے بج رہے تھے۔ آواز کافی صاف تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ زیادہ دور نہیں ہے!

"غول بیابانی!" زبیر خان مسکرایا۔

"یہی لگتا ہے"۔

"ملاقات کرو گے؟"

"آؤ!" میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ ہم دونوں چٹان پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ شمال کی طرف ایک بڑے ٹیلے کی آڑ سے روشنی نظر آرہی تھی۔ جو کوئی تھا اس ٹیلے کے عقب میں تھا۔ "یہاں رک کر تو اس موسیقی سے لطف اندوز ہونا حماقت ہے۔ دیکھیں تو سہی کون ہے؟"

"چلو"۔ میں نے کہا اور ہم چٹان سے نیچے اترنے لگے۔ اور پھر روشنی کی سمت اختیار کرکے چل پڑے۔ دور کی پہاڑیوں سے چاند بلند ہورہا تھا۔ تھوڑی دیر تک ہم اس

آواز کے سہارے خاموشی سے چلتے رہے پھر زبیر خان نے پوچھا۔ "کبھی ان چیزوں سے بھی واسطہ پڑا ہے؟ میرا مطلب بھوت پریت سے ہے؟"

"اتفاق سے نہیں!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"بچپن میں بے شمار کہانیاں سنی ہیں۔ آباؤاجداد قسم کھا کر اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات سناتے تھے لیکن مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا"۔

"یہ کون لوگ ہوسکتے ہیں؟"

"نزدیک جاکر ہی معلوم ہوگا!" زبیر خان نے کہا اور ہم آگے بڑھتے رہے۔ وہ ٹیلا نزدیک آتا جارہا تھا جس کے عقب سے روشنی ابھر رہی تھی۔ اور پھر ہم اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ ڈھول اور پیتل کے ساز کی آواز کے ساتھ ہی گھنگھروؤں کی جھنکار ابھر رہی تھی اور آوازیں اور قہقہے بھی سنائی دے رہے تھے۔ "ضرور کوئی گڑ بڑ ہے ورنہ..........!"

"ورنہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"ان ویرانوں میں آبادیاں کہاں ہوتی ہیں؟"

"جو کچھ ہے سامنے آجائیگا؟" میں نے بے خوفی سے کہا اور جو کچھ تھا سامنے آگیا۔ ٹیلے کے دوسری جانب لاتعداد خیمے لگے ہوئے تھے جن میں روشنیاں ہورہی تھیں۔ بہت سے مشعل بردار ٹیلے کے بالکل نزدیک ایک دائرہ بنائے کھڑے تھے اور دائرے کے درمیان ایک آتش بدن رقص کر رہی تھی۔ خانہ بدوشوں کے روایتی لباس میں ملبوس، پورے لباس میں روپہلے سکے جڑے ہوئے تھے۔ شیشے بھی لگے ہوئے تھے اور جب کسی مشعل کی روشنی ان پر منعکس ہوتی تو لڑکی کے وجود پر ستارے چمکنے لگتے۔ یوں بھی وہ بہت حسین تھی۔ دو چوٹیاں رقص کے زاویوں کے ساتھ جنبش کر رہی تھیں۔ بھرا بھرا بدن تھا اور عضو عضو سے مستی ٹپک رہی تھی۔ وہ بڑی محویت کے عالم میں رقص کر رہی تھی اور دیکھنے والے بے خود ہورہے تھے۔

"خانہ بدوش!" زبیر خان ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"ہمارے اندیشے بے بنیاد نکلے!" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہاں، شاید ارواح خبیثہ ہماری تقدیر میں ہی نہیں ہیں!" زبیر خان مایوسی سے بولا۔

"یہ نہ کہو زبیر خان!"

"کیوں؟" وہ چونک کر بولا۔

"خان جلال کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے ہنس کر کہا اور زبیرخان سنجیدہ ہوگیا۔ اوہ' اس کے لئے تو میں خود ایک خبیث روح بن جاؤں گا۔ چور نظر تو آئے"۔ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اور میں گردن ہلا کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جس کی پیشانی پر پسینے کے قطرات سجے ہوئے تھے۔

"کیا ان لوگوں کے سامنے آنا مناسب ہوگا؟" میں نے اچانک زبیرخان سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"اب جب یہ مل ہی گئے ہیں تو کیوں نہ ان سے خوراک طلب کی جائے"۔

"سوچ لو۔ کافی تعداد ہے۔ اگر بات بگڑ گئی تو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا!" زبیرخان نے کہا۔

"دیکھا جائے گا یار! لیکن ایک بات کا وعدہ تمہیں کرنا ہوگا!"

"کیا؟"

"میں ان سے گفتگو کروں گا ' تم اس میں دخل نہیں دو گے۔ بعض اوقات مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے"۔

"ٹھیک ہے اب میں بالکل ہی گھوڑے کے دماغ کا مالک نہیں ہوں۔ میں سمجھ گیا تم اس سے کیا کہو گے؟" زبیرخان نے کہا۔

"بتاؤ؟"

"خان جلال کے نام کا سہارا لو گے!"

"ٹھیک سمجھا تم نے ۔ یہ بھی پتہ چل جائیگا کہ خان جلال کے علاقے میں ان لوگوں کی موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے"۔

"لڑکی بہت اچھی رقاصہ ہے۔ ذرا اس کا رقص دیکھو"۔ زبیرخان نے شاید بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔ میں خاموشی سے رقص دیکھنے لگا۔ ڈھول کی آواز اب طوفانی ہوگئی تھی اور لڑکی کے قدم بھی اسی تیزرفتاری سے اٹھنے لگے تھے۔ پھر رقص عروج پر پہنچ کر رک گیا۔ ڈھول کی آواز بند ہوگئی۔ خانہ بدوش تالیاں بجارہے تھے۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر دو تین مرد لمبے لمبے چاقو لئے اس دائرے میں آگئے اور رقص کے انداز میں کرتب دکھانے لگے لیکن یہ وقت زیادہ طویل نہیں تھا اس کے بعد دو آدمی ایک موٹی سلاخ لے کر دائرے میں آئے اور انہوں نے وہ سلاخ درمیان میں ڈال دی۔ تین چار

آدمی ایک چٹان نما پتھر کو دھکیلتے ہوئے لائے اور اسے بھی ایک طرف ڈال دیا گیا اور اس کے بعد ایک شخص خانہ بدوشوں کے روایتی لباس میں اس دائرے میں آیا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس پٹی میں ایک خوبصورت پر اڑسا ہوا تھا۔ اس شخص کو دیکھ کر اچانک میرے بدن میں گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مجھے اپنی بصارت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ ۔ کیونکہ یہ میرا ساتھی شارق تھا۔ سوفیصدی شارق۔ صرف لباس بدلا ہوا تھا ورنہ جسامت ' خدوخال............

شارق دائرے میں آیا اور اس نے جھک کر لوہے کی سلاخ اٹھالی۔ "ارے' دفعتاً" زبیرخان کے منہ سے بھی حیرت بھری آواز ابھری۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے میرا شانہ دبایا"۔ شہاب' شہاب یہ............"

"سوفیصدی وہی ہے۔ تم بھی پہچان گئے؟" میں نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"تمہارا ساتھی ہے نا............ وہ جو غائب ہوگیا تھا!"

"ہاں۔ اس کا نام شارق ہے!"

"لیکن............ یہ............ یہاں کہاں؟"

"خدا بہتر جانتا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ ہم دونوں شارق کو دیکھنے لگے جس نے سلاخ ہاتھوں میں اٹھالی تھی اور پھر اس نے سلاخ پر قوت صرف کی اور اس کو موڑ کر اس کے دونوں سرے آپس میں ملادیئے۔

"کوئی ہے جو اس سلاخ کو سیدھا کردے!" ایک آواز ابھری لیکن مجمع میں سے کسی نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔

"بہت طاقتور ہے وہ! لیکن وہ ان کے درمیان ۔ کیا یہ صحیح الدماغ ہے۔ کیا کسی خاص مقصد کے تحت وہ ان میں شامل ہوا ہے؟" زبیرخان نے آہستہ سے کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے زبیرخان! ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ ان حالات میں ہمیں ان خانہ بدوشوں کے سامنے جانا چاہیے یا نہیں؟" میں نے کہا۔

"کیوں نہ جانے کی کیا وجہ ہے؟"

"بس میرے ساتھی کے کسی مفاد کو نقصان نہ پہنچے!"

"ہم اس سے اجنبیت کا اظہار کریں گے۔ کیا ضروری ہے کہ اس سے شناسائی ظاہر کی جائے۔ اگر اس کا کوئی نقصان ہوا تو وہ خود ہم سے رابطہ قائم کرے گا۔ یوں بھی وہ

اس طرح مل گیا ہے تو اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا!"

"ہاں' یہ تو درست ہے لیکن آخر وہ............ خیر............ آؤ دیکھو میرا خیال ہے پتھر کئی من وزنی ہوگا"۔ میں نے زبیرخان کو متوجہ کیا اور زبیرخان بھی شارق کو دیکھنے لگا جس نے وہ بڑا ہوا پتھر جسے کئی آدمی گھسیٹ کر لائے تھے' سر سے بلند کیا ہوا تھا۔ پھر اس نے پتھر نیچے پھینک دیا۔

"ہے کوئی جو اس پتھر کو سر سے بلند کردے؟" وہی آواز پھر ابھری لیکن اس بار بھی کوئی آگے نہ بڑھا اور شارق واپس مجمع میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد دو لڑکیاں رقص کے لباس میں دائرے کے اندر آگئیں۔

"اوہ' کیا یہ کمبخت سوتے نہیں ہیں۔ یہ سلسلہ تو ساری رات جاری رہے گا۔ کیا خیال ہے سامنے آئیں زبیرخان نے کہا۔

"آؤ!" میں آمادہ ہوگیا اور ہم ٹیلے کے عقب سے نکل کر ان کے سامنے پہنچ گئے۔ بہت سوں کی نگاہیں ہم پر پڑی تھیں اور ڈھول رک گئے۔ ایکدم سناٹا چھاگیا۔ وہ سب ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ہم لوگ پروقار انداز میں چلتے ہوئے مجمع کے قریب پہنچ گئے۔ مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ تبھی ایک یک چشم اور طویل القامت آدمی اپنی جگہ سے اٹھا اور مجمع کو چیرتا ہوا ہماری طرف آیا لیکن اس کے انداز میں کوئی غلط کیفیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ آہ۔ بڑے لوگ ہمارے درمیان۔ خوش آمدید خوش آمدید۔ کھیل کود کے اس مشغلے کو ضرور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ آیئے تشریف رکھیے' تشریف رکھیے۔ وہ سر خم کرکے بولا اور ہم دونوں خاموشی سے اس کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ دو نفیس اور جدید کرسیاں ہمارے لئے رکھی گئیں اور ہم بیٹھ گئے۔ "آہ! کس قدر خوشی ہوئی ہے آپ لوگوں کی آمد سے' میں بیان نہیں کرسکتا۔ آپ شاید نگران ہیں لیکن ہمیں عظیم خان جلال کی سرپرستی حاصل ہے۔ ان کی اجازت سے ہم یہاں فروکش ہیں!"

"خان جلال کو تمہاری موجودگی کا علم ہے؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"مفصل۔ مفصل۔ بھلا مجال ہے کسی کی کہ وہ پہاڑوں کے شہنشاہ کی اجازت کے بغیر اس کی قلمرو میں قدم رکھے"۔

"تب ٹھیک ہے۔ ورنہ ہمارے ساتھی تو یہاں حملہ آور ہونے کے بارے میں سوچ رہے تھے"۔

"آہ ہم بے ضرر لوگ تو کسی کے لئے نقصان دہ نہیں ہیں۔ ناچ گا کر کرتب دکھا کر پیٹ پالنے والے!" ایک آنکھ والے نے عاجزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے خان کی پناہ میں آئے ہوئے کسی گندے جانور کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تم آرام سے رہو"۔

"رقص جاری رکھا جائے۔ بڑے آدمی محظوظ ہوں گے!" یک چشم نے چیخ کر کہا اور ڈھول پھر بجنے لگے۔ "آپ کی کیا تواضع کی جائے؟" اس نے جھک کر کہا۔

"زندگی پہاڑوں میں گزارتے ہوئے ہم نعمتوں سے محروم ہیں۔ کھانے کے لیے کچھ ہو تو منگاؤ!" میں نے نے کہا اور کانے نے گردن خم کردی۔ پھر اس نے اپنے عقب میں بیٹھے ہوئے شخص سے جھک کر کچھ کہا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے زبیرخان کو آنکھ ماری تھی اور زبیر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی شخص خوان لے کر حاضر ہوگیا۔ کانے کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے جگہ خالی کردی اور خوان ہمارے سامنے رکھ دیا گیا۔ کیا عمدہ کھانا تھا۔ بھنے ہوئے تیتر' کھجوروں کا حلوہ' ہرن کا گوشت اور نہ جانے کیا کیا۔ ایسے ٹوٹے کھانے پر ہم دونوں کے رقص وغیرہ کچھ یاد نہیں رہا اور پھر جس حد تک ہم کھا سکتے تھے' کھایا۔ جو بچ گیا اس کے لئے افسوس ہونے لگا کہ یہ کیوں نہ کھا سکے۔ اس کے بعد عمدہ قسم کا قہوہ۔ کھانے کے دوران خانہ بدوش سردار خان جلال کی شان میں قصیدہ خوانی کرتا رہا تھا اور کئی بار زبیرخان کا ہاتھ کھاتے کھاتے رک گیا تھا۔

رقص و سرور کی محفل کافی رات گئے تک گرم رہی۔ ایک بار پھر وہی حسینہ رقص کے لئے آئی تھی جو پورے قبیلے میں شاید سب سے خوبصورت تھی۔ میں نے احتیاطاً شارق کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ سردار جوفان سے باتیں ہوتی رہی تھیں اور میں نے باتوں ہی باتوں میں اسے اپنا دوست بنالیا تھا۔ پھر محفل ختم ہوگئی اور سردار بولا۔ "اب رات میں کہاں جاؤ گے بڑے لوگو! میں ایک خیمے میں تمہارے آرام کا بندوبست کئے دیتا ہوں!"

"تمہارا بہت بہت شکریہ سردار! ہم جب خان سے ملیں گے تو تمہاری مہمان نوازی کا ذکر کریں گے!"

"خان ہمارا سرپرست ہے۔ اگر وہ ہماری سرپرستی نہ کرے تو ہم اپنا کاروبار ہی نہ

کرسکیں!" سردار نے ممنونیت سے کہا۔

"ہم سمجھتے ہیں' ویسے تمہارا کیا کاروبار ہے؟"

"اسمگلنگ! آجکل اس سے اچھا کاروبار اور کونسا ہوسکتا ہے؟" سردار نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور میں خواہ مخواہ ہنسنے لگا۔ پھر سردار جوفان نے ہمیں ہمارا خیمہ دکھا دیا اور تاکید کردی کہ ہم کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ ہم نے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا تھا۔ اندر واقعی آرام دہ بستر لگے ہوئے تھے۔ میں اور زبیرخان ان بستروں پر لیٹ گئے۔

"یوں لگتا ہے شہاب جیسے یہ سارے رازہائے سربستہ ہمارے منتظر تھے۔ کیا سیرگاہ میں داخلہ ہمارے لئے کامیاب ترین قدم نہیں رہا ہے؟"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے زبیرخان!" میں نے احتراماً گردن ہلائی۔

"یہ بات ثابت ہوئی کہ خان جلال کا کچھ غیرملکی لوگوں سے تعلق ہے اور یہ غیرملکی لوگ تیل کی تلاش میں آنے والی کمپنیوں میں شامل ہو کر آگئے ہیں۔ خان جلال سرحد کی روایات کی مٹی پلید کرتے ہوئے گندے کاموں میں مصروف ہے۔ وہ اسمگلنگ بھی کرتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ تمہارا آدمی بھی ان لوگوں کے درمیان موجود ہے!!"

"ہاں' لیکن شارق ان لوگوں میں کیوں شامل ہوا؟" میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور زبیرخان مسکرانے لگا۔

"کرنل جہانگیر بار بار کہتا تھا کہ ڈاکٹر برہان کے کارندے بے حد ذہین ہیں اور سچی بات یہ تھی کہ اس وقت مجھے کرنل کی یہ بات زیادہ پسند نہیں آئی تھی لیکن تمہارے ساتھ رہ کر مجھے کرنل کے خیال سے اتفاق ہے!"

"اس وقت اس کا تذکرہ کیوں ہوا؟"

"تمہارا ذہین ساتھی بھی ممکن ہے خان جلال کے راستے پر ہو اور اسی لئے ان میں شامل ہوا ہو۔"

"میرا خیال اس سے مختلف ہے!"

"کیا؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"شارق اس طرح غائب نہ ہوجاتا۔ وہ کوئی اشارہ ضرور چھوڑتا ہمارے لئے۔ بہرحال یہ بھی ممکن ہے کہ اسے موقع نہ ملا ہو۔ لیکن اب یہ سوال ہے کہ ہم چند روز ان

لوگوں کے ساتھ کس طرح گزاریں؟" میں نے کہا۔

"زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ یہ لوگ خان جلال کی سرپرستی میں اسمگلنگ کرتے ہیں اس لئے ان کے بے حد ممنون ہیں اور ہر بات آنکھ بند کرکے مان لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تم کافی صاف گو اور بے جھجک انسان ہو' ان سے کہہ سکتے ہو کہ تم کچھ دن ان کے ساتھ گزارو گے!"

"میری صاف گوئی کا اندازہ کیسے لگایا تم نے؟"

"یار بھوکا میں بھی تھا تمہاری طرح لیکن میں رات کو چرا کر کھانا کھا سکتا تھا۔ مانگنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ تم نے نہایت اطمینان سے..........!"

"اوہ!" میں ہنس پڑا۔ بہرحال میرے ذہن میں ایک ترکیب آگئی ہے اب آرام کرو' صبح کو ہم اس پر عمل کریں گے!"

"یقیناً کوئی اچھی ترکیب ہوگی۔ لیکن ہمارے یہاں قیام میں صرف ایک گڑبڑ کا اندیشہ ہے"۔ زبیرخان نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"اگر اتفاق سے سچ مچ محافظ یا نگران پہنچ گئے۔ ممکن ہے ہمیں تلاش کرنیوالے ہی کسی طرف سے نکل آئیں"۔

"قبل ازوقت ہے زبیرخان! جب آئیں گے تب دیکھا جائے گا۔ سوجاؤ!" میں نے کروٹ بدل کر کہا اور زبیرخان خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی اور پھر گہری نیند سوگئے۔

دوسری صبح جس وقت جاگے تو سورج چڑھ چکا تھا۔ خاصا وقت ہوگیا تھا۔ ہم خیمے سے نکل آئے۔ خانہ بدوش اپنی اپنی مصروفیات میں لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"آپ لوگ ناشتہ کرلیں۔ سردار نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے!"

"ٹھیک ہے' لے آؤ"۔ میں نے کہا اور زبیرخان کا ہاتھ پکڑ کر واپس خیمے میں داخل ہوگیا۔ زبیرخان ہنس پڑا۔ "تمہاری بے فکری قابل داد ہے!" اس نے بھاری لہجے میں کہا اور میں بھی مسکرا پڑا۔ "ہاں یار' اب جو کچھ کرنا ہے' کھانے پینے کے بعد ہی شروع کرنا چاہیے"۔ میں نے جواب دیا۔

"لیکن رات کو تمہارے ذہن میں کیا ترکیب آئی تھی؟"

"کوئی خاص نہیں۔ بس یہاں قیام کرنا مقصود ہے نا۔ ہم ابھی سردار جوفان سے ملیں گے اور اس سے اجازت طلب کریں گے۔ تھوڑی دور تک جائیں گے اور اس سے کہہ دیں گے کہ ہمارے ساتھی کہیں گشت کرتے ہوئے دور نکل گئے ہیں اور ہمارے گھوڑے بھی لے گئے ہیں' ان حالات میں ہمیں ان کا انتظار کرنا ہوگا اور ظاہر ہے اس ویرانے میں کسی پہاڑی چٹان پر بیٹھ کر تو انتظار نہیں کیا جاسکتا' اس کے لیے انہی لوگوں میں شامل رہنا ہوگا"۔

"واہ! زبردستی کے مہمان بننا خوب آتا ہے تمہیں!" زبیرخان نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لئے ناشتہ آگیا جو بلاشبہ عمدہ تھا اور ہم بھی اس کے ساتھ خوب انصاف کررہے تھے۔ یک چشم سردار صورت سے کافی خطرناک معلوم ہوتا تھا لیکن خان جلال کے محافظوں کے سامنے شاید وہ چوہا بنا رہتا تھا۔ خان نے ان لوگوں پر بھی اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ اس نے مصنوعی عاجزی سے کہا۔ "بڑے لوگ اس حقیر سی مہمان نوازی سے خوش تو نہ ہوں گے!"

"نہیں جوفان! تمہارا شکریہ!" ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ خان سے تمہاری اس محبت کا تذکرہ کریں گے اور تمہیں زیادہ سے زیادہ مراعات دلانے کی کوشش کریں گے!"

"بڑے لوگ بے شک رحمدل ہوتے ہیں!" جوفان نے گردن خم کرتے ہوئے کہا اور پھر میں نے اسے مخاطب کیا۔ "تو پھر جوفان! ہمیں اجازت دو' ہمارے ساتھی منتظر ہوں گے!!"

"اوہ' کیا حرج تھا اگر کچھ روز ہمارے درمیان ہی گزار لئے جاتے۔ تاہم میں بڑے لوگوں کو ان کے فرض کی ادائیگی سے نہیں روکوں گا! اس نے گردن خم کی اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

مکار آدمی ہم جا کہاں رہے ہیں' ابھی آرہے ہیں۔ میں نے دل ہی دل میں کہا اور ہم دونوں جوفان سے مصافحہ کرکے رخصت ہوگئے۔ جوفان ہمیں تھوڑی دور تک چھوڑنے کے لئے آیا تھا۔ ہم دونوں چل پڑے۔ جانا کہاں تھا بس خواہ مخواہ چار گھنٹے ادھر ادھر چکراتے رہے اور پھر چہروں پر پریشانی کے آثار طاری کئے واپس خانہ بدوشوں کے قبیلے میں پہنچ گئے۔ اتفاق کی بات تھی کہ سب سے پہلی ملاقات جوفان ہی سے ہوئی تھی'

اس نے ہمیں دیکھ کر حیرت اور پھر خوشی کا اظہار کیا اور میں نے بڑی افسردہ سی شکل بناتے ہوئے کہا۔ "معاف کرنا جوفان! ہمارے ساتھی انتہائی احمق معلوم ہوتے ہیں! ہم لوگ تو اس طرف آئے اور شاید وہ کہیں گشت کرتے ہوئے دور نکل گئے۔ بدقسمتی سے ہمارے گھوڑے بھی انہی کے پاس تھے وہ گھوڑے لے گئے ہیں۔ ممکن ہے ان کا خیال ہو کہ ہم تمہارے ساتھ دو تین دن قیام کریں گے۔ ویسے تمہاری رقص و سرود کی محفلیں ہم لوگوں میں کافی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ چنانچہ ممکن ہے ہمارے ساتھیوں نے سوچا ہو کہ اب ان رقص و سرود کی محفلوں سے نکل کر فوری طور پر واپس آنا بڑا مشکل کام ہے۔ تو میرے عزیز دوست! ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ ہی قیام کریں گے جب تک کہ ہمارے ساتھی واپس نہ آجائیں۔ ویسے یہ قیام زیادہ طویل نہیں ہوگا۔ یقیناً وہ ایک دو دن کے بعد یہاں سے گزریں گے!"

"آہا' ضرور ضرور' جہاں بڑے آدمیوں کا قیام ہو وہاں تو برکتیں ہی برکتیں ہوتی ہیں۔ ہم تمہیں معزز مہمانوں کی حیثیت سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ تمہارا خیمہ خالی ہے' آرام سے رہو اور اس وقت تک رہو جب تک کہ تمہارے ساتھی واپس نہ آجائیں۔ جوفان کے پاس تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی!"

"بہت بہت شکریہ جوفان! ہم تمہارے بے حد شکرگزار ہیں!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور جوفان نے گردن ہلادی۔ وہ ہمیں ہمارے خیمے تک چھوڑنے آیا تھا پھر اس نے چند لوگوں کو ہماری خدمت کی ہدایت کردی اور پھر ہم سے اجازت لے کر چلا گیا۔

زبیرخان کے ہونٹوں پر ہنسی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے کئی بار گردن جھٹکی اور پھر بول ہی پڑا۔ "یک چشم خانہ بدوش دل میں نہ جانے کیا سوچ رہا ہوگا!"

"جو کچھ سوچ رہا ہوگا' کہہ نہ سکے گا' اس لئے فکر مت کرو۔ آؤ خانہ بدوشوں کی سرگرمیاں دیکھیں اور شارق کو تلاش کریں"۔ میں نے جواب دیا اور ہم دونوں خیموں سے نکل آئے۔ مختلف لوگ مختلف مشاغل میں مصروف تھے۔ کھانے کا وقت قریب آتا جارہا تھا اس لئے زیادہ تر خیموں کے سامنے آگ روشن تھی اور لوگ کھانا پکانے میں مصروف تھے!

ایک دوردراز خیمے کے سامنے لکڑی کی ٹکٹکی لگی ہوئی تھی جس کے نیچے آگ روشن تھی اور لوہے کی ایک سلاخ میں ایک سالم بکرا اڑسا ہوا تھا لیکن بکرے کو بھوننے

والی وہی لڑکی تھی جسے ہم نے رات کو شعلے کی مانند لپکتے دیکھا تھا۔ بکھرے ہوئے بال اور آگ کی تپش سے گلابی چہرہ اس وقت بھی غضب کا حسین لگ رہا تھا۔ میں نے زبیر خان کو اشارہ کیا اور وہ بھی گردن ہلانے لگا۔ "بے حد حسین ہے زبیر خان! کیا تم اس کے حسن سے متاثر نہیں ہو!"

"اب میں اس عمر سے نکل گیا ہوں!" زبیر خان نے جواب دیا۔

"گویا بوڑھے ہوگئے ہو؟"

"عورتوں کی حد تک!"

"کبھی جوان ہوئے تھے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جوانی جب آئی تو میں سو رہا تھا چپکے سے گزر گئی یا پھر میں نے اسے دیکھا ہی نہیں!"

"فضول بات ہے!" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"ہر مشن کی تکمیل کے لئے زندہ رہنا زندگی ہے اور زندگی کا ثبوت یہی ہے کہ انسان اس کے سارے لوازمات میں دلچسپی لے!"

"روایت سمجھ لو' جذباتیت سمجھ لو' جو دل چاہے سمجھ لو لیکن اپنی خوشی کے لئے اگر کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو باپ کی لاش سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ اس کے چہرے پر ایک سوال ہوتا ہے کیا اس خون کی آسودگی اولیت رکھتی ہے جو بے دردی سے بہادیا گیا!" زبیر خان نے جذباتی لہجے میں کہا اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔ میں اس کے ان جذبات کا مذاق نہیں اڑا سکتا تھا!

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہم دونوں اس لڑکی کے قریب پہنچ گئے جو بڑی محویت سے بکرا بھون رہی تھی۔ اس نے خوبصورت آنکھیں اٹھا کر ہمیں دیکھا۔ "مہمان!" وہ مسکرائی۔

"تمہیں علم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں!"

"رات کو ہم نے تمہارا رقص دیکھا تھا۔ بہت عمدہ رقص کرتی ہو"۔

"گالا بھی یہی کہتا ہے!" لڑکی انبساط سے بولی۔

"گالا............ گالا کون ہے؟"

"میرا محبوب............ میری روح............ لڑکی نے آگ کریدتے ہوئے جواب دیا اور اسی وقت اندر سے آواز آئی۔ "سخت بھوک لگی ہے جویا! تم بکرا بھون رہی ہو یا گینڈا!" اور لڑکی ہنس پڑی۔ لیکن میں سنجیدہ ہوگیا تھا۔ یہ آواز شارق کے سوا اور کسی کی نہیں تھی۔ میں نے زبیر خان کی طرف دیکھا لیکن زبیر خان شاید شارق کی آواز نہیں پہچان سکا تھا............

"بس تھوڑی دیر اور ہے گالا!" اس نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"ذرا جلدی کرو!" اندر سے آواز آئی اور لڑکی آگ تیز کرنے لگی۔

چند ساعت خاموش رہنے کے بعد بولی۔ "بس ذرا سی بھوک کی برداشت نہیں ہے اسے' بے چین ہو رہا ہے"۔

"ہمیں نہیں ملاؤ گی اپنے محبوب سے؟" میں نے آہستہ سے کہا اور وہ نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی۔ "ملو گے؟"

"کیوں نہیں۔ تمہارا محبوب بھی تمہاری طرح لاتعداد خوبیوں کا مالک ہوگا!"

"وہ کیا ہے' تم نہیں سمجھو گے۔ مرد کا تصور اس کی ذات میں مکمل ہوگیا ہے اور بس!" جویا نے کہا اور اس کی آنکھیں مخمور ہوگئیں۔ پھر وہ ایکدم چونک پڑی۔ "تم نے کھلے جنگل میں مست خوری کرتے ہوئے ببر شیر دیکھے ہیں۔ تم نے قیادت کرنیوالے سفید ہاتھی کو دیکھا ہے جو اپنے پورے غول کا محافظ ہوتا ہے۔ یہ صفات میرے محبوب میں یکجا ہیں۔ رزم میں بے مثال اور بزم میں لاجواب۔ لیکن............ اچانک وہ ہنس پڑی۔ "لیکن ذرا انتظار کرو۔ بھوکے بھیڑیے خوش اخلاق نہیں ہوتے ذرا اس کا پیٹ بھر جانے دو"۔

"جویا!" اندر سے ایک دہاڑ سنائی دی۔

"بس تھوڑی دیر اور!" جویا محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"نہیں اب بالکل نہیں' جیسا بھی ہے' لے آؤ!" دہاڑ دوبارہ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی خیمے کا پردہ ہٹا اور جویا کا محبوب باہر نکل آیا۔ بلاشبہ شارق شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے بارے میں تھوڑا بہت میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں لیکن خانہ بدوشوں کے اس قبیلے میں زندگی گزارتے ہوئے اس کی شخصیت کچھ اور نکھر گئی تھی۔ رات کو ہم نے اسے دیکھا تھا لیکن اسکی شخصیت کا یہ نکھار ہماری نگاہ میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت میں نے

اسے دیکھا اور دیکھ کے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ شارق نے ہماری طرف نگاہیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا' وہ گرسنہ نگاہوں سے بکرے کو دیکھتا ہوا ٹکٹکی کی جانب بڑھا۔

"بس چند لمحات اور!" جویا محبت بھرے انداز میں بولی۔ "میں نے آگ تیز کر دی ہے"۔

"ہرگز نہیں' ہرگز نہیں!" شارق نے ہاتھ آگے بڑھائے اور جویا نے جلدی سے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ "ہاتھ جل جائے گا گالا!" وہ بولی۔

"پیٹ جل رہا ہے' اس کا کیا کروں؟" شارق پیٹ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا اور جویا ہنس پڑی۔ شارق نے ٹکٹکی پر سے گرم سلاخ اٹھالی تھی' ایک لمحے کے لئے شاید اس کی ہاتھوں میں کھولن ہوئی لیکن دوسرے لمحے اس نے بکرے کے بدن پر ہاتھ مار کر اسے سلاخ سے کھینچ لیا۔ اور پھر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے خیمے کے جانب واپس پلٹ گیا۔ بدبخت نے نگاہ اٹھا کر بھی ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ جویا پیچھے پیچھے لپکی۔ "او گالا گال سنو تو سہی' تم اسے خراب کر دو گے!" وہ شارق کے ساتھ ساتھ ہی خیمے کے اندر داخل ہو گئی۔ زبیر خان دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"اگر وہ اتنا ہی وحشی ہے تو لڑکی درست کہتی ہے!" زبیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بس انوکھی شخصیت کا مالک ہے۔ میں نے پہلے بھی اسے دیکھا تھا لیکن اس کا وجود اتنا شاندار نہیں تھا۔ واقعی بھوکا بھیڑیا معلوم ہو رہا تھا پھر لڑکی کے کہنے کے مطابق کھلے جنگل میں ٹہلتا ہوا شیر!" زبیر خان نے کہا۔

"وہ بے پناہ طاقتور ہے۔ اس کی طاقت کا اندازہ تم رات ہی کو لگا چکے ہو زبیر خان!"

"ہاں واقعی!" اور تعجب کی بات یہ ہے کہ طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہے۔ میں نے یہ دوصفات کسی ایک انسان میں یکجا نہیں دیکھیں لیکن اس نے ہماری طرف دیکھا بھی نہیں!"

"ہاں' اس کی کیفیت نارمل معلوم نہیں ہوتی!"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟" زبیر خان بولا۔

"بس میرا اندازہ ہے زبیر خان! ظاہر ہے وہ میرا ساتھی ہے اور میں اس کی

شخصیت سے کافی حد تک واقف ہوں!"

"مگر اب ہم کیا کریں؟" زبیر خان نے کہا

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم تو اس سے ملنے آئے تھے اور اس نے ہماری طرف دیکھا بھی نہیں!" زبیر خان بولا۔

"بھوکے بھیڑیے صرف شکار سے دلچسپی رکھتے ہیں!" میں نے ہنس کر کہا۔

"تو اس سے نہیں ملو گے؟"

"انتظار کرو' اس کے لئے تو یہاں رکے ہیں۔ خیمے میں داخل ہونا معیوب ہو گا ورنہ ہم اندر ہی چلتے!" میں نے جواب دیا اور زبیر خان ٹھوڑی کھجانے لگا۔ پھر بولا۔ "ویسے ان دونوں کے تعلقات کافی گہرے معلوم ہوتے ہیں!"

"لڑکی اسے اپنا محبوب بتاتی ہے!"

"اور وہ خیمے میں یکجا رہتے ہیں!"

"ہاں یہی لگتا ہے!"

"کیا تمہارا ساتھی عورت خور ہے؟"

"شدت پسند تو نہیں' لیکن اس نے تمہاری طرح جوانی کو نظرانداز بھی نہیں کیا!"

"میں خود کو بہتر سمجھتا ہوں۔ اب اس وقت دیکھ لو۔ رات کو تم اس لڑکی کے حسن سے کتنا متاثر ہوئے تھے۔ اگر تمہارے دل میں بھی اس کا حصول' اس کا پیار جاگ اٹھتا تو کیا اس وقت تمہیں شدید مایوسی نہ ہوتی؟"

"ہاں یہ بات تو ہے!"

"عورت سے میں اس لئے بھی الجھتا ہوں۔ خاص طور سے یورپ کی عورت پر تو کوئی بھروسہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ کہیں نہ کہیں مصروف ہوتی ہے اور میں.......... میں ذرا دوسری فطرت کا مالک ہوں' اپنے گھوڑے کو اپنے ہی تصرف میں رکھنا پسند کرتا ہوں۔ اگر وہ ہر ایک کو اپنی پشت پر سوار ہونے دے تو پھر اسے گولی مار دینا ہی بہتر ہوتا ہے!"

"خوب!" میں نے گہری سانس لی۔ اسی وقت جویا باہر نکل آئی وہ مسکرا رہی تھی۔

"مجھے معاف کرنا۔ تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو!"

"تم نے ہمیں اس سے ملانے کا وعدہ کیا تھا نا؟"

"ہاں تم اس میں بڑی دلچسپی لے رہے ہو؟"

"وہ ایسی ہی دلکش شخصیت کا مالک ہے۔ واقعی ببر شیر معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گیا"۔

"صدیوں کے خواب پورے ہوئے ہیں میرے! جب وہ میرے پاس نہیں تھا تو میں اسے خوابوں میں دیکھتی تھی اور پھر خواب حقیقت بن گئے!"

"تم اسے بہت چاہتی ہو؟"

"میری دنیا ہی اس کے وجود سے روشن ہے۔ ورنہ تاریکی کے سوا اور کیا ہے؟" لڑکی نے کہا اور زبیر خان نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ کہا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ انگریزی میں بولا۔ "سمجھے.......... اب اس روشن چراغ کو لے کر تم اس پر ظلم کرو گے۔ ویسے خانہ بدوش لڑکی فلسفی اور شاعر بھی معلوم ہوتی ہے"۔

"ہاں یہ فلسفہ عشق ہے لیکن ہوش وحواس کی دنیا میں یہ فلسفہ تسلیم نہیں کیا جاتا!" میں نے کہا اور زبیر خان نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھنے لگا!

"تم لوگ کیا باتیں کرنے لگے؟" لڑکی بولی۔

"تمہاری محبت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ کیا تم اسے بچپن سے چاہتی ہو؟"

"میں.......... میں تو پیدا ہونے سے قبل اسے چاہتی تھی۔ یقین کرو میں تو پیدا ہی اس کے لئے ہوئی تھی!"

"کیا وہ ہمیشہ سے تمہارے ساتھ ہے؟"

"روحانی طور پر وہ ہمیشہ سے میرے ساتھ تھا جسمانی طور پر اب آیا ہے!"

"کہاں سے آیا ہے؟"

"پتھروں سے جنم لیا ہے اس نے' درختوں کی مانند زمین سے اگا ہے جبھی تو دوسروں سے مختلف اور منفرد ہے۔ بڑے بڑے سورما ہیں اس قبیلے میں' لاکھوں دعوئی کرتے ہیں لیکن اس کے آگے سب ہیچ ہیں' وہ میرا غرور ہے۔ سمجھے وہ میرا غرور ہے!"

"اگر وہ بکرا ہضم کر چکا ہو تو اسے ہم سے ملاؤ!" زبیر خان بولا۔ اور لڑکی ٹہلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ میں بھی سنجیدگی سے لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔ بے پناہ چاہتی ہے کمبخت! اگر شارق چلا گیا تو نہ جانے اس کا کیا حشر ہو۔ بہرحال اس کے لئے شارق جیسے آدمی کو ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہمیں کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ تب کہیں جاکر شارق لڑکی

کے ساتھ برآمد ہوا۔ وہ اجنبی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ "یہ ہمارے مہمان ہیں گالا!" لڑکی بولی۔

"تو میں کیا کروں؟" شارق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم سے ملنے آئے ہیں!" لڑکی نے کہا۔

"کس طرح ملیں گے!" شارق نے نیم غنودہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی کیفیت میں بناوٹ نہیں ہے اور وہ واقعی ہمیں پہچان نہیں سکا۔

"اوہ گالا! ان سے باتیں کرو' اپنے مداحوں سے تو گفتگو کرنی ہی چاہیے!"

"تم جانتی ہو کھانا کھانے کے بعد مجھے گہری نیند آنے لگتی ہے!" شارق نے کہا اور لڑکی بے بسی سے ہمیں دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے ہم نے تمہارے محبوب کو دیکھ لیا۔ اب اگر یہ آرام کرنا چاہتا ہے تو اسے آرام کرنے دو!" میں نے کہا اور لڑکی کے کسی جواب کا انتظار کئے بغیر شارق واپس خیمے کی جانب مڑ گیا۔ وہ بلاشبہ مست ہاتھی کی مانند جھومتا ہوا خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔ لڑکی نے معذرت آمیز نگاہوں سے ہمیں دیکھا اور بولی۔ "ایسا ہی ہوتا ہے' ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تک بھوکا رہتا ہے' دہاڑتا رہتا ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو بچوں کی طرح گہری نیند سو جاتا ہے۔ اچھا مجھے یقین ہے تم لوگ برا نہیں مانے ہوگے!" وہ اجازت طلب نگاہوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے بولی اور ہم دونوں نے بیک وقت گردن ہلادی۔ تب جویا بھی خیمے کے اندر چلی گئی اور میں نے گہری سانس لے کر زبیر خان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "شارق یقیناً کسی اور کیفیت کا شکار ہے زبیر خان!" میں نے آہستہ سے کہا اور زبیر خان گردن ہلانے لگا۔ ہم دونوں وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔ دونوں ہی کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ واپس آکر ہم خیمے میں بیٹھ گئے۔ زبیر خان کافی دیر تک کچھ نہیں بولا تو میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا سوچنے لگے زبیر خان؟"

"کوئی خاص بات نہیں' بس تمہارے ساتھی کے بارے میں سوچ رہا تھا!"

"ہاں' لیکن اس کے باوجود اسے یہاں سے لے جانا ضروری ہے!"

"کیا وہ اپنے قدموں سے چل کر جائیگا!" زبیر خان نے سوال کیا۔

"مشکل بلکہ ناممکن' جب وہ ہمیں پہچان ہی نہیں سکتا تو پھر ہمارے ساتھ جانے کو کیوں تیار ہو جائے گا؟"

"تو کیا تم اس مست ہاتھی کو بے ہوش کر کے لے جاؤ گے؟" زبیر خان نے پوچھا۔

"نہیں زبیر خان! کچھ اور ہی سوچنا پڑے گا!"

"تو پھر سوچو" زبیر خان دونوں رانوں پر ہاتھ مار کر بولا۔ اور اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لئے بھی کھانا آ گیا۔ یہاں ان چیزوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ حسب معمول بہترین کھانا تھا۔ آخر ہم سردار جوفان کے مہمان تھے اور جوفان ہم سے بہتر مستقبل کی آس لگائے بیٹھا تھا' کھانے کے بعد ہم پر بھی دیر تک نیم غنودگی کی سی کیفیت طاری رہی۔ اس دوران میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا اور پھر مجھے ایک ترکیب سوجھ ہی گئی۔ میں نے مسکرا کر زبیر خان کی جانب دیکھا لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"سو گئے کیا؟" میں نے سوال کیا اور زبیر خان نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ "نہیں بھائی! سونے کا کیا سوال ہے............؟"

"تو پھر کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں آئندہ اقدامات کے بارے میں غور کر رہا ہوں"۔

"کیا اس واقعہ کے بعد بھی ہمیں سبز حویلی کی جانب جانا چاہیے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نہیں سمجھا!" زبیر خان بغور مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے زبیر خان! ممکن ہے میری رائے سے تمہیں اختلاف ہو اور تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچے لیکن میرے دوست! میرا ساتھی بے حد قیمتی ہے' میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا!"

"میں جانتا ہوں اور نہ ہی میرے دل میں یہ خواہش ہے کہ تم اسے نظر انداز کر دو!" زبیر خان نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں اسے ہر قیمت پر یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں خواہ اس کیلئے کشت و خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے!"

"ٹھیک ہے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ اگر ہم جوفان سے اس بارے میں گفتگو کریں تو وہ بے سود ہو گی۔ شاید ہی وہ کسی ایسی بات پر رضامند ہو"۔

"ہرگز نہیں۔ جوفان سے تو ہم کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ میں نے اس سلسلے میں ایک ترکیب سوچی ہے!"

"کیا؟ زبیر خان نے پوچھا۔

"زبیر خان! کیا تم یہاں سے واپسی کے راستے کا تعین کر سکتے ہو؟"

"کسی حد تک' ہم پختہ سڑک پر پہنچ جائیں۔ بس پھر وہاں سے حسن پور تک سفر کرنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا!" زبیر خان نے جواب دیا۔

"پختہ سڑک کے بارے میں جوفان سے معلومات بھی حاصل کی جا سکتی ہیں!"

"لیکن ہوشیاری سے۔ تمہارے ذہن میں کیا ترکیب آئی ہے؟" زبیر خان نے پوچھا اور میں نے اسے اپنی ترکیب کے بارے میں بتا دیا۔ زبیر خان مجھ سے متفق ہو گیا تھا۔

"بشرطیکہ.........." اس نے کہا۔ "سارے کام ہماری مرضی کے مطابق ہی ہوں!"

سورج آخری سفر طے کر رہا تھا۔ پہاڑوں میں شام جھک آئی تھی۔ خانہ بدوش اب بھی اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ میں اور زبیر خان ٹہلتے ہوئے ان کے درمیان سے گزرتے رہے۔ پھر ہم جوفان کے خیمے کے پاس پہنچ گئے۔ دروازے پر کھڑے ہوئے شخص نے شاید جوفان کو اطلاع دے دی تھی چنانچہ وہ مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ "بڑے لوگوں کو جوفان کا سلام!" وہ بولا۔

"تمہاری شام کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں جوفان!"

"جن دنوں مال کی آمد نہیں ہوتی' ان دنوں سب بیکار رہتے ہیں۔ یہی دن عیش و عشرت کے دن ہوتے ہیں۔ ناچ رنگ' شراب اور گانے کی محفل۔ پھر جب کام کا وقت آتا ہے تو یہ سارے لوگ مستعد ہو جاتے ہیں!!"

"تمہارا اپنا مال کب تک آ رہا ہے؟"

"آئندہ ماہ کی کسی تاریخ کو۔ کسی چیز کی ضرورت ہے مالک؟"

"اوہ نہیں۔ ہم تمہاری مہمان نوازی کے جواب میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ تمہیں اپنے کام میں کوئی الجھن ہو تو بتاؤ!!"

"بالکل نہیں مالک' جب خان کا ہاتھ ہمارے سر پر ہے تو پھر کیا الجھن ہو گی۔ مال آتا ہے تو بازار لگ جاتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتا ہے۔ تیل کالونی میں سب سے زیادہ کھپت ہو جاتی ہے۔ خان کی مہربانی سے حسن پور میں بھی ہم مال بیچ لیتے ہیں"۔

"پولیس تو پریشان نہیں کرتی؟"

"مجال ہے اس کی۔ خان کے بارے میں سب جانتے ہیں!"

"کیا یہ مال تم اندرون ملک نہیں بھیجتے؟"

"کیوں نہیں مالک! باقی مال اندر چلا جاتا ہے!"

"گویا تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے!"

"قطعی نہیں!!"

"پختہ سڑک یہاں سے کتنی دور ہے جوفان!" اچانک زبیرخان نے پوچھ لیا۔

"وہ اس بھوری پہاڑی کے دوسری جانب یہاں سے دو میل کا فاصلہ بھی نہیں ہے!"

"اس علاقے سے گزرنے والے تو ادھر نہیں آجاتے!"

"کبھی کبھی آجاتے ہیں لیکن جوفان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے!" جوفان نے مطمئن انداز میں کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ "بہرحال جوفان ہماری خواہش تھی کہ تمہارے لئے کچھ کرتے۔ اگر تم مکمل طور پر مطمئن ہو تو یہ ہمارے لئے خوشی کی بات ہے۔ خان کے لئے کوئی پیغام ہو تو ہمیں دے دینا!" میں نے کہا اور ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ اب ہمارا رخ جویا کے خیمے کی جانب تھا۔ جویا اور شارق ہمیں خیمے سے تھوڑی دور نظر آئے۔ شارق اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہم دونوں ان کے نزدیک جاکھڑے ہوئے اور جویا ہمیں دیکھ کر مسکرادی۔ "گالا جسمانی مشقت کر رہا ہے!" وہ بولی۔

"رات کو ہم نے اسے وزنی پتھر اٹھاتے دیکھا تھا!" میں نے کہا۔

"پورے قبیلے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے!"

"کیا وہ ہر فن میں طاق ہے؟"

"مکمل طور پر"۔ جویا نے جواب دیا۔

"لیکن فن گھڑسواری میں شاید اسے دسترس نہ ہو!" میں نے کہا اور جویا چونک پڑی۔ اس کے انداز میں ناگواری ابھر آئی۔ "یہ بات تم نے کیسے کہی؟"

"جسمانی کھیل دوسری حیثیت رکھتے ہیں۔ گھوڑے کی سواری دوسرا فن ہے۔ اب ہمیں دیکھو دن رات گھوڑے کی پشت پر ہوتے ہیں۔ چٹانوں میں بسر کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے تمہارا گالا اس فن میں ہم سے مقابلہ نہیں کرسکے گا!" میں نے کہا۔ شارق ایک دم سیدھا ہوگیا۔ وہ ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ "یہ بات تم نے کس طرح کہی۔ کیا تم مجھے للکار رہے ہو؟" وہ بولا۔

"کم ازکم اس فن میں!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم میں سے کون میرا مقابلہ کرے گا؟" وہ شعلہ بار نگاہوں سے ہمیں گھورتا بولا۔

"جس سے تم چاہو بلکہ بہتر ہے دونوں سے مقابلہ کرلو!" میں نے کہا اور شارق کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ اس نے جویا کی جانب رخ کرکے کہا۔ "جویا کیا تم ہم تینوں کے لئے گھوڑے فراہم نہیں کروگی؟"

"کیوں نہیں ویسے یہ ان لوگوں کی زیادتی ہے۔ مہمان ہونے کے بھی کچھ اصول اور کچھ آداب ہوا کرتے ہیں۔ تاہم اگر انہوں نے اس فن میں للکارا ہے گالا تو تم انہیں اس للکار کا جواب دو۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم کسی فن میں کسی سے پیچھے رہو' میں ابھی گھوڑوں کا بندوبست کرتی ہوں!" جویا نے کہا۔

"یہاں ایک احاطے میں ہم نے بہت سارے گھوڑے بھی دیکھتے تھے۔ خانہ بدوشوں کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ ان جنگلوں میں رہنے کے باوجود وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کررہے تھے اور کیوں نہ کرتے' اسمگلنگ کا کاروبار تھا اور خان جلال جیسے بااثر شخص کی حمایت حاصل تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں جویا تین شاندار گھوڑے لے آئی۔ زبیرخان کی آنکھوں میں مسرت کی چمک تھی' وہ میری کوشش کو دل ہی دل میں سراہ رہا تھا۔ گھوڑے مہیا کردیئے گئے اور ہم نے اپنے اپنے گھوڑوں کا انتخاب کرلیا اور انہیں لئے ہوئے آہستہ آہستہ ایک مناسب جگہ پہنچ گئے۔

"ہم اس بھوری چٹان کی دوسری جانب تک جائیں گے اور وہاں سے واپس آئیں گے۔ کیا گالا ہمارا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک پہنچ سکتا ہے'؟" میں نے جویا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"گالا تم لوگوں کو تحت الثریٰ تک نہیں چھوڑے گا"۔ جویا دانت بھینچ کر بولی۔ بڑی جذباتی لڑکی تھی اور اس وقت اس کی کیفیت بڑی عجیب ہورہی تھی۔ شارق بھی مٹی کا مادھو نظر آرہا تھا اور ہم لوگوں کے لئے اس کی نگاہوں میں غصے کے تاثرات تھے۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہوگئے۔ میں نے آخری بار زبیرخان کی جانب دیکھا اور زبیرخان نے آنکھیں بند کرکے مجھے اشارہ کردیا جیسے کہ وہ اپنے کام کے لئے پوری طرح تیار ہو۔ جویا اس مقابلے کے لئے بے چین نظر آرہی تھی۔ چند ساعت کے بعد ہم تینوں ایک لائن میں

کھڑے ہوگئے اور پھر جویا نے دوڑنے کا اشارہ کردیا۔ ہمارے گھوڑے تیر کی طرح آگے بڑھ رہے تھے اور بلاشبہ ہم شارق کو کافی پیچھے چھوڑ آئے۔ ہمارا رخ اسی بھوری پہاڑی کی جانب تھا جس کی دوسری طرف پختہ سڑک موجود تھی۔ شارق کے چہرے پر دیوانگی تھی۔ وہ بری طرح اپنے گھوڑے کو پیٹ رہا تھا اور یہی شاید اس کے پیچھے رہ جانے کی وجہ تھی۔ زبیرخان کا گھوڑا میرے گھوڑے کے برابر دوڑ رہا تھا۔ تب میں نے اس کی طرف دیکھ کر چیختے ہوئے کہا۔ "بھوری پہاڑی کے دوسری طرف پہنچ کر زبیرخان! اس سے پہلے نہیں!" اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے گھوڑے کو کھینچا۔ زبیرخان فوراً آگے نکل گیا تھا۔ اس نے گھوڑے کو اتنا کھینچا کہ شارق بھی آگے نکل جائے۔ زبیرخان کا گھوڑا بھوری پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوسری جانب نکل گیا۔ ایک بار پھر اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کردی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بھی پہاڑی کے دوسری جانب پہنچ گیا۔ زبیرخان اپنا کام کر چکا تھا۔ پروگرام کے مطابق اسے اپنے گھوڑے کو شارق کے گھوڑے سے الجھانا تھا۔ اس کوشش میں تو وہ کامیاب ہوگیا تھا لیکن شارق اب اس کے لئے مصیبت بن گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا اور زبیرخان نیچے گرا ہوا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ جنگلی جانور! میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا تم نے جان بوجھ کر مجھے گھوڑے سے گرایا ہے تاکہ تمہارا یہ ساتھی قبیلے میں واپس جائے اور میری شکست کا اعلان کردے!" شارق کہہ رہا تھا۔

"کیا تم مجھ سے کشتی لڑو گے؟" زبیرخان غراتا ہوا کھڑا ہوگیا"۔

"میں تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ کر تمہیں قبیلے میں لے جاؤں گا اور تمہاری بے ایمانی کی تفصیل بتاؤں گا!" شارق نے کہا۔

"تم خواہ کتنے ہی طاقتور ہو' یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے!" زبیرخان بھی کھڑا ہوگیا۔ میں کسی ایسی حماقت میں نہیں پڑسکتا تھا۔ یہاں سے جتنی جلدی نکل جایا جاتا بہتر تھا۔ یہ بات زبیرخان کو معلوم تھی لیکن وہ سنک چکا تھا۔ میں گھوڑے سے اتر آیا۔ "تم درمیان میں دخل نہیں دوگے!" شارق غرایا۔ لیکن میں اس کی پشت پر پہنچ گیا تھا۔ شارق نے میرے ہاتھ میں پستول نہیں دیکھا تھا لیکن وہ میری طرف سے بھی چوکنا نظر آرہا تھا۔ اس ہاتھی کی طاقت سے میرے علاوہ اور کون واقف ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اسے چالاکی سے ہی زیر کرنا تھا۔ "نہیں گالا! میں تمہاری جنگ میں دخل نہیں دوں گا۔ اس نے اگر بے ایمانی

کی ہے تو اس سے ضرور جنگ کرو۔ میں خود بے ایمانی کا قائل نہیں ہوں"۔ میں نے اسے چمکارتے ہوئے کہا اور وہ کسی قدر مطمئن ہوگیا لیکن جونہی وہ زبیرخان کی طرف متوجہ ہوا میں نے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کے سر کی پشت پر رسید کردیا۔ شارق لڑکھڑا کر سنبھلا لیکن میں نے اس دوران دوسرا دستہ رسید کردیا تھا۔ وہ پھر بھی نہ گرا تو مجھے تیسرا حملہ کرنا پڑا اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اب وہ چکرا رہا تھا اور پھر وہ اوندھے منہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ زبیرخان خود بھی درندہ نظر آرہا تھا۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں مسکرایا۔ "تم تو اسے جنگ کے لئے تیار ہوگئے تھے زبیرخان!" میں نے نرم لہجے میں کہا اور زبیرخان عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر وہ سنبھل گیا اور جھینپتے ہوئے انداز میں دونوں شانے ہلا کر سیدھا ہوگیا۔

"میرا دماغ بھی الٹ گیا تھا!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"چلو اب اسے سنبھالو۔ کیا میرے گھوڑے کو بھی استعمال کرو گے یا............؟"

"مناسب نہیں ہوگا۔ تم اسے میرے گھوڑے پر ڈال دو میں اسے سنبھال لوں گا اور تم قرب وجوار پر نگاہ رکھنا!" زبیرخان نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کردی۔ زبیرخان اگر شارق سے بھڑ جاتا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کن پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ بہرحال شارق' زبیرخان جیسے لوگوں کے بس کی چیز نہیں تھا اور پھر اس دیوانگی کی کیفیت میں تو زبیرخان کو جان بچانا مشکل ہوجاتا! زبیرخان ٹھنڈا ہوگیا تھا' اس نے بڑی احتیاط سے شارق کو اپنے گھوڑے پر سنبھال لیا اور پھر ہم نے گھوڑے پختہ سڑک پر چھوڑ دیئے۔ رفتار کافی تیز تھی اور میری نگاہیں دور دور تک بھٹک رہی تھیں۔

انتہائی خطرناک حالات میں سفر کرتے ہوئے ہم بڑی مشکل سے رات کے دوسرے پہر حسن پور میں داخل ہوئے۔ ایک طرف خانہ بدوشوں کا خطرہ تھا تو دوسری طرف خان جلال کے آدمیوں کا لیکن شکر ہے کہ دونوں میں سے کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور ہم کرنل جہانگیر کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ یوں تو میں بھی اس عمارت میں اب اجنبی نہیں تھا لیکن زبیرخان کی وجہ سے کوئی دقت پیش نہیں آئی اور ہم شارق کو اندر لے آئے۔ شارق بدستور بے ہوش تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد کہیں پھر بگڑا ہوا سانڈ نہ ثابت ہو' سخت مصیبت بن جائیگا۔

"اس کا انتظام تو آسان ہے!"

"کیا؟"

"مارفیاء کے انجکشن ۔ کیا بندوبست نہیں ہو سکے گا؟"

"کیوں نہیں لیکن صبح سے قبل ممکن نہیں ہے!"

"ٹھیک ہے۔ اگر صبح سے پہلے ہوش میں آگیا تو ایک بار پھر.........." میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور زبیر خان گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا "کرنل سے اسی وقت ملاقات کی جائے یا صبح کو؟"

"میرا خیال ہے ان کی نیند کیوں خراب کی جائے میں اس کے پاس موجود ہوں۔ اب تم جاؤ تم بھی آرام کرو!" میں نے جواب دیا۔

"میری ضرورت ہو تو.........!"

"نہیں ڈیئر! میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم بس ممکن ہو تو باہر نگاہ رکھو!"

"ٹھیک ہے میں دروازے پر موجود چوکیداروں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کردوں گا!" زبیر خان نے کہا اور مجھے خداحافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ میں نے تشویش زدہ نظروں سے شارق کو دیکھا۔ میرا دوست ' میرا ساتھی ۔ بیچارے کو میرے ہاتھوں تکلیف پہنچی تھی لیکن یہ ضروری تھی اس کے بغیر چارہ کار بھی تو نہیں تھا۔ لیکن اسے ہوا کیا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ شارق صحیح الدماغ نہیں رہا۔ کسی طرح اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ سارے کام اپنی جگہ لیکن شارق کی نگہداشت اور اس کی فوری مدد سب سے ضروری کام تھا لیکن ان حالات میں ' صرف میں تنہا شارق کے لئے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ شارق کو ڈاکٹر برہان تک لے جانا بھی مشکل کام تھا۔ چنانچہ بہتر ہی ہے کہ ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کرکے شارق کو اس کے حوالے کردیا جائے۔

شارق کو ایک گرم چادر اوڑھانے کے بعد میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ یہاں رات کو باقاعدہ پہرہ ہوتا تھا۔ خاص طور سے کرنل جہانگیر کے کمرے کے سامنے نرس ضرور ہوتی تھی۔ میں وہاں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے جلدی سے کتاب رکھ دی اور خوش اخلاقی سے مسکرائی۔ "ہیلو!" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسے مزاج ہیں جناب؟"

"ٹھیک ہوں! غالباً' زبیر یہاں آیا تھا!"

"جی ہاں! کرنل کی خیریت معلوم کرکے گئے ہیں۔ انہی سے آپ لوگوں کی واپسی

کی اطلاع ملی تھی!" نرس نے جواب دیا۔

"کرنل ٹھیک ہیں؟"

"جی ہاں! آپ لوگوں کی غیر موجودگی سے الجھے ہوئے ہیں!"

"ہما کی کیا کیفیت ہے؟"

"بہت خراب! مارفیا دے کر سلادیا جاتا ہے۔ ابتداء میں باہر نکلنے کی کوشش میں خود کو زخمی کرلیا تھا لیکن اب نشے میں رہتی ہیں"۔

"اور نرس کیا تمہارے پاس مارفیاء کے انجکشن موجود ہوں گے؟"

"ہاں خاصی تعداد میں منگوائی ہے۔ ہما بی بی کو انجکشن مجھے ہی دینا پڑتا ہے!"

"دو انجکشن اور ایک سرنج مجھے بھی دے دو نرس!" میں نے کہا اور نرس چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"تم جانتی ہو اس کا غلط استعمال نہیں ہوگا کرنل مجھ پر بھرپور بھروسہ کرتے ہیں؟"

"ہاں' ہاں کیوں نہیں۔ میں جانتی ہوں۔ ابھی لائی لیکن آپ کو کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"ایک اور مریض یہاں موجود ہے!" میں نے کہا اور اس کے چہرے پر تعجب کے آثار پیدا ہوگئے۔ وہ چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے مارفیا کے انجکشن مجھے دے دیئے۔ شکریہ! اب اگر تم چاہو تو اس مریض کو دیکھ سکتی ہو۔ "آؤ!" میں نے اس کو دعوت دی اور نرس اپنا اشتیاق نہ روک سکی۔ اس نے آہستہ سے درواز کھول کر کرنل کو جھانکا اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا کر میرے ساتھ چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے ساتھ میرے کمرے میں آگئی۔ شارق کو دیکھ کر وہ بری طرح اچھل پڑی۔ "ارے' یہ تو شارق صاحب ہیں!"

"پہچانتی ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ لیکن انہیں کیا ہوا؟"

"یہ بھی آجکل اولمپک چیمپئن ہے!" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور نرس بے اختیار ہنس پڑی۔ "تو کیا انہیں بھی وہی مرض لاحق ہوگیا جو ہما بی بی کو ہے!" اس نے کہا اور میرے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا' بعض اوقات معمولی سی مذاق کی بات بھی کتنی اہمت رکھتی ہے۔ واقعی یہ ممکن تھا کہ شارق کو بھی ہپناٹائز کیا گیا ہو اور وہ وقتی طور پر اپنا

ماضی بھول گیا ہو۔ میں حیرت سے نرس کو گھورتا رہا پھر سنبھل گیا"۔ ممکن ہے لیکن یہ صحیح الدماغ نہیں ہے اور ہوش میں آنے کے بعد دوچار آدمیوں کے بس کی چیز بھی نہیں ہے!"

"تب تو جلدی سے انجکشن دے دیں ورنہ یہ گھر ضرور پاگل خانہ بن جائیگا!" وہ مسکرا کر بولی۔ اور پھر اس نے خود ہی شارق کو مارفیا کا انجکشن دے دیا۔ "خدا کی پناہ! نہ جانے اس گھر پر کیا مصیبت آئی ہے؟"

"سب ٹھیک ہوجائے گا۔ بس اب تم آرام کرو۔ تمہیں اپنی ڈیوٹی پر مستعد رہنا چاہیے۔ اور وہ سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بھی لباس تبدیل کیا اور لیٹ گیا۔ نہ جانے کب تک واقعات اور حالات میرے ذہن کو کریدتے رہے اور پھر میں بھی سوگیا۔ دوسری صبح کافی دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ شارق اب مارفیا کے زیراثر تھا مجھے اس کی حالت کا دکھ تھا لیکن اس کے سوا اور کیا کیا جاسکتا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد پہلے کرنل جہانگیر سے ملاقات کا فیصلہ کیا اور ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ کرنل میرے منتظر تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد انہوں نے کہا"۔ زبیر خان سے میری ملاقات ہوچکی ہے۔ بڑے عجیب انکشافات ہوئے ہیں۔ ویسے میرے ذہن میں تمہارا ایک سوال چبھ رہا ہے!"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تم نے تیل کالونی میں میرے کسی شناسا کے بارے میں پوچھا تھا!"

"ہاں اور آپ نے میجر یوسف کا حوالہ دیا تھا!"

"بالکل' کیا تمہارے ذہن میں پہلے سے کوئی بات تھی؟" کرنل جہانگیر نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی سمجھ لیں کرنل! کسی کیس کے ڈھانچے پر غور کرتے ہوئے اس کے اسٹینڈرڈ کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ جرم کا وزن اس کے ہم پلہ ذہن کا احساس دلاتا ہے۔ خان جلال جیسے لوگ کامیابی سے ایسے جرائم نہیں کرسکتے' ہاں وہ کسی کے آلہ کار ضرور بن سکتے ہیں اور تیل کالونی غیرملکیوں کا مسکن ہے۔ اس جگہ کے علاوہ ہمیں اور کہیں ذہین لوگ نظر نہیں آتے۔ تیل کی کھدائی کرنے والی غیر ملکی کمپنیاں دیانتدار ہیں لیکن ان میں ایسے عناصر ضرور گھس سکتے ہیں جن کا مقصد الگ ہو!"

"خدا کی پناہ! تم لوگ کیا ہو۔ معمولی جرائم کی تفتیش ہی سخت کام ہے لیکن تم بین الاقوامی معیار رکھتے ہو!"

"یہ ساری باتیں تو اپنی جگہ جناب! لیکن میں اپنے ساتھی کے لئے پریشان ہوں!" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"مجھے اندازہ ہے' بتاؤ میں اس سلسلہ میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

"کچھ وقت کے لئے مجھے اپنا پروگرام ملتوی کرکے اپنے ساتھی کے بارے میں کچھ کرنا ہے! آپ سے اجازت چاہتا ہوں!"

"یہ بھی میرا ہی کام ہے۔ ظاہر ہے وہ میرے لئے ہی آیا تھا۔ تم مجھے بتاؤ میں اس سلسلہ میں کیا کروں؟"

"میں اس .... کے علاوہ آپ کو اور کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا کہ شارق کو ڈاکٹر برہان کے محفوظ ہاتھوں میں پہنچادوں' اس کے بعد اپنا کام دوبارہ شروع کردوں گا!"

"بخوشی شباب! بخوشی!!" کرنل جہانگیر نے خلوص سے کہا لیکن کیا پروگرام ہے.......... کیا کروگے؟"

"کسی محفوظ جگہ سے فون کروں گا۔ اس عمارت کے فون پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا!"

"تم شہر میں گرانڈ اسٹور چلے جاؤ۔ وہاں تسکین ہے اس کے دفتر سے فون کرلو' وہ تمہیں ہر سہولت فراہم کرے گا۔ میرا معتمد آدمی ہے!"

"آپ اسے یہاں سے فون کرکے میرے بارے میں اطلاع دے دیں"۔

"ابھی! کرنل جہانگیر نے مستعدی سے کہا اور پھر وہ تسکین کو فون کرنے لگے۔ فون پر انہوں نے اسے میرے بارے میں ہدایات دیں اور تسکین نے بخوشی مجھے دعوت دی۔ اس کے بعد کرنل جہانگیر سے اور کوئی گفتگو نہیں ہوئی اور میں ناشتہ وغیرہ کرکے وہاں سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں گرانڈ اسٹور میں داخل ہوگیا۔ شیشے کی ایک خوبصورت کیبن میں دبلے پتلے بدن کے ایک شخص نے میرا استقبال کیا۔ رسمی گفتگو کے بعد میں نے اس سے فون طلب کرلیا۔

"آپ جب تک پسند فرمائیں' یہاں رکیں۔ میں چلتا ہوں!" تسکین بولا اور باہر نکل گیا۔ میں نے سکون کی سانس لی تھی۔ ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کرنے میں دیر نہ لگی

اور اس کی آواز سن کر ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا!

"خیریت شہاب؟"

"آپ کو میری مصروفیات کا علم ہے جناب! میں نے پوچھا............ اطمینان کے باوجود میں گفتگو میں احتیاط چاہتا تھا!

"یقیناً!" ڈاکٹر برہان کی آواز سنائی دی۔

"کام تسلی بخش طور پر آگے بڑھ رہا ہے۔ ہماری ایک بھیڑ کھو گئی تھی"۔

"ہاں' میں اس کے لئے پریشان ہوں!"

"مل گئی ہے لیکن پاگلوں کی طرح درودیوار سے ٹکریں مار رہی ہے میں نے اسے بے ہوش کر رکھا ہے لیکن بہرحال ہوش میں آئے گی!"

"اوہ تشویشناک اطلاع ہے!" ڈاکٹر برہان نے کہا اور چند ساعت سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "خطرناک بھیڑ پر قابو پانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دوسرے زیادہ خطرناک ہیں۔ ٹھیک ہے شہاب! رات کو آٹھ بجے اپنی قیام گاہ پر میرے فون کا انتظار کرو۔ اس وقت تک بھیڑ کی رکھوالی تمہارے ذمہ ہے!"

"بہت مناسب جناب!"

"اور کوئی بات؟"

"بس اور کچھ نہیں!" میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان نے خداحافظ کہہ کر فون بند کردیا۔ سر سے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ میں نے تسکین کا شکریہ ادا کیا جو باہر اسٹور میں مصروف تھا اور پھر واپس کرنل کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ کوٹھی کے حالات حسب معمول تھے۔ بیگم جہانگیر اداس تھیں ان سے ملاقات ہوئی تو بڑی معذرت کرنے لگیں۔

"طویل عرصے کے بعد تم آئے بیٹے تو ہم الجھنوں کا شکار ہیں۔ ہما کی حالت پر دل کی جو کیفیت ہے' اللہ جانتا ہے ان دنوں تو اس کا "جنون" اس قدر بڑھ گیا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا!"

"یقیناً مجھے آپ کی پریشانی کا احساس ہے!"

"تم کہاں گئے تھے بیٹے؟"

"بس ایسے ہی حسن پور کے نواح کی سیر کرنے گیا تھا!"

"اگر ہما ٹھیک ہوتی تو وہ تمہیں چپہ چپہ گھمادیتی۔ میں کیا بتاؤں کیا تھی میری بچی!

اور اب کیا ہوگئی۔ افسوس...........!!"

"آپ حوصلہ رکھیں ٹھیک ہوجائے گی.......... وقتی بات ہے۔ اکثر یورپ میں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ ایک دن وہ خودبخود اعتدال پر آجائے گی!"

"خدا کرے' خدا کرے!" بیگم صاحبہ نے دردناک آواز میں کہا اور میں وہاں سے اٹھ آیا۔ زبیر خان کو تلاش کیا لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ اس شخص کی طرف سے میں پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ خان جلال والا واقعہ ممکن ہے بالکل دوسری حیثیت رکھتا ہو لیکن بہرحال اس پر بھی نگاہ رکھنی تھی۔ پھر یونہی بے مقصد میں اس طرف چل پڑا جہاں ہما قید تھی۔ بڑی سخت نگرانی ہو رہی تھی اس کے کمرے کے باہر چار چار ملازم موجود تھے۔ میری اندر داخل ہونے کی خواہش پر وہ ہچکچائے لیکن بہرحال مجھے اندر داخل ہونے سے نہیں روکا گیا۔ اندر ہما کرسی پر شاہانہ انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی پر بینڈیج تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے نگاہیں اٹھائیں اور اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم نے سیزر کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا" بروٹس مارکس روما کے سب سے بڑے جرنیل' بالآخر ہم نے پامپے کو شکست دی اور اب تم ہمارے قیدی ہو۔ بولو ہم تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں؟"

میں نے مایوسی سے شانے ہلائے۔ وہ اس وقت بھی دورے کے عالم میں تھی لیکن میرے اس انداز پر ہنس پڑی۔ "تم مغموم ہو' تمہارا سورج غروب ہو چکا ہے۔ پامپے کا ساتھ دیتے ہوئے تم نے سوچا ہوتا کہ سیزر پامپے سے مقابلہ نہ کرسکے گا لیکن انجام تمہارے سامنے ہے۔ سیزر عظیم ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں معاف کردیا جائے۔ خوش ہو جاؤ.......... بروٹس مارکس ہم نے تمہیں معاف کردیا اور تمہیں شہر روم کا منصف اعلیٰ مقرر کیا۔ جاؤ اپنی ذمہ داریاں سنبھالو۔ ہم تم سے بہتری کی توقع رکھتے ہیں!"

یہاں رکنا بے سود تھا۔ چنانچہ میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے وہاں سے نکل آیا۔ باقی دن فضولیات میں گزارا۔ رات کو آٹھ بجے میں فون کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے لئے میں نے کرنل جہانگیر کے کمرے ہی کا انتخاب کیا تھا!

ٹھیک آٹھ بجے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر فون اٹھالیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر برہان خود تھا۔

"شہاب بول رہا ہوں!"

"پتہ نوٹ کرلو۔ گیس ٹرمینل فور۔ کوٹھی نمبر بائیس۔ انتظار کر رہا ہوں!" ڈاکٹر برہان کی آواز سنائی دی اور فون بند کردیا گیا۔ میں حیران رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہاں سے فون کیا ہے۔ کیا حسن پور سے؟ کرنل جہانگیر بغور میری صورت دیکھ رہا تھا۔ "کیا ہوا؟" اس نے فون بند ہونے کی آواز سن لی تھی۔

"گیس ٹرمینل فور۔ کوٹھی نمبر بائیس!" میں نے دہرایا۔

"ہاں ہے۔ کیوں؟"

"کہاں ہے؟" "یہیں حسن پور میں!" کرنل جہانگیر نے جواب دیا اور میں نے گہری سانس لی اور پھر ریسیور رکھ دیا۔ "براہ کرم مجھے اس عمارت کا جائے وقوع بتائیں کرنل! میرا خیال ہے ڈاکٹر برہان یہاں پہنچ گیا ہے!" میں نے جواب دیا۔

"اوہ، میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں!"

"میں آپ کی خواہش ڈاکٹر تک پہنچادوں گا۔ ویسے اگر وہ مناسب سمجھتے تو خود یہاں آجاتے۔ بہرحال ممکن ہے وہ آپ سے بھی ملاقات کریں۔ ہاں اور اس جگہ کی تفصیل؟؟"

کوٹھی نمبر بائیس ایک خوبصورت عمارت تھی۔ ایک پکی روش پھاٹک سے پورٹیکو تک چلی گئی تھی۔ دونوں طرف گھاس کے وسیع لان تھے۔ دروازے پر موجود چوکیدار نے گیٹ کھول کر سلام کیا تھا۔ میں کار اندر لیتا چلا گیا اور پھر اسے پورٹیکو میں روک دیا۔ صدر دروازے پر ماجد نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔ "آؤ!" اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور اندر کی طرف مڑ گیا۔

"پوری ٹیم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ بس فیضان ہی ہے اور ڈاکٹر بھی!"

"ڈاکٹر نے کیوں تکلیف کی؟"

"وہ شارق کے لیے بے حد پریشان تھا!" ماجد نے جواب دیا۔ ایک خوبصورت ڈرائینگ روم میں ڈاکٹر برہان نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔ ایک اجنبی شکل بھی تھی جس کے بارے میں ماجد نے مجھے نہیں بتایا تھا۔

"یہ پروفیسر احسانی ہیں۔ ہمارے کرمفرما اور معاون اور پروفیسر یہ شہاب تیموری ہیں!" پروفیسر نے مجھ سے مصافحہ کیا تھا۔ فیضان موجود نہیں تھا۔ میں نے اسے تلاش کیا

لیکن ڈاکٹر سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ "شارق کی کیفیت بیان کرو"۔ ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں نے مختصراً اس کے بارے میں بتادیا۔

"یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ شارق ان لوگوں میں کس طرح شامل ہوگیا؟"

"نہیں، اس کا موقع نہیں مل سکا"۔ میں نے جواب دیا۔

"میں اس سے کس طرح مل سکتا ہوں ڈاکٹر!" پروفیسر احسانی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اسے بلوالیا جائے۔ ہم اسے ساتھ لے جائینگے آپ میرے دو آدمیوں کے ساتھ چلے جائیں پروفیسر اور اسے لے آئیں۔ میں کرنل جہانگیر کو فون کیے دیتا ہوں"۔

"مناسب!" پروفیسر نے جواب دیا اور پھر ڈاکٹر میری طرف دیکھ کر بولا۔ کیا خیال ہے شہاب! تمہارا ساتھ جانا ضروری تو نہیں ہے!"

"آپ کرنل جہانگیر کو فون کرلیں، پھر فیصلہ کریں گے!" میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان اپنی کرسی دھکیلتا ہوا فون کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے فون پر کرنل جہانگیر کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ "ہیلو کرنل! ڈاکٹر برہان بول رہا ہوں۔ ہاں شکریہ کرنل! ضرور ۔ کسی بھی مناسب وقت ۔ ہاں وہ پہنچ گئے ہیں ۔ ضرور ضرور ۔ آپ بالکل بے فکر رہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یقیناً! یقیناً! ہاں ایک تکلیف دوں گا۔ شارق کی ضرورت ہے۔ میں کچھ افراد کو بھیج رہا ہوں، وہ شارق کو آپ کے ہاں سے لے آئیں گے۔ براہ کرم متعلقہ لوگوں کو ہدایت کردیں۔ لیکن شہاب ان میں موجود نہیں ہوں گے۔ بہتر ہے وہ دہرادیں گے۔ بہت بہت شکریہ!" ڈاکٹر نے فون بند کردیا۔ پھر ماجد سے بولا۔ ٹھیک ہے ماجد! تم فیضان اور پروفیسر کو لے کر کرنل جہانگیر کی کوٹھی پر چلے جاؤ اور پوری احتیاط کے ساتھ شارق کو یہاں لے آؤ"۔

"بہتر ہے ڈاکٹر!" ماجد نے کہا اور پھر وہ پروفیسر احسانی کے ساتھ باہر نکل گیا۔ تب ڈاکٹر برہان مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"ہاں شہاب! اب شروع ہو جاؤ لیکن مخصوص انداز میں!" اس نے کہا "خان جلال اس علاقے کا ایک بااثر آدمی ہے۔ بہت بڑا جاگیردار۔ جہانگیر سے اب ایک دوسرا فائل طلب کیا گیا ہے جو اس فائل کو مکمل کرتا ہے، جس کو پہلے چوری کرلیا گیا تھا۔ چوری کا ذریعہ کرنل کی بیٹی ہے جسے میرا خیال ہے ہپناٹائز کرکے اپنے کام کے قابل بنایا گیا ہے۔

طریقہ کار یہ ہے کہ وہ لوگ ذہنی طور پر اسے کنٹرول کرکے ہدایات دیتے ہیں اور پھر اس کا ذہن منتشر کردیا جاتا ہے۔ خان جلال براہ راست مشکوک ہے۔ اس کے علاوہ وہ اسمگلنگ کی سرپرستی بھی کرتا ہے۔ تیل کالونی بھی مشکوک ہے!" میں نے ضروری باتوں کی نشاندہی کی اور ڈاکٹر برہان نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ دیر تک خاموش رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور کوئی کردار؟"

"ہاں زبیرخان ہے جو خان جلال کا دشمن ہے!" میں نے زبیرخان کے بارے میں تفصیل بتائی۔

"اس کے علاوہ؟"

"نہیں جناب!"

"تمہارا ذہن کس طرف دوڑتا ہے!"

"تیل کالونی کی طرف!" میں نے ڈاکٹر کے انداز میں جواب دیا اور ڈاکٹر مسکرانے لگا۔ مناسب راستہ ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی خاص نام..........؟"

"ڈریک.......... جس کی خان سے گہری دوستی ہے' انجینئر ہے!"

"تعلق کونسے ملک سے ہے؟ وہاں تو کئی کمپنیاں کام کررہی ہیں!"

"یہ نہیں معلوم ہوسکا!"

"خان جلال کو دیکھا ہے؟"

"نظر نہیں آسکا۔ ویسے اس کے کئی آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں!"

"اس پر کوئی ردعمل؟"

"نہیں!!"

"ٹھیک ہے شباب! میں شارق کو لے کر چلاجاؤں گا۔ یہ عمارت میں تمہاری تحویل میں چھوڑ سکتا ہوں۔ ضرورت پڑنے پر استعمال کرسکتے ہو۔ اس کے علاوہ ماجد اور فیضان بھی تمہاری مدد کے لئے آجائیں گے۔ میرے خیال میں یہ کیس انفرادی نہیں ہے۔ ممکن ہے ملک کے خلاف ہی کوئی سازش کام کر رہی ہو۔ ہاں لڑکی تمہارے لئے بہت کارآمد ہے۔ میں فیضان کے ہاتھ ایک چیز بھیجوں گا۔ فیضان ہی تمہیں اس کے اہم پہلوؤں سے آگاہ کردے گا!"

"بہت بہتر!" میں نے جواب دیا اور پھر پوچھا۔ یہ لوگ کب تک واپس پہنچ جائیں

گے!"

"پرسوں۔ شام پانچ بجے تم ان سے عمارت میں مل لینا۔ اب تمہاری توجہ تیل کالونی ہوگی۔ میں خود بھی دیکھوں گا!"

"بہتر!" میں نے جواب دیا۔

"تم چاہو تو واپس جاسکتے ہو۔ آرام کرو!" ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ شارق کا معاملہ اب ڈاکٹر برہان ہی نمٹ لے گا۔ چنانچہ میں واپس چل پڑا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ ہمارے آدمی شارق کو لے گئے ہیں۔ میں بھی آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دوسرا دن پرسکون تھا۔ کرنل جہانگیر سے مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔ ڈاکٹر برہان کے بارے میں بات چیت ہوئی اور میں نے کرنل کو بتایا کہ وہ واپس چلا گیا ہے۔ "بڑا مصروف انسان معلوم ہوتا ہے بہرحال میں اس سے ضرور ملوں گا۔ بڑا اشتیاق ہے۔ اب تم اس سلسلہ میں کیا کررہے ہو؟"

"دو روز تک خاموشی اختیار کرنی ہے' اس کے بعد دوسرا قدم اٹھایا جائے گا!"

"ڈاکٹر برہان کی ہدایت ہے؟"

"ہاں!"

"ویسے ان دنوں بڑا سکون ہے۔ میں شدید بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔ نہ جانے یہ خاموشی کس طوفان کا پیش خیمہ ہے!"

"آپ سے میں صرف اتنا ہی عرض کروں گا کرنل جہانگیر! کہ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہم نے سنبھال لی ہے۔ ڈاکٹر برہان کو آپ معمولی حیثیت کا انسان نہ سمجھیں۔ اگر ضرورت پڑی تو وہ سرکاری طور پر بھی آپ کی امداد کرسکتے ہیں!"

"تم لوگوں کا وجود ایک نعمت ہے اس ملک کے لئے۔ خدا تم لوگوں کو خوش رکھے۔ میں ہما کے لئے سخت پریشان ہوں۔ اس کی کیفیت بڑی اذیت ناک ہے!"

"ہر مشکل کا ایک حل ضرور ہوتا ہے کرنل! آپ کی پریشانی بجا ہے لیکن بے فکر رہیں' اس کا حل بھی ضرور نکل آئے گا!" میں نے کرنل کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔ دوپہر کو کھانے پر زبیرخان میرے ساتھ تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی لاتعداد سوالات تھے۔

"تمہارا ساتھی چلا گیا؟"

"ہاں' وہ میرے شانوں پر ایک اہم ذمہ داری تھا۔ اب ڈاکٹر برہان خود اس سے نمٹ لے گا!"

"پھر اب کیا خیال ہے؟ کیوں نہ رات کو پھر خان جلال کی سیرگاہ کی سیر کی جائے۔ میرا خیال ہے وہاں کافی کھلبلی.........." دفعتاً میں نے زبیرخان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ کھرکھراہٹ کی ایک آواز میرے کانوں میں آئی تھی اور یہ آواز.......... یہ آواز.......... زبیرخان تعجب سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ میں نے کھانے سے بھی ہاتھ روک دیئے تھے۔ زبیرخان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن میں نے اسے اشارہ کیا اور کھڑا ہوگیا۔ میرے کان دوبارہ اس آواز کو سننے کے منتظر تھے اور پھر دفعتاً میں نیچے جھک گیا۔ میں نے ڈائننگ ٹیبل کی نچلی سطح کو دیکھا اور میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ سیاہ رنگ کا ایک آلہ سطح سے چپکا ہوا تھا اور اس سے ایک باریک تار نکل کر انتہائی نفاست کے ساتھ قالین کے نیچے چلا گیا تھا۔ میری آنکھوں میں چمک آگئی اور میں نے مسکراتے ہوئے زبیرخان کو دیکھا جو مجھے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اسے اچانک میری ذہنی حالت خراب ہونے کا احساس ہو۔ میں نے زبیرخان کو اشارہ کیا اور وہ بھی کرسی سے اٹھ گیا۔ پھر اس نے بھی میز کے نیچے جھانک کر دیکھا اور اس کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ ہوئی۔ میں نے اسے اشارہ کیا تھا۔ "کھانا واقعی لذیذ ہے۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"خان جلال ان علاقوں کا بااثر انسان ہے لیکن اس سے مذاق کا نتیجہ خطرناک بھی ہوسکتا ہے"۔

"آؤ چلیں' باہر کا موسم بہت خوش گوار ہے!" میں نے کہا اور ایک بار پھر ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ اب میں نے قالین اٹھا لیا اور اس باریک تار کو دیکھنے لگا جو کھڑکی تک گیا تھا۔ انتہائی مہارت سے اس تار کو کھڑکی کے عین نیچے سوراخ کرکے باہر لے جایا گیا تھا۔ میں نے قالین پھر بچھادیا اور زبیر کو اشارہ کرکے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند ساعت کے بعد ہم عقبی دیوار کے پاس تھے۔ یہاں سے یہ تار چھپا چھپا ایک طرف چلا گیا تھا۔ میں نے طویل سانس لے کر زبیرخان کو دیکھا۔ "اب خاموش رہنے کی ضرورت نہیں ہے زبیرخان!"

"اوہ' ہاں کیا وہ ریسیور تھا؟"

"ہاں!"

"لیکن یہ تار؟"

"ہوشیار رہو' ہمیں یہاں بھی دیکھا جاسکتا ہے!"

"ٹھیک ہے تم تلاش کرو میں قرب وجوار میں نگاہ رکھتا ہوں"۔

زبیرخان نے کہا اور اپنا پستول نکال لیا۔ تار کو تلاش کرتے کرتے ہم نوکروں کے ایک کوارٹر تک پہنچ گئے۔ تار اس کوارٹر کی ایک کھڑکی سے اندر چلا گیا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر جاکر اس میں ایک اور تار منسلک ہوگیا تھا جو نہ جانے کہاں گیا تھا۔

"معظم!" زبیرخان کے منہ سے نکلا۔

"آؤ!" میں نے اسے اشارہ کیا اور ہم کوارٹر سے تھوڑی دور چلے گئے تھے۔

"جانتے ہو اس نوکر کو؟"

"ہاں بظاہر شریف آدمی ہے۔ میں نے اپنے طور پر تمام نوکروں کا جائزہ لیا تھا اس وقت اسے بھی چیک کیا گیا تھا!" زبیرخان نے جواب دیا۔ اور میں چند ساعت کے لئے خاموش ہوگیا۔ پھر میں نے زبیرخان کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور کوارٹر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا! "بیوی بچے ہوں گے!" کوارٹر کے دروازے کے نزدیک پہنچتے ہوئے میں نے پوچھا۔

"نہیں تنہا ہے!" زبیرخان نے جواب دیا۔ کوارٹر کے دروازے میں تالا نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے دروازہ اندر دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ اب باہر رکنا فضول تھا۔ چنانچہ ہم دونوں تیزی سے اندر داخل ہوگئے۔ ایک کمرے کا کوارٹر تھا۔ چھوٹا سا صحن' دالان اور کمرہ لیکن کوارٹر خالی تھا۔ میں نے باتھ روم وغیرہ دیکھا اور پھر ہم کمرے کی واحد کھڑکی کے قریب پہنچ گئے۔ کھڑکی کے تھوڑے فاصلے پر ایک میز پر ٹیپ ریکاڈر چل رہا تھا۔ جدید ساخت کا ٹیپ ریکارڈ تھا جو بند تھا۔ شاید اس میں کوئی آٹومیٹک سسٹم تھا۔ یعنی جب آواز ہو تو چل پڑے اور پھر خود بخود بند ہوجائے۔ میں نے اس کا میکنزم دیکھا' اور پھر اسے ریوائینڈ کرکے چلایا۔ ہماری آوازیں ٹیپ ہوچکی تھیں۔ دوسرے تار کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ اس کے پیچھے کرنل جہانگیر اور نرس کی آوازیں تھیں۔

"اوہ' شاید دوسرا ریسیور کرنل کے کمرے میں ہے!" زبیرخان نے کہا۔

"یقیناً!" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ "شکر ہے کہ یہ ٹیپ ریکاڈر ہے!"

اگر براہ راست گفتگو کا کوئی ذریعہ ہوتا تو اس وقت ہماری کیفیت دوسرے پر آشکارا ہو چکی ہوتی"۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے!" زبیر خان نے جواب دیا۔

"پھر اب کیا کرو گے؟ اس ٹیپ ریکارڈر کا کیا کیا جائے؟"

میں نے چند ساعت سوچا اور پھر بولا۔ "کیا خیال ہے زبیر خان! کیا اس ٹیپ ریکارڈر سے ہم کوئی خاص استفادہ حاصل کریں؟"

"مثلاً کیا؟" زبیر خان نے کہا۔

"جس نوکر کا تم نے نام لیا ہے ظاہر ہے وہ کسی نہ کسی طور پر ان لوگوں کا آلہ کار ہوگا اور یہ ٹیپ شدہ کیسٹ ان لوگوں کے حوالے کرتا ہوگا۔ چنانچہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ہم اس وقت ملازم پر ہاتھ ڈالیں جب وہ یہ کیسٹ کسی کے حوالے کر رہا ہو"۔

"بہت عمدہ تجویز ہے!" زبیر خان نے میری تائید کرتے ہوئے کہا "تو ٹھیک ہے ملازم کو نہ چھیڑا جائے لیکن اس کے لئے ایک اور کام کرنا ہوگا!"

"کیا؟"

"ایسے ہی کسی دوسرے کیسٹ کا انتظام!"

"میرا خیال ہے اس قسم کے کیسٹ عام نہیں ہوتے اور یہاں ان کا ملنا مشکل ہے!!"

"ہاں یہ بات تو تم درست کہہ رہے ہو۔ تو پھر ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہم اس کیسٹ پر ریکارڈ شدہ گفتگو کو صاف کر دیتے ہیں!"

"ٹھیک ہے لیکن فوری طور پر کرنل کو بھی ہدایات دینا ضروری ہوں گی!"

"ہاں، ہاں یقیناً" زبیر خان نے کہا اور پھر ہم نے کیسٹ کے سسٹم کو سمجھ کر اپنی ریکارڈ شدہ گفتگو صاف کر دی اور اسے دوبارہ اس کیسٹ ریکارڈر میں لگا دیا اور اس کا بٹن آف کر کے اس کوارٹر سے نکل آئے۔

دوسرے تار کے سہارے ہم کرنل جہانگیر کے کمرے تک پہنچ گئے تھے۔ چونکہ کیسٹ کا بٹن آف تھا اس لئے یہ خطرہ نہیں تھا کہ کرنل کے کمرے میں ہونیوالی گفتگو اب ریکارڈ ہو سکے گی۔ چند ساعت کے بعد ہم کرنل کے کمرے میں تھے۔ کرنل نے ہم دونوں کو پرامید نگاہوں سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "کوئی

خاص بات ہے؟"

"ہاں کرنل! انتہائی خاص بات!" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور کرنل تعجب سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس نے میری متجسس نگاہوں کا اندازہ لگا لیا تھا۔ میں اس تار کو تلاش کر رہا تھا جو یقیناً کسی جگہ سے آیا ہوگا اور چند ساعت کے بعد یہ تار مجھے نظر آ گیا۔ ایک بڑے سے فریم کے پیچھے سے اسے نکالا گیا تھا اور اس کا ریسیور کرنل کی مسہری کے سرہانے فٹ کر دیا گیا تھا۔ کرنل خاموشی سے میری حرکات دیکھ رہا تھا اور زبیر خان کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ تب میں نے کرنل کو اشارہ کیا اور وہ مسہری کی پشت پر پہنچ گیا۔ "ارے یہ کیا ہے؟" اس نے تعجب سے اس سیاہ ریسیور کو دیکھتے ہوئے کہا جو اس کی مسہری کی پشت پر نصب تھا!

"ایک ایسے ٹیپ ریکارڈر کا ریسیور جس پر آپ کی آوازیں ٹیپ ہو رہی ہیں!"

"ارے.......... مگر.......... مگر..........!" کرنل کا منہ شدت حیرت سے کھل گیا۔

"اب یہ بے جان ہے، فی الوقت اس پر کوئی آواز ریکارڈ نہیں ہو رہی، لیکن کرنل صاحب! آپ ذرا خیال رکھیں اس دوران ایسی کوئی گفتگو نہیں ہونی چاہیے جو کسی طرح ہمارے لیے نقصان دہ ہو سکے!"

"مگر یہ ٹیپ ریکارڈر کہاں ہے؟" کیا بہت فاصلے پر یعنی کسی ایسی جگہ جہاں تک ہماری پہنچ ممکن نہیں ہے؟" کرنل نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ ٹیپ ریکارڈر تک ہماری پہنچ ہو چکی ہے بس ہم اس سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے اب اس سے زیادہ گفتگو اس کے بارے میں کرنا مناسب نہیں۔ ممکن ہے وہ شخص وہاں پہنچ گیا ہو جس کے ذریعے ہماری گفتگو کے ریکارڈ حاصل کئے جاتے ہیں"۔

"مگر وہ کون ہے؟"

"پلیز کرنل! اس سلسلے میں ساری تفصیل آپ کو بعد میں بتادی جائے گی!!"

"تو کیا اسے یہاں لگا رہنے دو گے!" کرنل نے پوچھا۔

"ہاں۔ اب یہ بے ضرر ہے، میرا مطلب ہے آپ خیال رکھیں گے؟" میں نے کہا۔ کرنل کسی قدر نروس ہو گیا تھا۔ پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ بہ آسانی ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں!"

"اس کے باوجود آپ فکر مند نہ ہوں۔ ہزار آنکھیں آپ کی حفاظت اور نگرانی کر رہی ہیں!" میں نے جواب دیا اور کرنل نے گردن ہلا دی اور پھر ہم باہر نکل آئے۔

زبیر خان نے معظم کی نگرانی کی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔ شام تک کچھ نہیں ہوا۔ رات کو میں بھی زبیر خان کے ساتھ شامل ہوگیا تھا۔ معظم اس وقت اپنے کوارٹر سے نکلا اور باہر جانے والے دروازے کی طرف چل پڑا۔ ہم دونوں ہوشیاری سے اس کا تعاقب کرنے لگے۔ معظم پیدل سڑک پر جارہا تھا اور ہم دونوں انتہائی ہوشیاری سے سڑک کے نیچے نیچے اس کا تعاقب کررہے تھے۔ ایک چوراہے کے قریب پہنچ کر معظم رک گیا۔ وہ ایک جگہ کھڑا ہوا تھا جیسے کسی کا انتظار کررہا ہو اور پھر کسی طرف سے ایک کار نمودار ہوئی اور معظم کے قریب آکر رک گئی۔ "اوہ زبیر خان! غلطی ہوگئی" میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"ہم میں سے ایک کو کار لانی چاہیے تھی!" زبیر خان نے کہا۔

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ کار سے کیسٹ لے لیا گیا اور پھر واپس پلٹ پڑا۔

"غلطی تو ہوگئی دوست! لیکن یہ کار پہچان لی گئی ہے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ خان جلال ان معاملات میں پوری طرح ملوث ہے"۔

"وہ کس طرح؟"

"اس گدھے نے اپنا ایک مونوگرام بنا رکھا ہے جو عام طور سے نمایاں رکھتا ہے۔ تم نے کار کے عقبی حصے میں سفید عقاب کی تصویر نہیں دیکھی ہوگی لیکن میں اسے اس لئے پہچانتا ہوں کہ وہ خان جلال کا نشان ہے"۔

"خوب چلو یہ بھی برا نہیں ہوا ورنہ مجھے کار کے نکل جانے کا افسوس ہوتا!" میں نے کہا اور ہم دونوں معظم کے پیچھے چلتے ہوئے واپس کوٹھی میں آگئے!" آؤ زبیر خان! اب اسے بھی دیکھ لیا جائے"۔ میں نے کہا اور زبیر خان نے گردن ہلادی۔

معظم اپنے کوارٹر میں داخل ہوا تو ہم بھی اس کے سر پر پہنچ گئے۔ زبیر خان نے اسے زور سے دھکا دیا اور نوکر اندر گر پڑا۔ تب میں اور زبیر خان بھی اس کے پیچھے اندر پہنچ گئے۔ میں نے کوارٹر کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ زبیر خان نے ملازم کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کردیا لیکن ملازم کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور انداز سویا سویا تھا۔ میں نے روشنی میں اس کی صورت دیکھی اور میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ ملازم

کی کیفیت سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بھی ٹرانس میں ہے اور اس وقت ہوش وحواس سے عاری ہے۔ "بیکار ہے زبیر خان!" میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

"یہ اس کی کیا کیفیت ہے؟" زبیر خان تعجب سے بولا۔

"وہی جو ہما کی ہوتی ہے' اسے بھی ہپناٹائز کیا گیا ہے!" میں نے جواب دیا اور زبیر خان بدستور حیرت کا شکار رہا۔ پھر ہم نے ٹیپ ریکارڈر کے تار کاٹ کے اسے اپنے قبضے میں کرلیا اور ملازم کے بارے میں فیصلہ کیا کہ اسے کسی مناسب جگہ قید کردیا جائے۔

اس سلسلہ کی تفصیل کرنل کو بتادی گئی تھی اور کرنل تردد میں ڈوب گیا۔ "لیکن وہ لوگ! اس طرح تو ہم عمارت میں موجود کسی شخص پر اعتبار نہیں کرسکتے!" اس نے کہا۔ ہم میں سے کسی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔

فیضان اور ماجد وقت پر پہنچ گئے۔ ماجد نے مجھے ایک خوبصورت سیاہ رنگ کا بٹن دیا تھا۔ یہ ایک ننھا سا ڈکٹوگرام ہے۔ اسے کسی طرح ہما کے اس قدر قریب کردو کہ یہ ہر وقت اس کے ساتھ رہے اور اس کے بعد ہما پر سے پابندیاں ہٹوادو اور اسے آزاد کردو۔ ہم ریسیور پر اسکی آواز وصول کریں گے"۔ فیضان نے مجھے تفصیل بتاتے ہوئے کہا تھا۔

"خوب! عمدہ ترکیب سوچی ڈاکٹر برہان نے۔ یہ بتاؤ شارق کی کیا کیفیت ہے؟"

"تمہارا خیال درست تھا۔ شارق کو انتہائی جدید ذرائع سے ہپناٹائز کیا گیا ہے اور وہ ٹرانس میں ہے۔ بہرصورت اس کا علاج ایک ماہر کررہا ہے اور وہ بہت جلد اچھا ہوجائے گا!"

"خوب! اس کے علاوہ ڈاکٹر برہان کا اس کیس کے سلسلے میں کیا خیال ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کیا میرے لئے کوئی ہدایت بھیجی گئی ہے؟"

"نہیں! ڈاکٹر برہان نے صرف اتنا کہا ہے کہ تم تیل کالونی تک پہنچنے کی کوشش کرو اور وہاں جاکر کچھ حالات معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ دراصل ڈاکٹر برہان کا خیال ہے کہ یہ کوئی بڑی سازش ہے اور اس کا تعلق صرف کرنل جہانگیر سے نہیں بلکہ حکومت سے ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر برہان کا خیال ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو حکومت سے بھی رابطہ قائم کیا جائے گا لیکن کسی ایسے ثبوت کے ساتھ جو ٹھوس بنیادیں رکھتا ہو اور اس کے لئے ڈاکٹر برہان نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ پوری محنت سے کام کرو!!"

"تم دونوں کا کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم دونوں فی الوقت یہیں ہیں اور تم جب بھی ہم سے رابطہ قائم کرو گے ہم تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں گے!" فیضان نے جواب دیا اور میں گردن ہلانے لگا۔

تھوڑی دیر تک ان دونوں کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے رانی آف اٹرپور کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ اس کے بعد اس نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کافی عرصے تک وہ ڈاکٹر برہان کو پریشان کرتی رہی اس کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گئی ہے!

"خوب! اچھا تو دوستو اب اجازت!!"

"ٹھیک ہے لیکن اس بٹن کو کس طرح ہما تک پہنچاؤ گے؟"

"میرا خیال ہے یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن اس ساخت کے کچھ دوسرے بٹن ہمیں درکار ہوں گے!"

"وہ ہم لے آئے ہیں!" ماجد نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی جیب سے ویسے ہی کچھ بٹن نکال کر میرے سامنے کر دیئے!

"اوہ، ڈاکٹر برہان کا کوئی کام بھی کچا نہیں ہوتا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میں ان لوگوں سے رخصت ہو کر چلا آیا۔

اس کام کی تکمیل کیلئے ضروری تھا کہ کرنل جہانگیر کا سہارا لیا جائے۔ چنانچہ میں نے ساری تفصیل کرنل جہانگیر کے سامنے پیش کردی۔ کرنل جہانگیر کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ جب تم لوگوں کو کوئی ٹھوس کام کرتے دیکھتا ہوں تو دل کو تسلی سی ہوجاتی ہے اور سوچتا ہوں کہ اس مشکل سے واقعی نجات پالوں گا لیکن بعض اوقات مایوسیاں میرے دل میں گھر کرلیتی ہیں اور میں سوچتا ہوں کہ کہیں مجھے خودکشی ہی نہ کرنی پڑے!"

"کرنل جہانگیر! آپ ہمت سے کام لیں، ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اس کا کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد ہوگا لیکن اس کے لئے آپ کی ہمت ضروری ہے باقی رہا ان معاملات کا تعلق تو ڈاکٹر برہان کا خیال ہے کہ اب یہ کیس دوسری نوعیت اختیار کر رہا ہے یعنی ایک ایسی سازش جو حکومت کے خلاف ہے، صرف آپ کے خلاف نہیں!"

"میں نے بھی اکثر اس بارے میں سوچا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے نام پر کوئی داغ آئے"۔

"ٹھیک ہے کرنل جہانگیر! ہر صاحب عزت آدمی کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے لیکن آپ سوچیں تا جب مجرموں کا ایک پورا گروہ برسرعمل ہو تو ایک فرد کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ میرا خیال ہے اگر اپنے معاملات آپ حکومت کے سامنے پیش کردیں تو بھی آپ کو مجرم نہیں گردانا جائے گا!"

"میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اور اکثر اس بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ بعض اوقات تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں جاکر تمام حالات اپنے ہیڈکوارٹرز کو بتادوں اور اس کے بعد نتیجہ جو کچھ بھی ہو، کم از کم ایک طرف سے تو زندگی کو سکون ملے!"

"اس کے لئے بھی آپ کو کچھ وقت انتظار کرنا ہوگا کرنل جہانگیر! ممکن ہے ڈاکٹر برہان خود ہی اس سلسلے میں کوئی عمل کریں!!"

"میں تو بس ناکارہ ہوکر رہ گیا ہوں۔ بعض اوقات مجھے خود پر حیرت ہوتی ہے۔ میں اس قدر بے عمل تو کبھی نہیں تھا!"

"ان لوگوں کی ایک حماقت سمجھ میں نہیں آتی کرنل جہانگیر!" میں نے کہا اور کرنل مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ "دوسرے لوگوں کا سہارا لینے کی بجائے انہوں نے براہ راست آپ پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالا! اگر وہ آپ کو ہپناٹائز کردیتے تو میرا خیال ہے ان کا کام بہ آسانی ہوگیا ہوتا!" میں نے کہا اور کرنل کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ پھر اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ "ہاں، یہ حقیقت ہے۔ واقعی.......... لیکن اگر اب یہ خیال ان کے ذہن میں آگیا تو..........؟"

"اب تک کیوں نہیں آیا کرنل؟"

"خدا جانے؟" کرنل نے پریشانی سے شانے ہلائے۔

"ویسے کرنل! ہر شخص کو ہپناٹائز بھی تو نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن ہے انہوں نے کسی طرح آپ کو چیک کرلیا ہو۔ بہرحال ہمیں اس سلسلے میں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ایک لباس ایسا تیار کرائیں جس میں یہ بٹن لگے ہوں اور ہدایت کردیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی لباس ہما کو پہننے کے لئے نہ دیا جائے"۔

"میں ابھی بیگم کو بلاتا ہوں"۔ کرنل نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ اس کے علاوہ کرنل! میجر یوسف کے نام ایک تعارفی خط مجھے دے دیں تاکہ میں تیل کالونی کی سیر بھی کرلوں!"

"ابھی لو......... وہ تم سے تعاون کرے گا لیکن شباب! میری عزت بچانا بھی تمہارا فرض ہے!"

"آپ قطعی بے فکر رہیں!" میں نے جواب دیا۔

اسی شام کو میں نے ہما کو پائیں باغ میں دیکھا۔ وہ پھولوں کے ایک کنج کے پاس خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے بدن پر ایک خوبصورت لباس تھا جس میں سیاہ بٹن ٹکے ہوئے تھے۔ میں نے پر اطمینان انداز میں گردن ہلائی تھی لیکن میں نے اس وقت اس کے نزدیک جانا مناسب نہیں سمجھا......... اس رات کے بعد دوسری صبح کو اہم ترین خبر یہ تھی کہ ہما غائب ہے۔ اسے ہر جگہ تلاش کیا گیا لیکن وہ موجود نہیں تھی۔

"یہ حالات اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ بعض اوقات ذہن چکرانے لگتا تھا۔ حالانکہ ہمارے پاس معلومات کا کافی ذخیرہ موجود تھا لیکن اس کے باوجود کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کسی ایک کیس میں پوری ٹیم الجھ کر رہ گئی ہو۔ حالات ہر لمحہ پیچیدہ نوعیت اختیار کرتے جارہے تھے۔ پراسرار عمارت میں' جس کے بارے میں کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی کہ ڈاکٹر برہان نے کس طرح اسے حاصل کیا' فیضان اور ماجد موجود تھے۔ میں میجر یوسف کے نام کرنل جہانگیر کا تعارفی خط لے کر اس عمارت میں پہنچ گیا تھا۔ ہما کی گمشدگی نے کرنل جہانگیر کو پھر حواس باختہ کر دیا تھا اور وہ بستر سے لگ گیا تھا۔ بہرحال اب میں ڈاکٹر برہان کے زیرہدایت کام کر رہا تھا' اس لئے کافی حد تک بے فکر تھا۔ ڈاکٹر برہان نے فون پر براہ راست مجھ سے گفتگو کی تھی اور کہا تھا کہ فوری طور پر تمام کاروائی بند کردی جائے اور صرف اس کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔ اس لئے ابھی میں نے تیل کالونی کا رخ نہیں کیا تھا۔ دو دن گزر چکے تھے عیش کرتے ہوئے۔ چونکہ ڈاکٹر برہان کی ہدایت تھی کہ جس وقت تک اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے' ہم لوگ آرام کریں۔ چنانچہ ہم آرام کر رہے تھے۔

اس وقت بھی کافی کے برتن ہمارے سامنے موجود تھے اور ہم تینوں خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے تھے' انسان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" دفعتاً ماجد نے گردن اٹھا کر کہا اور ہم چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"خیریت؟ کیا یہ سوال کافی کی پیالی سے برآمد ہوا ہے؟" فیضان نے پوچھا۔

"نہیں سنجیدگی سے جواب دو!" ماجد بولا۔

"زمین کا سب سے زیادہ احمق اور سب سے زیادہ بے بس جاندار!" فیضان بولا۔

"یہ عام سی بات ہے۔ میں کوئی خاص جواب چاہتا ہوں!"

"تب پھر جواب بھی تم خود ہی سوچ کر اپنے ذہن میں محفوظ کرلو!" فیضان نے برا سا منہ بنا کر شانے ہلائے۔

"کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟" ماجد فلسفیانہ انداز میں بولا۔

"میں بتا سکتا ہوں۔ میں نے کافی کا آخری گھونٹ حلق سے اتار کر پیالی رکھتے ہوئے کہا۔ اور ماجد میری طرف متوجہ ہوگیا۔

"بتاؤ!"

"میں سونا چاہتا ہوں کیوں کہ اس وقت سوا گیارہ بج رہے ہیں اور آرام کا جو وقت مل جائے، اسے غنیمت جانو کیونکہ جدامجد براہ راست اس معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ اسے کس وقت کسی یتیم خانے کی نگرانی سونپ دی جائے!"

ماجد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "زندگی کو اس قدر سطحی انداز میں مت لو شہاب! درحقیقت بعض اوقات دل چاہتا ہے، کہ زندگی کا صحیح مفہوم جانا جائے۔

"اس کا بہترین طریقہ ہے کہ آنکھیں بند کرکے بستر پر لیٹ جاؤ"۔ میں نے کہا۔

"لگتا ہے تمہیں سخت نیند آرہی ہے لیکن کافی پی کر سونا عجیب لگتا ہے۔ ممکن ہے تم سو جاتے ہو۔ خود میری یہ کیفیت ہے کہ کافی پینے کے بعد دو تین گھنٹے نیند نہیں آتی۔ ویسے شہاب! تم دنیا کے خوش قسمت ترین انسان ہو۔ جہاں کہیں پاؤں پھنساتے ہوئے وہاں ایک لڑکی لگ آتی ہے اور تم سے عشق بھی شروع کردیتی ہے۔ اور تو اور اس بار اس شارق گینڈے کو بھی لڑکی مل گئی۔ یار شہاب! تم نے تو اسے دیکھا تھا۔ کیسی تھی؟"

"یقین کرو دوستو! حسین ترین لڑکی تھی اور شارق کو اتنا چاہتی تھی کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں نہیں جانتا کہ اس سے جدائی کے بعد وہ بے چاری بھی بچی ہوگی یا نہیں!" میں نے افسردگی سے کہا۔

"کمال ہے۔ واقعی کمال ہے۔ ہم اس معاملے بہت پیچھے ہیں!"

"اس میں تمہاری شکل وصورت کا قصور ہے!" فیضان نے کہا۔

"کیوں میری شکل میں کیا خرابی ہے؟" ماجد کس قدر برا مان کر بولا۔

"خرابی کی بات نہیں کر رہا بس صورت سے تم باپ بھائی معلوم ہوتے ہو۔ لڑکیوں کو تمہاری صورت دیکھ کر عقیدت ہو جاتی ہے اور وہ کوئی برا خیال دل میں نہیں لاپاتیں!"

"تم تو فضول بکواس کرنے کے ماہر ہو۔ میں اپنے یار شہاب کی بات کر رہا ہوں۔ بھائی نے ریاست چھوڑ دی ورنہ رانی آف اثر پور تو انہیں راجہ آف اثر پور بنانے پر تلی ہوئی تھی اور اب سنا ہے یہاں بھی کوئی خاتون موجود ہیں!" ماجد نے کہا۔

"ہاں.........." میں نے تعجب سے کہا اور پھر بولا۔ "اگر تمہاری مراد کرنل جہانگیر کی بیٹی ہما سے ہے تو اس تصور کو ذہن سے نکال دو۔ اول تو کرنل بے چارہ قابل رحم آدمی ہے، دوسرے اس کی بیٹی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ کبھی اولمپک ٹائیٹل جیت لیتی ہے اور کبھی یونان کے دیومالائی کردار بن جاتی ہے!"

"آہ ایسی ہی لڑکیاں تو رومینٹک ہوتی ہیں!" ماجد گہری آہ بھر کر بولا۔

"اٹھو یار فیضان! اس پر اس وقت لڑکیاں سوار ہیں۔ ہم کیوں نیند خراب کریں!" میں نے کہا اور فیضان گردن ہلا کر اٹھ گیا۔

"بعض اوقات بڑے حسین جملے بول جاتے ہو۔ ذرا ایک بار پھر مجھے اس حسین تصور کے شیرے میں ڈبو دو.......... لڑکیاں سوار ہیں.......... واہ ایک اس کاندھے پر.......... دوسری اس کاندھے پر تیسری.........." اور پھر ہم ماجد کو بکواس کرتے چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ فیضان باہر آکر ہنسنے لگا تھا۔ پھر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں دوسرے کمرے میں۔

دوسری صبح تقریباً آٹھ بجے میں سو کر اٹھا۔ تیار ہو کر باہر نکلا تو ماجد سے ملاقات ہوئی۔ بڑی سنجیدہ شکل بنائے ہوئے تھا"۔ ناشتہ تیار ہے سرکار!" اس نے کہا۔

"شکریہ، فیضان کہاں ہے؟"

"میرا خیال ہے رات کو اسے چڑھ گئی۔ لڑکیاں سوار تھیں مجھ پر اور بھاگ وہ گیا!" ماجد نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"فون آیا تھا کسی لڑکی کا۔ بس مجھے جگا کر اطلاع دی کہ جارہا ہے اور چلا گیا"۔ ماجد ناشتے کے کمرے میں داخل ہو کر بولا۔

"ڈاکٹر برہان کا فون ہو گا۔ کسی اور فون پر وہ کبھی نہیں جا سکتا!" میں نے گردن ہلا کر کہا اور پھر نہایت خاموشی سے ناشتہ کیا گیا۔ میرے ذہن میں کھولت سی طاری تھی۔ بے چارے کرنل کا حال بھی نہیں معلوم تھا۔ نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہیں۔ میں اس کے گھر تو جا نہیں سکتا تھا لیکن میں نے کرنل کے ہاں فون کرنیکا فیصلہ کیا اور چند ساعت کے بعد میں کرنل کے نمبر رنگ کرنے لگا۔ دوسری طرف سے فوراً رابطہ قائم ہو گیا تھا۔

"جی کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"کرنل جہانگیر سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں!" میں نے فون پر نرس کی آواز پہچان لی تھی۔

"معاف کیجئے گا' کرنل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کون صاحب ہیں' کرنل کے لئے کوئی پیغام ہو تو............"

"نہیں۔ زبیر خان موجود ہیں؟"

"جی وہ بھی نہیں ہیں!"

"میں نعمان بول رہا ہوں محترمہ! کرنل کی طبیعت کیسی ہے؟"

"اوہ آپ.......... آپ کہاں چلے گئے جناب! یہاں کے حالات تو بہت خراب ہیں۔ زبیر خان صاحب بھی پراسرار طور پر غائب ہو گئے ہیں۔ کوئی بھی نہیں جانتا وہ کہاں ہیں؟ کرنل بھی سخت پریشان ہیں اور اس پریشانی نے واقعی انہیں بیمار ڈال دیا ہے!"

"ہما واپس آئیں؟"

"نہیں ان کے بارے میں ایک فون ملا ہے جس نے کرنل صاحب کی حالت اور خراب کر دی ہے؟"

"فون؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ چونکہ زبیر صاحب موجود نہیں تھے' اس لئے وہ فون بھی میں نے ہی سنا تھا۔ کچھ عجیب سی گفتگو تھی۔ دوسری طرف سے بولنے والا یا بولنے والی کوئی انگریز تھی"۔

"والا یا والی؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جی ہاں' وہ مرد کے انداز میں بول رہا تھا لیکن آواز نسوانی تھی۔ سو فیصدی نسوانی۔ اس نے کہا کہ کرنل سے کہہ دو کہ ذہانت کا ثبوت اس طرح نہ دے بٹن نما

ڈیٹیکٹر ہماری نگاہ میں آچکا ہے اور اس سے کرنل یا اس کے حواریوں کو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ بلکہ اس چالاکی کے جواب میں ہما کو روکا جا رہا ہے اور اب مس ہما اس وقت واپس پہنچیں گی' جب ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائیگا۔ اس نے کہا کہ کرنل سے کہہ دیا جائے کہ ذہانت کا مظاہرہ اس طرح کرے کہ ہمارا مطالبہ پورا کر دے ورنہ گزرنے والا ہر لمحہ اس کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث بنتا جائیگا!"

"آپ نے یہ اطلاع کرنل کو دے دی؟"

"میری ڈیوٹی تھی جناب!" نرس نے جواب دیا۔ میں چند لمحے خاموش رہا' پھر میں نے کہا۔ "بہرحال خاتون! آپ کا فرض ہے کرنل کو سنبھالیں اور میری طرف سے انہیں پیغام دے دیں کہ قطعی ہراساں نہ ہوں' اعلیٰ پیمانے پر کام ہو رہا ہے!"

"جی بہتر.......... لیکن جناب!.......... آپ تو واپس آجائیں۔ میں سخت پریشان ہوں اور خوف محسوس کر رہی ہوں"۔

"میں کوشش کروں گا۔ خدا حافظ!" میں نے فون بند کر دیا۔ ذہن اور الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ بٹن کا راز کھل گیا اور زبیر خان بھی غائب ہے۔ کہیں زبیر خان بھی ان کے ہاتھ تو نہیں لگ گیا۔ بہرحال یوں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھنا اب مجھے گراں گزر رہا تھا۔ ڈاکٹر برہان اگر خود اس کیس پر کام کرنا چاہے تو مجھے الگ کر دے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس سلسلہ میں اس سے گفتگو کروں گا۔ میں فون کے پاس سے ہٹ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں ریسیور دوبارہ اٹھالیا۔

"ڈاکٹر برہان بول رہا ہوں!"

"میں شہاب ہوں جناب!"

"میجر یوسف سے مل کر تیل کالونی میں قیام کرو!"

"اسی حوالے سے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے!"

"ٹھیک ہے' میں پہنچ جاؤں گا۔ ہاں کرنل کے ہاں فون کیا تھا۔ زبیر خان غائب ہے اور بٹن کا راز کھل چکا ہے' ہما ان کے قبضے میں ہے اور انہوں نے سزا کے طور پر اسے روک لیا ہے!"

"اتفاق سے یہ بات مجھے معلوم ہے شہاب! بہرحال دیکھیں گے۔ تم وہاں جاکر

اندر کا جائزہ لو اور رپورٹ تیار کرو!" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا اور میں نے مزید رسمی گفتگو کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

میں نے تیاریاں کر کے ماجد کو اپنے جانے کی اطلاع دی اور وہ گردن ہلانے لگا۔

"گویا باقی رہا میں.......... مگر یہ تنہائی ٹھیک ہے بھائی! جاؤ تم لوگ خوش نصیب ہو!"

تھوڑی دیر کے بعد پہلے میں اسٹیشن پہنچا اور پھر وہاں سے دوسری ٹیکسی لے کر تیل کالونی چل پڑا۔ ایک بار اس علاقے کو دیکھ چکا تھا۔ جہاں تک جانے کی اجازت تھی، وہاں تک تو کچھ نہیں ہوا لیکن اس کے بعد چیک پوسٹ پر روک لیا گیا۔

"میجر یوسف کا مہمان ہوں!" میں نے کہا۔

"براہ کرم اپنے بارے میں تفصیل بتادیں تاکہ میجر یوسف سے رابطہ قائم کر کے آپ کے بارے میں اجازت لے لی جائے"۔

"کیا یہ ضروری ہے؟"

"قطعی ضروری!"

"دراصل میں ان کے ایک قریبی دوست کا بیٹا ہوں۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکیں گے۔ تاہم آپ ان سے میری گفتگو کرادیں۔ میں انہیں اپنے بارے میں بتادوں گا!"

"آپ کا نام؟"

"شہاب تیموری!" میں نے جواب دیا اور سیکیورٹی گارڈ مجھے ساتھ لے کر ایک خوبصورت کیبن میں پہنچ گیا اور پھر اس نے فون پر میجر سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے میرے کہے ہوئے الفاظ دہرائے لیکن دوسری طرف سے ظاہر ہے لاعلمی کا اظہار کیا گیا ہوگا۔ چنانچہ فون مجھے دے دیا گیا۔

"اوہ انکل! میں جہانگیر تیموری کا بیٹا شہاب تیموری ہوں۔ بڑا حادثہ ہو گیا انکل! ڈیڈی نے ممی کو طلاق دے دی اور ممی.........." میں نے رک کر سیکیورٹی گارڈ کی طرف دیکھا۔ پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "سوری مسٹر! ذرا بالکل نجی گفتگو ہے۔ کیا آپ چند ساعت کے لئے۔"

"اوہ، ہاں ضرور!" گارڈ اخلاقاً باہر نکل گیا۔ دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کی آوازیں آرہی تھیں۔

"ہیلو۔ ہاں معاف کیجئے گا میجر! دراصل آپ کا گارڈ سر پر موجود تھا اس لئے مجھے

یہ فضول باتیں کرنی پڑیں۔ بہرحال مختصراً عرض کرتا ہوں میرا نام شہاب تیموری ہے اور میں آپ کے پاس چند روز کے لئے مہمان رہنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کرنل جہانگیر کا تعارفی خط ہے۔ آپ کرنل جہانگیر سے واقف ہیں؟"

"اوہ یقیناً مسٹر شہاب! بلکہ میں تو بے چینی سے آپ کا منتظر تھا۔ کرنل نے کل شام مجھے فون کیا تھا۔ انہوں نے مختصراً آپ کے بارے میں تفصیل بتائی تھی اور کہا تھا کہ آپ میرے پاس پہنچیں گے۔ بلکہ آپ کے لئے کرنل کا ایک پیغام بھی میرے پاس ہے!"

"تو میں گارڈ کو واپس بلالوں!"

"ضرور۔ آپ ٹیکسی لے آئے ہیں!"

"جی ہاں!"

"ٹیکسی چھوڑدیں، میں جیپ بھیج رہا ہوں۔ آپ اس میں میرے پاس آجائیں!"

"نوازش! میں نے کہا اور گارڈ کو آواز دی۔ گارڈ قریب آیا تو میں نے ریسور اسے دے دیا۔ گارڈ چند ساعت سنتا رہا اور پھر اس نے بہت بہتر کہہ کر فون رکھ دیا۔ پھر وہ خود ٹیکسی ڈرائیور کے پاس پہنچا اور ٹیکسی سے میرا سوٹ کیس اتارنے کے بعد اپنے پاس سے اسے کرایہ ادا کر دیا۔ "خوب، تشریف رکھیے جناب! ابھی جیپ آرہی ہے!" اس نے کہا اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد جیپ آگئی اور باوردی ڈرائیور نیچے اتر آیا۔

"مسٹر شہاب..........؟" اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

"جی۔ میں ہوں!" میں کھڑا ہو گیا۔ ڈرائیور نے سوٹ کیس جیپ میں رکھا اور پھر مجھ سے بیٹھنے کی استدعا کی۔

تیل کالونی جدید ترین مکانات سے آراستہ تھی۔ یوں تو یہ پورا علاقہ سرسبز تھا لیکن اندر سے اس حصے کو حسین ترین بنادیا گیا تھا۔ کھیل کے میدان اور رہائشی عمارتوں کی ترتیب بڑی نفاست سے کی گئی تھی۔ زیادہ تر غیر ملکی چہرے نظر آرہے تھے ان میں بے شمار حسین شکلیں بھی تھیں۔ میں یہ پرفضا مناظر دیکھتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت بنگلے کے سامنے کار روک دی گئی۔ یہ میجر یوسف کی رہائش گاہ تھی۔ رہائش گاہ کے صدر دروازے میں دو ملازمین نے میرا استقبال کیا۔ ان میں ایک درمیانہ عمر کی خاتون تھیں اور ایک نوجوان لڑکی۔ مجھے ماجد کی بات یاد آئی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ

آ گئی۔ جواب میں دونوں خواتین بھی مسکرائی تھیں۔

"عبدل! تم سوٹ کیس اندر رکھ دو۔ آؤ شہاب یہاں!" معمر عورت نے کہا اور میں نے احتراماً گردن خم کردی۔ پھر میں ان دونوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ "میجر نے ابھی تمہارے بارے میں فون کیا تھا۔ ہم ماں بیٹیاں تمہیں خوش آمدید کہتی ہیں!"

"شکریہ خاتون! میجر نے میرے بارے میں اور کیا بتایا تھا؟" میں نے ان دونوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"بس مختصراً بات کی تھی۔ کہا تھا شہاب آ رہے ہیں۔ ان کے دوست کے بیٹے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ سفر سے تھکے ہوئے ہو تو غسل وغیرہ کرو گے یا.........."

"نہیں آنٹی! میں بالکل ٹھیک ہوں؟"

"تب پھر چائے پیو گے' کافی یا کوئی ٹھنڈا مشروب؟"

"چائے پلوا دیں!" میں نے بے تکلفی سے کہا اور وہ دونوں ڈرائینگ روم میں داخل ہو گئیں۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا گیا اور چند ساعت کے بعد ایک ملازم لڑکی اندر آ گئی۔ "چائے بنا کر لاؤ رضیہ!" خاتون نے کہا لڑکی بغور مجھے دیکھنے لگی۔ "ہاں ممکن ہے تم ہم سے متعارف ہو لیکن رسماً ہی سہی' یہ میری بیٹی تبسم ہے اور مجھے تو تم آنٹی کہہ کر مخاطب کر ہی چکے ہو اس لئے میں آنٹی ہوں۔ ویسے میری بدقسمتی ہے کہ میں میجر کے تمام دوستوں سے متعارف نہیں ہوں لیکن خیر تمہیں تو جانتی ہی ہوں!"

"ممی میں ایک تجویز پیش کروں!" لڑکی اچانک بول اٹھی۔

"کوئی فضول بات ہی کہوگی!" خاتون نے مسکرا کر کہا۔

"ہائے ممی! کبھی تو میری قیمتی تجاویز پر غور کر لیا کریں۔ آپ نے تو مجھے کہیں کا نہیں رکھا!" لڑکی دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"کہئے کیا تجویز ہے آپ کی اور کس سلسلہ میں ہے؟" معمر خاتون نے کہا۔

"ممی! ہم لوگ تو اس تیل کے پیپے میں پھنس کر ساری دنیا سے کٹ چکے ہیں۔ اس سیال یتیم خانے میں کوئی مہمان تو جھانکتا ہی نہیں ہے۔ اگر غلطی سے کوئی آ پھنسے تو اسے آسانی سے نہیں چھوڑنا چاہیے!" تبسم نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"شہاب صاحب سے چالاکی سے معلوم کریں کہ یہ کتنے دن یہاں قیام کریں گے'

اگر جلدی جانے کی کہیں تو ذبح کر کے فریج میں رکھ لیں تاکہ فریزر میں خراب نہ ہو جائیں' کم از کم کسی مہمان سے ملاقات کرنے کو دل چاہے تو فریزر میں ہی جھانک لیا کریں گے!" تبسم آواز دبا کر بولی۔

"اور اس کے بعد تم چاہتی ہو کہ مہمانوں کے سامنے تمہاری عزت کی جائے!" خاتون ناخوشگوار انداز میں بولیں۔

"رہنے دیں آنٹی! اس تجویز میں بھی خلوص کی بو آتی ہے۔ ویسے مس تبسم! آپ کو مجھے ذبح کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں اس وقت تک یہاں قیام کروں گا جب تک آپ میرا سامان نکال کر باہر نہیں پھینک دیں گی!"

"خیر یہ نوبت تو کبھی نہیں آئے گی شہاب میاں! یہ حقیقت ہے کہ جب سے ہم یہاں آئے ہیں' باہر کی دنیا سے کٹ گئے ہیں۔ بس چند مقامی لوگوں سے شناسائی ہے۔ ورنہ دو ماں بیٹیاں اور ہم.........." بیگم یوسف نے کہا اور میں ان خوش اخلاق خواتین سے دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ تبسم کی فطرت میں ظرافت تھی اچھے جملے بول لیا کرتی تھی لیکن اس ظرافت میں لگاوٹ کی کوئی جھلک نہیں نظر آتی تھی اور میں خواہ مخواہ غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہوتا تھا!

کافی وقت ان لوگوں کے ساتھ گزارا اور پھر میجر یوسف آ گئے۔ صورت ہی سے میجر معلوم ہوتے تھے۔ لیکن خوش اخلاق خاندان تھا۔

"اگر تم لوگ اپنا حصہ وصول کر چکی ہو تو اب انہیں میرے حوالے کر دو"۔ انہوں نے اپنی بیگم اور بیٹی سے کہا۔

"ہائے پاپا۔ آپ ان سے تنہائی میں گفتگو کریں گے!" تبسم افسردہ لہجے میں بولی۔

"جی ہاں' آپ کو اعتراض ہے؟" میجر یوسف نے مسکرا کر کہا۔

"ہم تو سوچ رہے تھے کہ اچھے انسان ہیں۔ دس بیس روز چل جائیں گے لیکن تنہائی میں آپ ان کے سر میں چھوڑیں گے ہی کیا!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"اچھا آپ بکواس بند کریں اور ہم دونوں کے لئے کافی بھجوادیں"۔ میجر یوسف میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولے۔ اور پھر مجھے لے کر اپنے نشست کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ایک چھوٹی سی لائبریری تھی۔ باقی چیزیں سادہ سادہ سی تھیں جن سے میجر کی طبیعت کا اندازہ ہوتا تھا۔ "سب سے پہلے تو مسٹر شہاب! آپ مجھے کرنل کا خط دکھادیں تاکہ میرا

فوجی تجسس ختم ہو جائے!" میجر نے بیٹھتے ہوئے کہا اور میں نے میجر کا تعارفی خط نکال کر کرنل کے حوالے کردیا۔ کرنل نے اسے پڑھا اور تہہ کرکے جیب میں رکھ لیا۔ پھر بولے۔ "کرنل جہانگیر نے کل مجھے فون کرکے جو گفتگو کی' وہ وہ یوں تھی۔ "میجر' شہاب تیموری تو تمہارے پاس نہیں پہنچے؟" میں نے کہا نہیں تو وہ بولے"۔ دراصل میجر! میں شدید مشکلات میں پھنس گیا ہوں۔ ایسی مشکلات میں جن کی وجہ سے میرا ماضی تباہ ہو سکتا ہے۔ شہاب تیموری اگر تمہارے پاس پہنچیں تو میرے لئے ان سے تعاون کرنا۔ خواہ کتنی ہی الجھنیں پیش آئیں' ان کی مدد کرنا۔ ایک دوست کی حیثیت سے تم سے درخواست کررہا ہوں اور بڑا پرامید ہوں۔ تمہارا تجسّس شہاب دور کر دیں گے۔ میں انہیں بتا چکا ہوں کہ تم میرے قابل اعتماد دوست ہو۔ چنانچہ مسٹر شہاب! میں کرنل کے لئے سخت متفکر ہوں اور اپنی بچی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں۔ بس اس سے زیادہ اعتماد دلانے کی اور کوئی بات نہیں کر سکتا!"

"مجھے آپ کی طبیعت سے آپ کی سچائی کا ثبوت ملتا ہے میجر' دراصل کرنل کچھ خطرناک بلیک میلروں کے ہاتھوں میں پھنس گئے ہیں!"

"کرنل جہانگیر!" میجر تعجب سے بولا۔ "انوکھی بات ہے ان کی تو پوری زندگی بے داغ ہے۔ ان کی نیکی اور شرافت تو ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے!"

"بلاشبہ' لیکن بلیک میلنگ اسٹنٹ کوئی نہیں ہے۔ کرنل کو خوفزدہ کیا گیا ہے اور ان کی صاحبزادی ہما کو اغوا کرکے کرنل کو مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ کچھ سرکاری راز ان کے حوالے کردیں!"

"خدا کی پناہ! کرنل کی بیٹی ہما؟"

"جی ہاں! انہوں نے ہما کا ذہنی توازن خراب کردیا اور اس کے بعد دوسری سخت دھمکی کے طور پر انہوں نے ہما کو اغوا کرلیا!"

"لیکن کرنل نے حکام سے مدد کیوں نہیں لی؟"

"محض خوف.......... ہما کے لئے انہوں نے بڑی دھمکیاں دی ہیں!"

"بے چارا! میں ان سے ضرور ملوں گا۔ میں پوچھوں گا کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں خلوص دل سے ان کے لئے کام آنے کو تیار ہوں۔ دوستیاں کس دن کے لئے ہوتی ہیں؟"

"اگر یہ بات ہے میجر! تو کرنل کی مدد کے طور پر آپ میری مدد کریں"۔

"دل کی گہرائیوں سے تیار ہوں۔ سب کچھ داؤ پر لگادوں گا کہو کیا چاہتے ہو؟"

"میں کرنل کے لئے اس سلسلہ میں کام کر رہا ہوں اور میرے اندازے کے مطابق چند مقامی لوگوں کے علاوہ اس سلسلہ میں کچھ غیر ملکی ملوث ہیں"۔

"ہوں۔ اوہ تو تمہارا مطلب ہے.......... میرا مطلب ہے کہ تم کسی خاص نظریے کے تحت یہاں آئے ہو۔ یعنی تم ان غیرملکیوں کو یہاں تلاش کرو گے!"

"ہاں' میرا یہی ارادہ ہے!" میں نے جواب دیا۔

"دل و جان سے جس کی طرف اشارہ کرو گے اس کا شجرہ نسب کھول دوں گا۔ نہ صرف یہ بلکہ خفیہ طور پر بھی ضرورت پڑی تو تمہاری مدد کروں گا!"

"میں اس تعاون کے لئے شکرگزار ہوں"۔

"نہیں شہاب میاں! اسے میرا ذاتی معاملہ سمجھو۔ کرنل سے میرے کیا مراسم ہیں' تمہیں ان کی تفصیل نہیں معلوم.......... شوق سے یہاں کام کرو۔ میں ذاتی کوششوں سے تمہیں ہر علاقے میں داخل ہونے کا پاس جاری کردوں گا۔ تم چاہو تو تمہیں یہاں موجود اہم لوگوں سے متعارف بھی کرادوں"۔

"اوہ' نہیں میجر! میں عام انداز میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ بس آپ کو یہ تکلیف کرنی ہوگی کہ اگر میں کسی شخص کے بارے معلومات چاہوں تو اس کے بارے میں معلومات فراہم کردیں!"

"دل و جان سے!" میجر نے خلوص سے کہا۔

"ایک سوال اور میجر!"

"ضرور ۔ پوچھو!"

"کیا خان جلال کا تیل کالونی سے کوئی تعلق ہے؟"

"گہرا.......... یہاں اس کی غیرملکیوں سے بھی دوستی ہے اور مقامی لوگوں سے بھی۔ اکثر یہاں کی تقریبات میں شرکت کرتا ہے لیکن.........." میجر نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کیا یہ لوگ سرکاری طور پر خان سے دلچسپی رکھتے ہیں!"

"ہرگز نہیں۔ اس کی کوئی سرکاری حیثیت ہے ہی نہیں لیکن اثر و رسوخ بہت

ہے اور یہاں حسن پور میں اس کی بات کافی مانی جاتی ہے!"

"خود آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"جارح قسم کا انسان ہے۔ سربلندی کا خواہاں ہے' اس لئے اعلیٰ حکام سے زیادہ دوستی رکھتا ہے لیکن میں پھر یہی سوال کروں گا کہ تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"صرف ایک خیال ذہن میں ہے۔ شاید آپ کو علم ہو کہ خان جلال کرنل جہانگیر کو پسند نہیں کرتا!"

"اچھی طرح جانتا ہوں لیکن کرنل فوجی حیثیت رکھتا ہے۔ خان جلال اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے!"

"اس کے خلاف سازشیوں کی مدد تو کر سکتا ہے!" میں نے کہا اور میجر یوسف گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بولا۔ "ہاں یہ ممکن ہے!"

"چنانچہ میجر! مجھے ان لوگوں کے نام درکار ہیں جن کی خان جلال سے خاص دوستی ہو"۔

"کل تک مہلت مل سکتی ہے؟"

"یقیناً میں اس کے لئے شکر گزار ہوں"۔ میں نے کہا۔

"ایسے الفاظ ہی نہ کہو۔ اب یہ ہمارا مشترکہ معاملہ ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ کرنل جہانگیر کے لئے میں اپنی نوکری اپنا کیریئر تک داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہوں"۔

میجر یوسف نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ میں اس مخلص فوجی سے متاثر ہوا تھا۔ پھر دوسری گفتگو کرنے لگا۔ اس نے اپنے چھوٹے سے گھرانے کے بارے میں بتایا جو بیوی اور بیٹی پر مشتمل تھا۔ تبسم کے بارے میں اس نے بتایا کہ شرارت پسند ہے اور نہایت سنجیدگی سے مذاق کرتی ہے لیکن ٹھوس کردار اور اعلیٰ ظرف کی مالک ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر ہم اس کمرے سے نکل آئے۔ میجر نے بیگم کو ہدایت کی کہ مہمان کی مدارت کی جائے۔ تبسم بھی ساتھ تھی۔

"پاپا! ہم ابتدائی طبی امداد کے طور پر ان کے لئے کیا کریں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"طبی امداد؟" میجر نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں' انہوں نے ایک گھنٹے سے زیادہ تنہائی میں آپ سے گفتگو کی ہے۔ کیا انہیں طبی امداد کی ضرورت نہیں پیش آئے گی"۔

"سن لیا بیگم آپ کی صاحبزادی میرے بارے میں کیا رائے رکھتی ہیں۔ میرا خیال ہے تبسم گھر میں میری موجودگی سے سخت الجھن اور تھکن محسوس کرتی ہے۔ اس لئے کوئی انتظام کرنا ہی ہوگا!"

"آپ ہی کی لاڈلی اور سرچڑھی ہے۔ ڈانٹا کریں!" بیگم یوسف نے کہا۔

"آپ انتظام کیا کریں گے جناب پاپا صاحب! گھر چھوڑ دیں گے!" تبسم نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں فوجی ہوں۔ دشمن سے ہار نہیں مانتا بلکہ اسے مار بھگاتا ہوں۔ آپ کو اس گھر سے نکالنے کا جلد از جلد کوئی بندوبست کرنا ہوگا۔ کیوں بیگم!"

"ہاں آپ کوئی بندوبست ہی نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے وہ نذیر احمد صاحب کے لڑکے..........." بیگم نے کہا اور تبسم میرے نزدیک آگئی۔ "میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔ اب تھوڑی دیر کے بعد بے چاری ممی کو طبی امداد کی ضرورت پیش آجائے گی۔ آپ دیکھ لیں۔ آیئے ہم یہاں سے چلیں۔ آیئے..........." اس نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گئی۔ "آپ کو اپنے پاپا کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہیے!" میں نے کہا۔

"محترم! وہ مثالی باپ ہیں۔ میرا ان سے مذاق چلتا ہے۔ کیا سمجھے آپ۔ وہ کبھی میری بات کا برا نہیں مانتے!"

"خوب! اور آپ ان کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھاتی رہتی ہیں!"

"چھوڑیئے ان باتوں کو۔ آیئے میں آپ کو کالونی کی سیر کراؤں۔ سیر و تفریح سے دلچسپی ہے آپ کو؟"

"کیوں نہیں؟"

"تب ٹھیک ہے آیئے..........."

"لیکن میجر صاحب سے اجازت؟"

"واپس آکر بلااجازت جانے کی معذرت کرلیں گے۔ اب ایسی بھی سعادت مندی ضروری نہیں ہوتی کہ انسان اپنی خواہش کی گردن دبادے!" اس نے بے تکلفی سے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ میجر نے اس کے ٹھوس کردار کا تذکرہ کیا تھا۔ چنانچہ اس بے تکلفی کو میں نے کسی غلط نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ کسی قدر محتاط رہنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ

میجر سے مجھے کئی کام لینے تھے۔

تیل کالونی کے اس حصے کے بارے میں تھوڑی ہی دیر میں مجھے کافی معلومات حاصل ہو گئیں۔ خاص خاص لوگوں کی رہائش اس سمت تھی۔ دوسری طرف قدرے اعلیٰ افسروں کی رہائش گاہیں تھیں۔ دو سینماہاؤس تھے' ایک کلب تھا۔ ممنوعہ علاقہ دوسری جانب تھا۔ جہاں تیل کے چوبیس کنوؤں کی کھدائی ہو رہی تھی اور اس طرف بغیر اجازت جانا ممنوع تھا۔ میجر یوسف اس پورے علاقے کا سیکیورٹی آفیسر تھا اور کافی بڑی حیثیت کا مالک تھا۔ فوجی ہونے کی حیثیت سے وہ اصولوں کا سخت تھا اور کسی بے اصولی کو معاف کرنے کا عادی نہیں تھا۔

تبسم نے اپنی ایک دوست سے بھی تعارف کرایا۔ اس کے ہاں ہم لوگوں نے چائے پی۔ ویسے اس لڑکی نے ایک حرکت غیرفطری سی کی جس پر مجھے تعجب ہوا تھا۔ یعنی اس نے اب تک مجھ سے میرے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ نہ میری آمد کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی' نہ مجھ سے میرے حالات پوچھے تھے اور بہرحال یہ بات میرے لئے کسی قدر تعجب خیز بات تھی۔ پھر ہم واپس پلٹ آئے۔ میجر یوسف عمارت سے باہر اپنی بیگم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں کے سامنے چائے کے برتن سجے ہوئے۔ اوہ! آؤ بھئی۔ اچھے موقع پر آئے۔ ابھی ہم نے چائے شروع نہیں کی!" بیگم یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ نہیں ممی ہم لوگ چائے پی کر آئے ہیں۔ کیوں شاب آپ پئیں گے؟"

"ہاں! میں تو ایک کپ ضرور پیوں گا!" میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ہمارے اس طرح چلے جانے پر میجر یوسف اور ان کی بیگم کو کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے یہ بات بیٹی پر مکمل اعتماد کا مظہر ہو۔

رات کو گیارہ بجے تک تفریحات میں وقت گزرا۔ تبسم کی شخصیت باغ و بہار تھی اور دونوں ماں باپ اس کی پذیرائی کرتے تھے اور اس کی بے تکلفی کا برا نہیں مانتے تھے۔ اس کے بعد ہم سونے کے لئے چل پڑے۔ میں بستر پر لیٹا گزرے دن کے واقعات پر غور کرنے لگا۔ اس دوران میں نے ڈاکٹر برہان کے بارے میں بھی سوچا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ پوری ٹیم کسی ایک مسئلے میں الجھ جائے۔ ڈاکٹر برہان خود تو کسی معاملے سے دور ہی رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ٹیم کے کسی ممبر پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ کسی سلسلہ میں اگر اس کا نظریہ

مختلف ہو تو وہ اپنے طور پر کام کر سکتا تھا اور اس کے لئے اسے کسی کو جواب دہ نہیں ہونا پڑتا تھا۔ خواہ وہ کام بگڑ ہی جائے۔ اور یہ بات بڑی خوداعتمادی پیدا کرتی تھی۔ یہ احساس ہوتا تھا کہ کوئی کسی کی انگلی پکڑ کر نہیں چل رہا۔ بلکہ کوئی بھی مسئلہ ہر شخص کی انفرادی ذمہ داری ہے۔ پھر میری ذہنی رو کرنل جہانگیر کی طرف مڑ گئی۔ وہ شخص اپنی عزت بچانے کے لئے بڑی سختیاں جھیل رہا تھا حالانکہ اگر وہ پوری سچویشن حکومت کو بتادے تو خود اس کا عذاب ختم ہو سکتا ہے۔ اور وہ ان مصیبتوں سے نکل سکتا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی جان پر سختیاں جھیل کر اپنے وقار کو' اپنی آن کو زندہ رکھتے ہیں اور کرنل جہانگیر ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ میں خلوص دل سے ایسے انسان کی مدد کرنے کا خواہاں تھا۔ رات کو نہ جانے کب تک میں ان خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر نیند آگئی۔

دوسری صبح بے حد خوش گوار تھی۔ آسمان ابر آلود تھا اور بادلوں کی سیاہی کے نیچے خوشبوؤں سے بھری ہوائیں تیر رہی تھیں۔ موسم کے پیش نگاہ ناشتے کا انتظام برآمدے میں کیا گیا تھا۔ تبسم اپنے دلنواز تبسم کے ساتھ موسم کے لباس میں ملبوس موجود تھی اور چھوٹے چھوٹے چٹکلے چھوڑ رہی تھی۔ پھر میجر یوسف نے اجازت طلب کی اور اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ گھر میں ہم تینوں رہ گئے تھے۔ میں نے تھوڑی دیر بعد جانے کی اجازت طلب کی تو تبسم بھی تیار ہو گئی۔ "اس بے تکے مقام پر آپ کہاں سیر کریں گے مسٹر شاب! چند لمحات میں بور ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں بھی چلتی ہوں"۔

"کیا حرج ہے؟" میں نے کہا۔ میں نے بہتر سمجھا تھا کہ باہر مجھے اجنبی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہم تیل کالونی کی سڑکیں ناپ رہے تھے۔ میں نے تبسم سے غیرملکیوں کے بارے میں پوچھا۔ "کئی ملکوں کی کمپنیاں کام کر رہی ہیں اس لئے مختلف ممالک کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ ارے ہاں آئیے میں آپ کو ایک دلچسپ شخصیت سے ملواؤں!" تبسم اچانک ہنس پڑی۔

"خوب! کون ہے وہ جس کے بارے میں آپ سوچ کر ہنس پڑیں؟"

"ملیں گے تو پتہ چلے گا!"

"پہلے سے کچھ نہیں معلوم ہوگا؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"لطف کرکرا ہو جائیگا!" تبسم نے کہا اور ایک طرف مڑ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک خوبصورت سے بنگلے کے سامنے کھڑے تھے۔ تبسم نے بیل بجائی اور انتظار کرنے

لگی۔ چند ساعت کے بعد کسی نے دروازہ کھولا۔ اور مجھے ایک دبلا پتلا سفید فام بوڑھا نظر آیا۔ ضرورت سے زیادہ دبلا تھا۔ منہ میں بہت موٹا سگار دبا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر رم لیس لینس لگا ہوا تھا۔ معمولی سی بشرٹ اور پینٹ پہنے ہوا تھا۔

"فرمایئے!" اس نے امریکن گوالوں کے انداز میں سگار کو منہ میں گھماتے ہوئے پوچھا۔ ابھی تک اس نے صرف مجھے دیکھا تھا' لیکن دوسرے لمحے اس کی نگاہ تبسم پر پڑگئی اور سگار اس کے منہ سے نکل کر نیچے گر پڑا۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔ "اوہ.......... مس.......... مس تشریف لایئے.......... آپ بھی تشریف لایئے مسٹر.........." اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کسی گرگٹ ہی کی طرح رنگ بدل لیا تھا اس نے حالانکہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اس کا لہجہ حددرجہ خشک تھا لیکن تبسم کو دیکھتے ہوئے وہ دنیا کا خوش اخلاق ترین انسان بن گیا تھا۔

"شکریہ ڈاکٹرٹی ٹی کیسے ہیں آپ؟"

"عمدہ!" وہ ایک پاؤں پر گھوم کر واپس چل پڑا۔ اس کا انداز تھرکنے کا سا تھا۔ وہ ہمیں لے کر ڈرائینگ روم میں پہنچ گیا اور پھر ہم دونوں کو بیٹھنے کی پیش کش کی اور بولا۔ "صرف چند لمحات کی اجازت.........." اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر دروازے سے باہر نکل گیا۔

"یہ کیا چیز ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک غیر ملکی کمپنی کا ڈاکٹر.......... ڈاکٹرٹی ٹی..........!"

"عجیب نام ہے؟"

"اور خود..........؟" تبسم ہنس کر بولی۔

"خود بھی نایاب شے معلوم ہوتا ہے!"

"ابھی کیا دیکھا ہے آپ نے دیکھتے رہیے!" تبسم نے کہا۔ ڈاکٹر بمشکل ایک منٹ میں واپس آگیا۔ لیکن حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ بہترین سوٹ میں ملبوس تھا۔ سر پر نفاست سے ہیٹ جما ہوا تھا۔ گلے میں قیمتی زنجیر نظر آرہی تھی اور تو اور سگار کی جگہ اب پائپ نے لے لی تھی۔ غالباً" وہ اسی ٹیپ ٹاپ کے لئے گیا تھا۔ حالانکہ اس کی کوئی تک نہیں تھی۔ بہرحال اس کی فطرت کا تھوڑا بہت اندازہ ہوچکا تھا۔ "آپ لوگ کیا پینا پسند کریں گے۔ جن وہسکی یا کچھ اور.........." اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"شکریہ ڈاکٹر! اس وقت کچھ نہیں!"

"اوہ' کیوں؟ تکلف نہ کریں!"

"یقین کریں بالکل تکلف نہیں کررہی۔ پھر کبھی سہی!" تبسم نے کہا۔

"وعدہ کریں آئیں گی؟"

"سوفیصدی!"

"ٹھیک ہے۔ ویسے میں نے آپ کو پہلے بھی دیکھا ہے لیکن یہ یاد نہیں کہاں دیکھا ہے۔ ویسے میں اکثر خواب دیکھتا ہوں۔ نہ جانے کیوں؟ شاید اس لئے کہ بچپن سے شدید محرومیوں کا شکار رہا ہوں۔ آہ! یہ محرومیاں بھی انسان کی شخصیت پر کتنا اثر انداز ہوتی ہیں!" اس کا لہجہ غمزدہ ہوگیا۔

"میں نیشی کی دوست ہوں۔ دو تین بار اس کے ساتھ آپ سے ملاقات ہوچکی ہے!"

"اوہ نیشی۔ وہ معصوم لڑکی جو دوسری بے شمار لڑکیوں کی مانند مجھ پر جان دیتی ہے۔ کاش میں اسے بتاسکتا کہ میرا آئیڈیل کچھ اور ہے۔ میں اسے اپنے دل میں کوئی بہتر مقام نہیں دے سکتا۔ میں تو منتشر ہوں۔ بکھرا ہوا۔ نہ جانے کہاں کہاں!"

"آپ کی نیشی سے کب سے ملاقات نہیں ہوئی؟" تبسم نے پوچھا۔

"میں خود اس سے کتراتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لئے دیوانی ہوجائے۔ کیا حاصل ہوگا اسے میری ٹوٹی ہوئی ذات سے"۔ اس وقت باہر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کسی نے دروازہ کھول کر جھانکا اور ڈاکٹر کی زبان یکلخت بند ہوگئی۔ پھر وہ جلدی سے کھڑا ہوگیا"۔ اوہ نیشی.......... تم..........؟"

"آہ۔ تبسم! تم یہاں کیسے آگئیں؟" ایک خوبصورت سی لڑکی تبسم کی طرف بڑھی اور اس سے بغل گیر ہوگئی۔ بس تمہاری تلاش میں آنکلی تھی!"

"بڑی خوشی ہوئی۔ یہ کون صاحب ہیں؟"

"میرے کزن! مہمان آئے ہیں!"

"ہیلو!" نیشی نے گردن خم کی اور میں نے بھی خوش اخلاقی سے اسے جواب دیا لیکن ڈاکٹرٹی ٹی کسی قدر بے چین نظر آرہا تھا۔

"نیشی ڈارلنگ! تم اچانک ہی آگئیں۔ ارے ہاں مجھے تم سے ایک ضروری بات

رہی تھی۔ ذرا اس کمرے میں آؤ"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں ڈاکٹر! آپ اپنے دوست سے گفتگو کریں۔ میں تبسم کے ساتھ دوسرے کمرے میں ہوں"۔ نیشی نے کہا اور ڈاکٹر کسی قدر مطمئن ہوگیا۔ "ٹھیک ہے جاؤ ہم لوگ گفتگو کررہے ہیں!" اس نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ تبسم مجھ سے معذرت کرکے اٹھ گئی۔ ساتھ ہی وہ مسکرائی بھی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ میں ڈاکٹر سے لطف اندوز ہوں۔ مجھے بھی یہ ڈاکٹر ٹی ٹی بہت پسند آیا تھا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "آپ سے مل کر دلی مسرت ہوئی ہے ڈاکٹر!! بلاشبہ ایسے پرکشش لوگ کم ہی نگاہ سے گزرتے ہیں۔ آپ تو لڑکیوں سے تنگ آگئے ہوں گے!" میں نے کہا اور ڈاکٹر کا چہرہ فرط مسرت سے سرخ ہوگیا۔

"تو اور کیا۔ جان عذاب میں رہتی ہے۔ ایک دو ہوں تو صبر بھی کیا جائے۔ لیکن برستی ہیں برستی ہیں یہ لڑکیاں مجھ پر!"

"قصور ان کا بھی تو نہیں ڈاکٹر!" میں نے کہا اور ڈاکٹر کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ "پھر کس کا قصور ہے؟"

"آپ کی حسین شخصیت کا! وہ تو لڑکیاں ہیں میں خود آپ کو دیکھ کر حیران ہوں۔ آپ کے پاس سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا!"

"خوش اخلاق انسان ہو۔ کیا نام ہے؟"

"شہاب!"

"بڑی مسرت ہوئی تم سے مل کر! میں ٹی ٹی ہوں۔ نام تو میرا ایڈرک ٹیٹ ہے لیکن یہ لڑکیاں پیار سے مجھے ٹی ٹی کہتی ہیں!"

"یقیناً کہتی ہوں گی۔ بڑے خوش نصیب ہیں آپ ڈاکٹر!" میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تو فکر کیوں کرتے ہو۔ تمہیں بھی خوش قسمت بنا سکتا ہوں"۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"اوہ۔ وہ کس طرح ڈاکٹر؟"

"یہ لڑکی۔ کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

"کسے نیشی کو؟" میں نے شرارتاً پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ اس کا نام مت لیں۔ میں تمہاری والی کی بات کررہا ہوں۔ اپنی

اپنی۔ صرف اپنی اپنی اور وہ بھی تمہارے ساتھ رعایت ہے ورنہ!"

"اوہ' سوری ڈاکٹر! شاید آپ تبسم کی بات کررہے ہیں!"

"ہاں' کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

"نہیں ڈاکٹر! وہ بھی کوئی لڑکی ہے۔ ہونہہ۔ نہ صورت نہ شکل نہ بدن!" میں نے منہ ٹیڑھا کرکے کہا اور ڈاکٹر ہنس پڑا۔

"تب تم اس کے لئے جذباتی بھی نہیں ہوگے؟"

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے؟" میں نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"مجھے پسند آئی ہے۔ میں ٹرائی کروں گا اور ہاں۔ آج شام کو کچھ مصروف ہو؟"

"بالکل نہیں!"

"آٹھ بجے میرے پاس آجانا۔ کلب چلیں گے۔ وہاں تم جس طرف اشارہ کروگے۔ کیا سمجھے؟" ڈاکٹر ہنس پڑا۔

"اوہ' ونڈر فل ڈاکٹر! بلاشبہ آپ حیرت انگیز ہیں؟"

"ارے ابھی کیا دیکھا ہے۔ رات کو تمہیں کھیل دکھاؤں گا لیکن وقت پر پہنچ جانا۔ مجھے انتظار سے سخت نفرت ہے!"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے ڈاکٹر! آپ کے پاس سے جانے کو کس کا دل چاہتا ہے۔ بہرحال میں ٹھیک آٹھ بجے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں گا!" میں نے کہا۔

"سنو! برا نہ مانو تو اب واپس چلے جاؤ۔ میں ذرا اپنی اس محبوبہ سے عشق کروں گا۔ اس بے تکلفی کو محسوس نہ کرنا!"

"ارے نہیں ڈاکٹر! ہم چند لمحات میں ہی گہرے دوست بن گئے ہیں۔ ایک دوسرے سے تعاون تو ضروری ہے!" میں نے مسکرا کر آنکھ دبائی اور ڈاکٹر شرمائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ تب میں باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر بھی میرے ساتھ تھا۔ ہم دونوں نے لڑکیوں کو تلاش کیا۔ وہ دونوں اطمینان سے گپیں لڑا رہی تھیں۔ میں نے تبسم سے چلنے کی فرمائش کی تو نیشی بول پڑی 'اتنی جلدی' کیا آپ لوگ ایک دوسرے سے اکتا گئے؟"

"ڈاکٹر ٹی ٹی سے کوئی بے وقوف ہی اکتائے گا لیکن اب ہمیں اجازت ہی دے دیں تو بہتر ہے مس نیشی!"

"ہاں نیشی! پھر ملاقات ہوگی"۔ تبسم بھی کھڑی ہوگئی۔ پھر وہ دونوں ہمیں

دروازے تک چھوڑنے آئے۔ راستے میں تبسم نے مجھ سے کہا۔ "واقعی کچھ حماقت ہوگئی۔ میں نے بھی اس وقت خیال نہیں کیا اور نیشی کے ساتھ چلی آئی لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا!"

"اوہ اس میں حرج کیا ہے تبسم!"

"بور نہیں ہوئے؟"

"کوئی خاص نہیں!"

"کیا گفتگو ہوتی رہی آپ دونوں کے درمیان؟"

"بس وہ زیادہ تر اپنے رومانس کی داستانیں سناتا رہا؟"

"بعض بوڑھے اس طرح بھی بگڑ جاتے ہیں۔ کیا وہ عمر کی اس منزل میں ہے کہ ایسی باتیں کرے؟"

"میرا خیال ہے اس میں مکمل قصور اس کا بھی نہیں ہے!"

"کیوں؟"

"آپ کی دوست نیشی! وہ وہاں کیوں جاتی ہے؟"

"نیشی اس سلسلہ میں سخت پریشان ہے۔ وہ اچھے خاصے خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور عمدہ حیثیت کی مالک ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ وہ کسی ذہنی مرض کا شکار ہے!"

"کیسا مرض؟"

"ایک انجانی کیفیت اسے ڈاکٹر ٹی کے پاس لے آتی ہے۔ اگر وہ اس کیفیت سے بغاوت کرتی ہے تو اس پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ کسی طرح خود کو نہیں روک پاتی۔ لیکن ڈاکٹر کے قرب سے اسے بڑی کراہت ہوتی ہے!"

"یہ بات تمہیں نیشی نے بتائی ہوگی!"

"کئی بار کہہ چکی ہے!"

"خیر یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے۔ یوں بھی غیر ملکی لڑکیاں عمر رسیدہ لوگوں کو نوجوانوں پر ترجیح دیتی ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے دلچسپ آدمی ہے!"

"واقعی؟" تبسم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں حقیقت ہے!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر آپ سیر ہو کر کیوں اٹھ گئے؟"

"اس نے درخواست کی تھی!"

"کیا مطلب؟"

"جی! اس نے کہا تھا کہ وہ اب اپنی محبوبہ سے باتیں کرنا چاہتا ہے اس لئے ہم شریف لوگوں کی طرح اسے موقع دیں!" میں نے کہا اور تبسم ایک دم خاموش ہوگئی۔ بلاشبہ وہ فارورڈ لڑکی تھی لیکن اب اس حد تک بھی نہیں۔

میجر یوسف کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا۔ تقریباً چھ بجے انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دی اور پھر دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ "میں نے آج کرنل سے فون پر بات کی تھی اور اپنے بھتیجے کا حوالہ دیا تھا جو میرے پاس مہمان آیا ہوا ہے یعنی شہاب تیموری!"

"اوہ خوب!" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"انہوں نے کہا کہ شہاب نے موسم کے حالات بتائے ہوں گے۔ موسم بے حد خراب ہے بہتر ہے کہ شہاب کی حفاظت کی جائے اور اس کی پوری دلجوئی کی جائے"۔

"طبیعت کیسی ہے کرنل کی؟"

"کافی خراب ہے۔ بہرحال شہاب! میں کرنل کے لئے دل میں بیحد ہمدردی رکھتا ہوں۔ براہ کرم تم اپنی کاوشیں تیز کردو۔ میں نے تمہاری ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے"۔

"وہ کیا؟"

"تم نے ان لوگوں کی فہرست مانگی تھی نا............!"

"جی!"

"خان جلال اس شہر کا سربرآوردہ ہونے کی حیثیت سے یوں تو کافی شہرت رکھتا ہے اور سب اس سے واقف ہیں اور اسے ایک اچھا دوست گردانتے ہیں لیکن چند لوگوں سے اس کے خصوصی تعلقات ہیں جن میں مسٹر ٹریوٹ ڈونالڈ جو ایک پرائیویٹ کمپنی کے مالک ہیں۔ مسٹر ڈریک نوبل جو ایک کمپنی کا چیف انجینئر ہے۔ مسٹر کرٹ لیکسن مسٹر البرٹ پیکو اور ایسے ہی چند دوسرے۔ ان لوگوں کی رہائش گاہوں کے پتے کھنگھلو!" میجر یوسف نے بڑی تفصیل سے مجھے ان کی رہائش گاہوں کے پتے سمجھائے اور پھر بولے۔ "اب

مجھے میری دوسری ڈیوٹی بتاؤ!"

"فی الوقت میں ان لوگوں کو چیک کروں گا۔ ہاں میجر! کیا وہاں آپ کے اپنے کچھ لوگ موجود ہیں۔ میرا مطلب ہے، ایسے لوگ جن پر آپ پورا اعتماد کرتے ہوں اور جو کسی بھی مسئلے پر آنکھیں بند کرکے ہمارا ساتھ دے سکیں!"

"مل جائیں گے ایسے لوگ۔ ظاہر ہے کہ میرا تعلق سیکیورٹی سے ہے اور میرے پاس ہر قسم کے لوگ ہیں لیکن ابھی تک کوئی خاص مرحلہ نہیں آیا۔ انہیں کسی دوسرے انداز میں تیار کرنا پڑے گا۔ ویسے اندازاً کتنے لوگوں کی ضرورت پیش آئے گی!"

"فی الوقت صرف دو تین۔ وہ بھی اگر ممکن ہوسکے تو۔ خاص ضرورت پر میں اپنے ساتھیوں سے مدد طلب کرسکتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے۔ ان کے بارے میں، میں تمہیں کل جواب دوں گا ویسے اگر برا نہ محسوس کرو شہاب تو ایک سوال کرنا چاہتا ہوں"۔

"ضرور۔ فرمائیے؟"

"کیا تمہارا تعلق کسی سرکاری ادارے سے ہے۔ میرا مطلب ہے کہ..........."

"میں سمجھ رہا ہوں لیکن میجر یوسف! آپ جیسے مخلص انسان سے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہے خواہ کسی کے لئے پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ۔ میں سرکاری حیثیت نہیں رکھتا بلکہ پرائیویٹ طور پر کرنل کے لئے کام کر رہا ہوں۔ میں اور میرے ساتھی ایک ادارے کے تحت مناسب معاوضہ لے کر لوگوں کی مدد کرتے ہیں!"

"پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ؟" میجر تعجب سے بولا۔

"ہاں! درست الفاظ یہی ہیں لیکن مقامی قانون کو مدنگاہ رکھتے ہوئے ہم اسے یہ نام نہیں دے سکتے!"

"خوب! لیکن اس سلسلے میں آپ لوگوں کے اخلاقی ضوابط بھی ہوں گے!"

"بلاشبہ ہم ایسے کام نہیں کرتے جو قانون کے منافی ہوں۔ قانون شکنوں کی امداد نہیں کرتے۔ ہاں وہ لوگ جو کسی وجہ سے ذاتی معاملات میں قانون کی مدافعت نہ چاہتے ہوں، ہماری خدمات حاصل کرسکتے ہیں لیکن وہی شرط برقرار رہتی ہے!"

"تعجب ہے! یہ ادارہ کسی اور نام سے چلتا ہوگا؟"

"نہیں کوئی دوکان نہیں سجائی ہم نے۔ اس ٹیم کے تمام لوگ صاحب حیثیت ہیں

اور اس میں کاروباری نقطہ نگاہ سے ہٹ کر بھی سوچا جاتا ہے۔ ہاں جن کے لئے ہم معاوضے پر کام کرتے ہیں ان سے معاوضہ اتنا وصول کرتے ہیں کہ ہمارا اپنا معیار برقرار رہ سکے!" میں نے جواب دیا اور میجر یوسف دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "بہرحال کرنل کے لئے میں تمہاری کاوشوں کا شکرگزار ہوں۔ اس مسئلے کے حل کے بعد میں تمہارے بارے میں مزید معلومات حاصل کروں گا۔ یہاں اور کونسی سہولتیں چاہتے ہو مجھے بتاؤ"۔

"فی الحال جو ہو رہا ہے وہی ٹھیک ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو آپ کے اس خلوص اور دلچسپی سے پھر فائدہ اٹھاؤں گا!" میں نے کہا اور میجر نے خلوص سے گردن ہلادی۔

"ٹھیک پونے آٹھ بجے میں تیار ہو کر میجر کی رہائش گاہ سے نکل آیا ڈاکٹر ٹی ٹی کے مکان تک پہنچتے ہوئے دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ ٹھیک آٹھ بجے میں نے بیل دبادی تھی۔ ڈاکٹر ٹی ٹی اپنی چھوٹی سی کار لے کر باہر نکل آیا۔ وہ بھی میرا ہی منتظر تھا۔ میرے نزدیک آکر اس نے دروازہ کھول دیا۔ آؤ بیٹھو! اور اس نے کار آگے بڑھادی۔

"ویسے جامہ زیب انسان ہو۔ اس لباس میں کافی خوبصورت اور اسمارٹ نظر آرہے ہو!"

"آپ کو دیکھ کر شرمندگی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر!" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ سے زیادہ خوش لباس میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اگر لڑکیاں آپ پر مرتی ہیں تو میں انہیں بے قصور سمجھتا ہوں!" میں نے کہا اور ڈاکٹر ہنسنے لگا۔

"ہاں مجھے بچپن سے عمدہ لباس پہننے کا شوق ہے!"

"کیا کلب بہت زیادہ دور ہے ڈاکٹر!" میں نے پوچھا۔

"نہیں اتنا بھی نہیں۔ تم نے یہ سوال کیوں کیا؟"

"آپ نے کار استعمال کیا ہے"۔

"اوہ ہاں! لباس کی آب و تاب برقرار رکھنے کے لئے آرام دہ سفر ضروری ہے اور پھر کار شخصیت کا معیار بڑھا دیتی ہے!" ڈاکٹر نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔

کلب کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ویسے تیل کالونی طویل رقبے میں پھیلی ہوئی تھی اس لئے یہاں کاریں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ کلب کے احاطے میں بہت سی کاریں کھڑی

ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر نے بھی اپنی کار انہی کاروں کی قطار میں کھڑی کردی اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔

کلب کی عمارت کافی خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ اس پوری کالونی کو ہی نہایت نفاست سے سجایا گیا تھا۔ ہم اندر داخل ہوگئے۔ ہلکی موسیقی کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ اندر کا ماحول بے حد شفاف تھا۔ ہال کے علاوہ ہال کی دوسری سمت کھلے علاقے میں بھی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور زیادہ تر لوگ اس کھلے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ گھاس پر مائیک لگے ہوئے تھے جن سے موسیقی نشر ہورہی تھی۔ ابھی فلور خالی پڑا تھا اور رقص کا پروگرام نہیں شروع ہوا تھا۔ "باہر بیٹھو گے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کا مہمان ہوں' فیصلہ میزبان کو ہی کرنا ہوگا!"

"اوہ' تب آؤ۔ باہر بیٹھیں۔ زیادہ تر لوگ اس وقت باہر ہی ہیں۔ رقص شروع ہوگا تو اندر آجائیں گے!" ڈاکٹر نے کہا اور ہم دونوں باہر ایک خوبصورت گوشے کی ایک میز پر جابیٹھے۔ ہمارے سامنے بھی ایک نیگرو جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی اور مرد دونوں سیاہ فام تھے اور کسی مشروب سے شغل کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے کرسی پر بیٹھ کر چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ میں بھی اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ حسین ترین جگہ تھی۔ ملک ملک کے لوگ موجود تھے اور بے شمار حسین عورتیں نظر آرہی تھی۔ تب ڈاکٹر کی نگاہ ایک جوڑے پر پڑی اور اس نے براسا منہ بنایا۔ "انہیں دیکھ رہے ہو؟" وہ بولا۔

"کسے ڈاکٹر؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"یہی دونوں صورت حرام۔ لڑکی کو دیکھو مسکرا رہی ہے۔ میں کہتا ہوں اسے مسکرانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس گدھے کے علاوہ اور کوئی اس مسکراہٹ سے محظوظ ہوسکتا ہے۔ خواہ مخواہ مجھے غصہ دلارہی ہے!" ڈاکٹر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

میں تعجب سے اس بے تکے انسان کو دیکھا۔ بالکل ہی کریک معلوم ہوتا تھا۔ پھر اس کی نگاہیں ایک طرف بھٹک گئیں۔ دو خوبصورت لڑکیاں ایک میز کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ انتہائی حسین لباس میں ملبوس۔ دونوں لڑکیاں بے حد پرکشش لگ رہی تھیں۔ ڈاکٹر انہیں دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ "ادھر دیکھو"۔ اس نے مجھے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں ڈاکٹر! وہی دیکھ رہا ہوں!"

"کیسی ہیں؟"

"بے حد حسین۔ انتہائی دلکش!!"

"ایک تمہاری' ایک میری!" ڈاکٹر نے بچوں کے سے انداز میں کہا اور میں نے ایک طویل سانس لی۔ یہ بوڑھا نوعمر میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ "کونسی لوگے؟" اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"جو عنایت فرمادیں ڈاکٹر!" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"ہوں!" ڈاکٹر شاید فیصلہ کرنے لگا پھر بولا۔ "وہ جو گہرا نیلا لباس پہنے ہوئے ہے میری' دوسری تمہاری! اس کے بال مجھے بہت پسند ہیں!"

"ٹھیک ہے۔ اس تحفے کا پیشگی شکریہ!!"

"اب ایسا کرتے ہیں کہ ان دونوں صورت حراموں کو یہاں سے بھگادیتے ہیں اور انہیں اس میز پر آنے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ قریب سے دیکھیں اور پھر دوستی کریں!"

"ان لوگوں کو کیسے بھگائیں گے؟"

"ابے یہ کونسی بڑی بات ہے۔ دیکھتے رہو بس ابھی جاتے ہیں یوں بن یوں"۔ ڈاکٹر ٹی نے کہا اور میں نے کرسی کی پشت سے گردن ٹکالی۔ میں اب اس مخبوط الحواس پر زیادہ حیران نہیں ہو سکتا تھا اس کی ذہنی رو لڑکیوں کے معاملے میں بھٹکی ہوئی تھی اور اس معاملے میں وہ ایک پرلے درجے کا گاؤدی انسان تھا۔ ڈاکٹر اب سیاہ فام جوڑے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک میں نے ان دونوں کو اپنی کرسیوں سے اٹھتے دیکھا۔ بظاہر ان کے اٹھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' لیکن وہ دونوں خاموشی سے اٹھ کر دور چلے گئے۔ اتنی دور کہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ تب ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور پھر ایک آنکھ دبا کر دونوں لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پر بچوں کی سی شوخی تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ صرف اتفاق نہیں ہوسکتا تھا۔ ڈاکٹر اب ان لڑکیوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور میری نگاہیں بھی ان پر جمی ہوئی تھیں۔ دونوں لڑکیاں کسی بات پر مسکرا رہی تھیں۔ لیکن آہستہ آہستہ ان کی مسکراہٹ سکڑنے لگی۔ پھر ان دونوں نے اس طرف دیکھا۔ چند لمحات دیکھتی رہیں اور پھر دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بالکل بے خیالی کے انداز میں وہ اس جانب آرہی تھیں۔ ہمارے نزدیک سے گزر کر وہ اس سیٹ پر بیٹھ گئیں جس سے سیاہ فام جوڑا اٹھ کر گیا تھا۔ میری حیرت اب عروج پر پہنچ گئی۔ یہ سب

اتفاق نہیں تھا۔ دونوں کام اسی طرح ہوئے تھے جس طرح ڈاکٹر نے کہا تھا۔ میں متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ "اب اطمینان سے انہیں دیکھو"۔

"ڈاکٹر تم............ تم............" میں نے پھنسی پھنسی آواز میں بمشکل کہا۔

"کھیل پسند نہیں آیا؟" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔

"لیکن............ لیکن یہ سب کیا ہے ڈاکٹر!............ کیا تم پراسرار قوتوں کے مالک ہو؟"

"ٹی ٹی کا کمال ہے۔ بس اس سے زیادہ ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا!"

"حیرت انگیز ڈاکٹر! میں نے تم جیسا باکمال انسان اس روئے زمین پر نہیں دیکھا۔ مجھے ان لڑکیوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ ان سے زیادہ میں تمہاری شخصیت سے متاثر ہوں"۔

"پسند تو تم بھی مجھے آئے ہو دوست! عمدہ شخصیت کے مالک، حلم جو اور حقیقت کو مان لینے والے۔ آؤ دوست بن جائیں"۔

"میں تو تمہارا مداح ہوں ڈاکٹر! یقین کرو میں تمہیں ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا! میں تمہارے حیرت انگیز کمالات کا دل سے قائل ہوں!"

"بھولنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ساری زندگی کے لئے میرے دوست بن جاؤ۔ یقین کرو لڑکیوں کے علاوہ میں نے آج تک کسی کو دوست نہیں بنایا لیکن تم مجھے بے حد پسند آئے ہو"۔

"لیکن ڈاکٹر! آپ............ میرا مطلب ہے آپ تو یہاں جب کہ میرا تیل کالونی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چند روز کے لئے مہمان آیا ہوں۔ واپس چلا جاؤں گا!"

"ابھی تو نہیں جا رہے؟"

"اگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو شاید ایک آدھ دن میں چلا جاتا لیکن آپ سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا"۔

"تو پھر مجھے بھی یہاں سے بھگا لے چلو!"

"بھگا لے چلوں؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں یار............ میں بھی بس............!" ڈاکٹر بولتے بولتے رک گیا۔ اس کے

چہرے سے ایسا اندازہ ہو رہا تھا جیسے کسی خیال سے جھنجلا گیا ہو۔ پھر اس نے ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "بس چھوڑو۔ اس وقت چھوڑو۔ پھر کبھی اس موضوع پر بات کریں گے۔ ہاں تو پھر ان مکھن کی ٹکیوں کو یہاں بلائیں؟"

"ضرور ڈاکٹر! میں نے کہا اور ڈاکٹر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب میرے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ میں نے ایسی انوکھی قوت پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ تماشہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لڑکیاں ایک بار پھر کھڑی ہو گئیں اور پھر وہ سیدھی ہماری میز کی طرف ہی آئیں۔ "اگر آپ لوگ اجازت دیں تو ہم یہاں بیٹھ جائیں؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"حسین لڑکیوں کو بیٹھنے کے لئے اجازت نہیں طلب کرنی چاہیے۔ وہ تو ماحول پر حکمران ہوتی ہیں!" بوڑھے نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"اوہ۔ آپ لوگ اتنی پرکشش شخصیت کے علاوہ پراخلاق بھی ہیں۔ دراصل ہم دونوں بور ہو رہی تھیں! نیلے لباس والی لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دونوں بیٹھ گئیں۔ "بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں!" دوسری لڑکی بولی۔

"میں ٹی ٹی ہوں اور یہ شباب!............ اور آپ دونوں؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"میرا نام کیٹی بام ہے اور یہ میری دوست روزا جانسن! نیلے لباس والی نے تعارف کرایا۔

"کیٹی ٹی ٹی!" ڈاکٹر نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ "یوں لگتا ہے جیسے ہمارے ستاروں کی پیدائش ایک ساتھ ہوئی ہے"۔

"شاید" کیٹی ہنس پڑی۔

"آپ مقامی ہیں مسٹر شباب!" دوسری لڑکی روزا نے مجھ سے پوچھا۔

"جی! میرا تعلق اسی ملک سے ہے!"

"بڑے پرکشش ہیں آپ دونوں۔ ہمیں آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی!" روزا نے کہا۔

"آپ کا قیام یہیں ہے مس روزا!"

"جی ہاں میرے ڈیڈی مسٹر جانسن اپنی کمپنی کے ساتھ یہاں تیل کی تلاش میں مصروف ہیں۔ ہماری پوری فیملی یہاں رہتی ہے!"

"خوب! واقعی آپ سے مل کر مسرت ہوئی"۔ میں نے جواب دیا۔ میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا تھا اور اس گفتگو میں خود کو الو سمجھ رہا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میرا ذہن ڈاکٹر ٹی ٹی میں الجھا ہوا تھا۔ میں اس انوکھے انسان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر بڑی محویت اور بے تکلفی سے کیٹی سے گفتگو کر رہا تھا۔ دوران گفتگو اس نے کیٹی کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں بھی پھنسالیں۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ لڑکی نے اس بات پر ناگواری یا الجھن کا اظہار نہیں کیا تھا اور بڑے دل آویز انداز میں اس سے گفتگو کر رہی تھی۔

"مقامی لوگ کسی قدر خود پرست محسوس ہوتے ہیں مجھے۔ دوسروں سے بہت کم مخاطب ہونے والے۔ کیا میرا یہ خیال درست ہے مسٹر شہاب!" روزا نے پوچھا۔

"نہیں، آپ اسے خود پرستی کی بجائے جھجک کہیں تو بہتر ہے!" میں نے جواب دیا۔

"ممکن ہے۔ لیکن یہ جھجک کیوں ہے؟"

"ہر معاشرے کے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ سوالوں کے جواب ضرور تلاش کرنے چاہئیں۔ اس سے قبل کوئی فیصلہ مناسب نہیں ہوتا!"

"ہاں یہ تو درست ہے!" لڑکی نے اعتراف کیا۔

"خود مغرب کے بارے میں بے شمار سوالات ہمارے ذہنوں میں ابھرتے ہیں ان میں سے بیشتر تشنہ ہیں۔ بہرحال چھوڑیں ان باتوں کو بس یہ خود پرستی کا الزام مناسب نہیں ہے!"

"چلئے تسلیم، معاف کردیں!" روزا نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔ ڈاکٹر کسی فضول بحث میں نہیں الجھا اور بے تکلفی کی منازل طے کرتا چلا جارہا تھا۔ پھر مائیک پر اعلان ہوا۔ "کلب کے موسیقار دعوت سرور دیتے ہیں۔ رقص گاہ آپ کی منتظر ہے۔ تشریف لائیے"۔ اور کرسیوں سے جوڑے اٹھنے لگے۔ ڈاکٹر بھی اپنی دوست کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے روزا سے درخواست کی اور وہ بھی مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم چوبی فرش پر تھے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی بڑے ماہرانہ انداز میں اپنی ہمرقص کے ساتھ ہلکورے لے رہا تھا۔ میں اس سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن میرا ذہن اس وقت بھی اس کی پراسرار قوتوں کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ یہ کس طرح ممکن ہے، یہ کونسی قوت ہے!"

رقص کا پہلا راؤنڈ ختم ہوگیا اور ہم چاروں میز پر آبیٹھے۔ ڈاکٹر کافی خوش نظر آرہا تھا۔ "کیا خیال ہے مس کیٹی! کیا منگوایا جائے؟"

"جو تم پسند کرو ٹی ٹی" کیٹی بے تکلفی سے بولی۔

"تب پھر.........." ڈاکٹر نے کہنا چاہا لیکن اسی وقت ایک ویٹر اس کے نزدیک پہنچ کر جھکا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک پلیٹ دبی ہوئی تھی جس کے درمیان سنہرے رنگ کا ایک کارڈ جگمگا رہا تھا۔ ڈاکٹر کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے ویٹر کو دیکھا اور پلیٹ سے کارڈ اٹھالیا۔ میں نے کارڈ پر کسی تحریر کی بجائے ایک گہری سرخ لائن دیکھی تھی اور بس۔ ویٹر واپس چلا گیا۔ ہم تینوں ہی ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کے انداز سے بے بسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی شدید کشمکش میں مبتلا ہو۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔ "بدبختی وقت کا تعین نہیں کرتی دوستو! میرے پروجیکٹ میں میری ضرورت ہے۔ فوری طلبی ہے اس لئے مجھے جانا ہی ہوگا"۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "سوری شہاب! یہ سب غیر متوقع ہے۔ تم ان خواتین کے ساتھ تفریح کرو۔ ہاں ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاہدہ ہے اس کا خیال رکھنا"۔

"میں بھی ان سے معذرت کئے لیتا ہوں ڈاکٹر! کیوں نہ ہم کل ان سے یہیں ملاقات کریں؟" میں نے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

"ہرگز نہیں تمہیں مغرب کی قدریں نبھانا ہوں گی پلیز!" ڈاکٹر نے استدعا کی اور میں خاموش ہوگیا۔ وہ چلا گیا اور دونوں لڑکیاں میری طرف متوجہ ہوگئیں۔

"بڑی دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں مسٹر ٹی ٹی!" کیٹی نے کہا۔

"آپ ان سے ان کی رہائش گاہ پر مل سکتی ہیں!"

"اوہ، ہاں میں یہ تو بھول ہی گئی"۔ کیٹی بولی اور پھر اس نے مجھ سے ڈاکٹر کی رہائش گاہ کا پتہ پوچھ کر نوٹ کرلیا۔ میں نے لڑکیوں کے لئے ان کی پسند کی شراب منگوائی اور وہ شغل کرنے لگیں۔ مجھے بھی شراب کی پیش کش کی گئی تھی لیکن میں اپنی اوقات جانتا تھا۔ شراب میری ازلی دشمن تھی اور اس وقت خود کو بہکنے سے باز رکھنا ضروری تھا ورنہ سارے راز کھل جاتے۔ لڑکیاں اب کسی حد تک بور ہو رہی تھیں۔ مین نے بہت جلد محسوس کرلیا اور یہ حقیقت تھی کہ اپنی ذہنی الجھنوں کی وجہ سے انہیں صحیح کمپنی نہیں دے پارہا تھا۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک نوجوان آگے بڑھا اور کیٹی کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ہیلو کیٹی! تم غالباً" تنہا ہو!" اس نے جھک کر کہا اور پھر معذرت آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ "اگر آپ کی اجازت ہو جناب تو میں..........." لیکن اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اسے مجھے دیکھا اور میں نے اسے.......... میرے ذہن میں ایک دھماکہ ہوا تھا۔ وہ ٹول تھا۔ وہی شخص جو مجھے خان جلال کی سیرگاہ میں ملا تھا اور میں نے جس کی مرمت کی تھی۔ چند لمحوں کے اندر اس کے چہرے پر کئی رنگ ابھرے لیکن چالاک آدمی نے خود کو سنبھال لیا۔ "اجازت ہے؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"ضرور۔ میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا اور کیٹی اس کے ساتھ اٹھ کر چلی گئی لیکن اب اخلاق کے ہاتھوں گدھا بننے میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ٹول مجھے پہچان چکا ہے اور ذہنی طور پر وہ بھی مطمئن نہیں ہوگا!" مسٹر شاب! روزا نے شراب کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے مجھے پکارا۔ "میں محسوس کر رہی ہوں کہ اپنے ساتھی کے چلے جانے کے بعد آپ کچھ الجھ سے گئے ہیں!"

"اوہ' نہیں مس روزا! کیا آپ دوسرے راؤنڈ میں رقص پسند کریں گی!" میں نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں' میں آپ کو پسند کرنے لگی ہوں۔ بلاشبہ آپ ایک پرکشش مرد ہیں!"

"ایک بات کا جواب دیں مس رواز!" میں نے کہا۔

"جی۔ فرمایئے!!"

"آپ لوگ ہماری طرف متوجہ کس طرح ہوگئیں؟"

"ہم..........؟" روزا نے شراب میں بھیگے ہوئے ہونٹوں کو بڑے خوبصورت انداز میں جنبش دی اور چند لمحات کے لئے کھو سی گئی۔ "بس کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ حالانکہ میں اور کیٹی اکثر یہاں تنہا آتے ہیں۔ بس ہمارے چند شناسا مل جاتے ہیں لیکن ہمیں عموماً تنہا بیٹھنا پسند ہے۔ آج نہ جانے کیوں اچانک دل میں خیال آیا کہ کسی کا ساتھ ہو اور نگاہیں آپ کی طرف اٹھ گئیں"۔

"اس سے قبل آپ دوسری میز پر بیٹھی تھیں؟"

"ایں۔ ہاں۔ وہاں سے بھی بس بے اختیار ہی اٹھ گئے تھے۔ کوئی وجہ نہیں تھی"۔ روزا نے جواب دیا۔ پھر بولی نہ جانے کیوں کچھ الجھن سی ہو رہی ہے۔ میرا خیال

ہے آج کی تفریحات ملتوی کی جائیں آپ برا تو نہ محسوس کریں گے؟"

"نہیں کوئی بات نہیں ہے!" میں نے جلدی سے کہا۔ میں تو خود یہی چاہتا تھا۔ روزا نے گلاس میں بچی ہوئی شراب حلق میں انڈیل لی اور پھر کھڑی ہوگئی۔ "معذرت خواہ ہوں۔ براہ کرم کیٹی سے بھی میری طرف سے معذرت کردیں۔ اس سے کہہ دیں کہ طبیعت اچانک گراں ہوگئی تھی"۔

"کوئی بات نہیں ہے!" میں نے خوش اخلاقی سے کہا اور روزا کلب سے باہر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گئی۔ میری نگاہیں ٹول اور کیٹی کو تلاش کر رہی تھیں۔ کیٹی مجھے ایک میز پر نظر آگئی لیکن ٹول موجود نہیں تھا۔ میں اچھل پڑا۔ صرف چند لمحات کے لئے میں روزا کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ ٹول نکل گیا۔ دوسرے لمحے میں نے ویٹر کو بلا کر بل کی رقم ادا کی اور باہر کی سمت چل پڑا۔ کلب کے لان میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ روزا کو میں نے ایک کار میں بیٹھتے دیکھا اور پھر کار ریورس ہو کر قطار سے باہر نکل گئی۔ ٹی ٹی کی کار بھی موجود نہیں تھی۔ میں پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ صورت حال کافی تشویشناک ہوگئی تھی۔ میں کلب کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر ایک کار کھڑی ہوئی تھی جو اچانک اسٹارٹ ہو کر میری طرف آئی اور ایک لمحے میں مجھے خطرے کا احساس ہوگیا۔ میں نے برق رفتاری سے چھلانگ لگائی تھی لیکن کار عین اس جگہ رک گئی جہاں میں کھڑا ہوا تھا اور پھر کسی نے گردن نکال کر کہا"۔ اندر تشریف لے آیئے جناب! آپ کا خادم ہے!" اور اس آواز کو سن کر میں اچھل پڑا۔ میں نے کار کی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ ماجد ہی تھا۔ میں سناٹے میں رہ گیا۔ سارے واقعات پاگل کر دینے والے تھے۔ پے درپے ایسے واقعات پیش آرہے تھے کہ عقل چکرا کر رہ گئی تھی۔ ماجد کو تو میں اس عمارت میں چھوڑ آیا تھا جو ڈاکٹر برہان کی تھی۔ "آؤ یار! تم کوئی نوجوان لڑکی نہیں ہو جو میں تمہیں اغوا کرلوں گا!" ماجد کی آواز ابھری اور میں گردن جھٹکتا ہوا دوسرے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر میں نے دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔

"ماجد! مجھے ایک شخص کی تلاش ہے۔ لمبا گرے کلر کے سوٹ میں ملبوس تھا اور.........."

"اور انتہائی گدھے قسم کا تھا کیوں..........؟" ماجد نے میرا جملہ پورا کردیا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"لعنت ہے اس کمبخت پر۔ ایسے لوگ پیدا ہی کیوں ہوتے ہیں۔ قسم لے لو' کراٹے کا صرف ایک ہلکا سا ہاتھ مارا تھا لیکن دوران خون ہی ختم ہوگیا"۔ ماجد نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"کہاں کی ہانک رہے ہو ماجد! میری سمجھ میں تمہاری بکواس ہی نہیں آئی"۔

"پیچھے دیکھو پیارے بھائی! اسی کی بات کر رہے تھے نا؟" ماجد نے کار میں روشنی کردی اور میں نے بے اختیار پچھلی سیٹوں کے درمیان دیکھا۔ ٹول کار میں پڑا تھا۔ اس کے دونوں کانوں سے اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ میں ششدر رہ گیا۔ "میں نے محسوس کرلیا تھا کہ یہ تمہیں دیکھ کر چونکا ہے اور پھر نکل آنے کی فکر میں لگ گیا اور میں بھانپ گیا۔ بس جب یہ لڑکی سے معذرت کرکے پہلے باتھ روم کی طرف اور وہاں کے بجائے باہر لگے ٹیلی فون بوتھ کی طرف لپکا تو میں سمجھ گیا کہ کسی کو تمہارے بارے میں اطلاع دینے جارہا ہے۔ ان حالات میں ہمیں ہر شخص سے محفوظ رہنا ہے۔ چنانچہ میں نے مناسب یہی سمجھا کہ کراٹے کے ذریعہ اسے بے ہوش کردوں لیکن بہت ہی کمزور نکلا۔ گدی کے پیچھے کی رگ پھٹ گئی اور اس نے خون منتشر کردیا"۔

"مگر تم........ تم کہاں تھے ماجد! اور تم یہاں کس طرح پہنچ گئے؟"

"چیف کی کار کی ڈکی میں بیٹھ کر!" ماجد نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا ڈاکٹر برہان بھی!!"

"آیا تو تھا۔ میرا خیال ہے کسی سے ملنے آیا تھا' واپس چلا گیا۔ لیکن مجھے یہاں چھوڑ گیا اور اب میں لاوارثوں کی طرح یہاں چھپتا پھر رہا ہوں"۔

"یہ کار........؟" میں نے پوچھا۔

"چوری کی ہے۔ یہاں کوئی اگنیشن سے چابی نہیں نکالتا!"

"لیکن اس طرح تو تم سخت خطرے میں ہوں۔ یہاں تو گنے چنے لوگ ہیں اور انہیں بہ آسانی چیک کیا جاسکتا ہے!"

"اللہ مالک ہے"۔ ماجد مسخرے پن سے بولا۔

"میں تمہارے لئے بندوبست کردوں؟"

"چیف کے احکامات کے خلاف ہو جائیگا!"

"ہوں!" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "لیکن تم میری طرف متوجہ کس طرح

ہوئے؟"

"اسی کام کے لئے لایا گیا ہوں"۔

"کب آئے تھے؟"

"کل دوپہر!" ماجد نے جواب دیا۔

"چیف اس بار بہت مستعد ہے۔ بہرحال اب اس کا کیا کرو گے؟"

"اس طرف بڑی گٹرلائن ہے۔ میرا خیال ہے اسی مقصد کے تحت بنائی گئی ہے کہ لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے کام آئے"۔ ماجد نے ایک طرف اشارہ کیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بعض اوقات آبائی پیشہ بھی کار آمد ثابت ہو ہی جاتا ہے۔ میں نے اس گٹرلائن کی طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن تمہاری نگاہ میں وہ فوراً آگئی"۔

"ہاں یہ درست ہے۔ اگر قبرستان میں کوئی قبر غلط بنی ہو تو تم فوراً نشاندہی کرو گے"۔ ماجد نے ترکی بہ ترکی کہا اور میں ہنستا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم گٹرلائن کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں ایک چھوٹا سا کیبن بھی بنا ہوا تھا جو شاید گٹرلائن کی چیکنگ کے لئے تھا وہاں اتر کر ہم نے ٹول کی لاش ٹھکانے لگائی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کام سے فارغ ہو گئے۔ ماجد نے کار سے خون وغیرہ حتی الامکان صاف کردیا تھا۔

"فی الحال اپنا قیام اس کیبن میں ہے اس لئے مجھے یہاں چھوڑ دو اور کار لے جاؤ۔ کسی مناسب جگہ چھوڑ دینا!"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔ بہرحال مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر برہان نے تمہیں واپس تمہارے ماضی میں دھکیل دیا"۔ میں نے کار اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے کہا اور ماجد ہاتھ ہلانے لگا۔ میں کار لے کر آگے بڑھ گیا۔ ویسے اس کار کو لئے پھرنا خطرناک تھا۔ کسی بھی وقت چیک کیا جاسکتا تھا۔ اس جگہ سے ایک بالکل مختلف سمت میں جاکر میں نے کافی فاصلے پر کار چھوڑدی۔ اور پیدل واپس چل پڑا۔ چلنے سے قبل میں نے حتی الامکان انگلیوں وغیرہ کے نشانات صاف کردیئے تھے۔ اس کے علاوہ میجر یوسف کے مکان تک کا فاصلہ میں نے ایسے راستوں سے طے کیا تھا جہاں کسی کے ملنے کے امکانات نہ ہوں۔ خاصی رات گئے میں مکان پر واپس پہنچا تھا۔ عمارت میں سناٹا تھا لیکن مجھے اندر داخل ہونے میں کیا دقت ہوتی ' تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی

تھی لیکن اتنی رات گزر جانے کے بعد بھی میری آنکھوں میں نیند کے آثار نہیں تھے۔ یہ چند گھنٹے بڑے ہنگامہ خیز تھے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی کی شخصیت ہی کونسی کم تھی کہ ٹول کا واقعہ بھی پیش آگیا۔

بہرحال اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ ڈاکٹر برہان اس بار بڑی مستعدی سے کام کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ اہم ترین کاموں میں بھی براہ راست ملوث نہیں ہوتا تھا۔ اس کا تو مطلب یہ تھا کہ فیضان بھی یہیں موجود ہوگا۔ اس کی اچانک گمشدگی اس بات کا پتہ دیتی تھی۔ میں نے ایک طویل سانس لی۔ ان تمام باتوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کرنل جہانگیر کا معاملہ اب اس کی ذات تک محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس چوہے سے پہاڑ ہی برآمد ہوگا اور عجیب شخصیت بوڑھے بچے ٹی ٹی کی تھی۔ اس کا جغرافیہ کیا ہے؟ جو مظاہرہ اس نے کیا تھا وہ انتہائی تعجب خیز ہے۔ اور پھر اس کی طلبی۔ وہ جانا نہیں چاہتا تھا لیکن مجبور تھا!!

اوہ.......... اچانک ایک تیر سا میرے دماغ میں پیوست ہوگیا۔ ایسی تیز ٹیس اٹھی تھی کہ میں بوکھلا کر رہ گیا۔ ایک خیال تھا۔ ایک انوکھا خیال.......... کیا ڈاکٹر ٹی ٹی کوئی ہپناٹسٹ ہوسکتا ہے۔ ان لوگوں کو اس طرح مسخر کر لینا کہ سیاہ فام میز سے اٹھ کر چلے جائیں۔ لڑکیاں اس میز پر آجائیں اور اس کے بعد وہ خود آکر ہماری دوست بن جائیں۔ کیا ان چیزوں کا رابطہ ہما اور ڈاکٹر شارق سے نہیں ہوسکتا؟ کیا بوڑھے ہی کے ذریعے میں شدید اضطراب کا شکار ہوگیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟" بوڑھا ان حالات میں ملوث ہے تو وہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں خود بھی کسی وقت اس کا شکار ہوسکتا ہوں۔ تب پھر میں نے از سرنو اس کے بارے میں سوچا۔ بوڑھے کی شخصیت کھلنڈری ہے۔ وہ سطحی ذہن کا مالک ہے۔ اگر وہ میرے بارے میں کسی شبہہ کا شکار ہوتا تو اس طرح مجھ پر قوتیں آشکارا نہ کرتا۔ کیا ڈاکٹر برہان کو ان حالات سے آگاہ کردوں؟ لیکن اس خیال کے ساتھ ہی میری اپنی شخصیت ' میری انا جاگ اٹھی۔ ڈاکٹر برہان کو کیوں آگاہ کروں؟ کیس پر میں ہی کام کر رہا ہوں۔ اپنے طور پر ہی کچھ کرنا چاہیے۔ بہت دیر تک دماغ سوزی کرنے کے بعد بالآخر میں نے ہر طرح کے خطرات مول لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اور پھر جب ذہن نے کچھ فیصلے کرلئے تو میں نے سونے کی کوشش شروع کردی اور اس میں کامیاب سا ہوگیا۔

دوسری صبح حسب معمول ناشتے کی میز آباد تھی۔ میجر یوسف بے حد خوش اخلاق

انسان تھا۔ ایسے ہی اس کے اہل خاندان۔ "بھئی شہاب میاں! میں تو تمہیں زیادہ وقت دے ہی نہیں پاتا۔ اور پھر یہاں ایسی کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔ جہاں کی تمہیں کوئی سیر کرائی جائے۔ کیسا وقت گزر رہا ہے؟"

"بہت عمدہ۔ یہاں کا ماحول برا نہیں ہے؟"

"مسٹر شہاب کو تو کچھ زیادہ ہی پسند آگیا ہے پاپا! رات کو نہ جانے کس وقت واپس آئے!" تبسم بول پڑی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ انسان خود کو کسی ماحول میں ضم کرلے تو اس کی خوبی ہے!"

"ہاں بڑی خوبیوں کے مالک ہیں شہاب صاحب!" تبسم نے معنی خیز لہجے میں کہا اور پھر خاموش ہوگئی۔ میجر یوسف تو اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے لیکن تبسم نے مجھے نہیں چھوڑا۔ "تو یہ قصہ ہے!" وہ گردن ہلا کر بولی۔

"کونسا قصہ سنا رہی ہیں آپ؟"

"ڈاکٹر ٹی ٹی کا۔ کیا واقعی یہ پرکشش شخصیت کا مالک ہے؟"

"مطلب؟"

"بس بس بننے کی کوشش نہ کریں۔ آپ ان کی باتوں میں آگئے ہیں۔ لڑکیاں اسے احمق سمجھ کر اس کے قریب آجاتی ہیں۔ اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے!"

"یہی تو اس کی خوبی ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"دنیا کی ہر نسل کی لڑکی احمق مردوں کو پسند کرتی ہے مس تبسم! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ لڑکیوں کی حماقت سے اتنی نسبت کیوں ہے؟"

"آپ بات کو ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں جناب! اگر آپ کو ڈاکٹر کی یہ صفت پسند ہے اور آپ اس کے بہتر فوائد سے واقف ہیں تو خود بھی ان جیسے بن جائیں۔ دوسروں کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے؟" تبسم نے کہا۔

"سہارے سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

"کل رات گئے آپ ڈاکٹر کے ساتھ نہیں رہے تھے؟"

"ہاں' اسی کے ساتھ تھا!"

"اور کون کون تھا آپ کے ساتھ؟"

"اس کی دوست لڑکیاں!!"

"لڑکیاں!" تبسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ان میں سے ایک آدھ آپ کی دوست بھی بن گئی ہوگی۔ نہ بنی ہوتی تو آپ اتنی رات گئے تک غائب نہ ہوتے!"

"مس تبسم! آپ مجھے غلط فہمی کا شکار کررہی ہیں!" میں نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیسی غلط فہمی؟"

"آپ کے الفاظ' آپ کا انداز یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کو میری ڈاکٹر سے دوستی پر اعتراض ہے اور یہ اعتراض صرف اس لئے ہے کہ میں نے ڈاکٹر سے لڑکیوں کے لئے دوستی کی ہے۔ گویا آپ دوسری لڑکیوں کے ساتھ میری دوستی پسند نہیں کرتیں!"

"لیکن اس میں غلط فہمی والی بات کہاں سے آگئی؟"

"آپ کا یہ جذبہ کسی اندرونی تحریک کا نتیجہ تو نہیں ہے؟" میں نے بے باکی سے کہا اور تبسم ایک لمحے کے لئے سرخ ہوگئی۔ پھر اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں نمودار ہوگئیں۔ "جس قسم کی تحریک آپ کے ذہن میں ہے' معاف کیجئے گا یہ آپ کی سطحی سوچ کا پتہ دیتی ہے۔ آپ ہمارے ہاں مہمان ہیں۔ بظاہر ایک سنجیدہ اور اچھی شخصیت کے مالک نظر آتے ہیں۔ مہمان ہونے کی حیثیت سے آپ کے لئے ہر اچھے برے قدم کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اس لئے میں نے آپ سے یہ بات کہی۔ باقی ظاہر ہے آپ مستقل تو یہاں نہیں آئے ہیں جو آپ کا دل چاہے کریں اور پھر اس معاملے کا براہ راست تعلق پاپا سے ہے' مجھ سے نہیں!" اس نے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ظاہر ہے مجھے اس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ یہ طریقہ بہتر ہی تھا کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد میں ڈاکٹر ٹی ٹی سے ملاقات کیلئے جانے والا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اول تو تبسم میجر یوسف سے میری اس قسم کی کوئی شکایت نہیں کرے گی۔ میں نے بات ہی کیا کی ہے' لیکن اگر کر بھی دی تو میں میجر یوسف کو سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں گا!

تبسم کے جانے کے بعد میں نے گہری سانس لی اور پھر اپنے کمرے میں پہنچ کر باہر

جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں خاموشی سے عمارت سے باہر نکل آیا۔

رات کے طے شدہ پروگرام کے مطابق دو راستے میرے ذہن میں تھے اور میں دونوں پر یکے بعد دیگرے عمل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک طویل فاصلہ طے کرکے میں اس علاقے کی جانب جانکلا جہاں گٹرلائن کا مین کیبن بنا ہوا تھا۔ میں یونہی آوارہ گردوں کے انداز میں گھومتا ہوا اس کیبن کی جانب نکل گیا۔ پھر میں نے جھانک کر کیبن میں دیکھا کیبن خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے قرب وجوار میں بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گویا ماجد اس وقت یہاں موجود نہیں ہے اور ضروری بھی نہیں تھا کہ وہ کاہلوں کے انداز میں یہاں ہی پڑا رہتا ہو۔ یہ بھی کوئی رہنے کی جگہ تھی۔ ویسے بھی ہم میں سے کوئی اپنے پروگرام سے اس وقت تک آگاہ نہیں کرتا تھا جب تک کہ براہ راست اس کی ضرورت پیش نہ آجائے۔ ماجد کو اگر میری ضرورت ہوگی تو وہ خود ہی مجھ سے مل لے گا۔ اس کے بعد میں اپنے محبوب ترین دوست یعنی ڈاکٹر ٹی ٹی کے مکان کی جانب چل پڑا۔ مجھے ٹی ٹی کے پاس پہنچنے میں کافی وقت لگا پھر جب میں نے اس کے مکان کی بیل بجائی تو فوراً ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔ میری گہری نگاہوں نے بھانپ لیا کہ ڈاکٹر کی نگاہوں میں............ مجھے دیکھ کر وہ چمک نہیں پیدا ہوئی ہے جو پہلے ان میں پیدا ہوتی تھی۔ تاہم وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا اور مجھے اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا۔

"مصروف تو نہیں تھے ڈاکٹر؟"

"بالکل نہیں۔ آؤ"۔

"کچھ بجھے بجھے ہو"۔ میں اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

"ہاں مدت سے سخت پریشان ہوں!"

"کیوں۔ خیریت؟"

"بس کوئی خاص بات نہیں ہے!" ڈاکٹر بولا۔ ہم دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے اور ڈاکٹر نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

تم جیسی باغ وبہار شخصیت کو سنجیدہ دیکھ کر افسوس ہوا۔ کاش ایک دوست کی حیثیت سے مجھے یہ اختیار ہوتا کہ میں تمہاری الجھن معلوم کرسکتا!"

"اتنے ہی مخلص ہو مجھ سے؟"

"ہاں ڈاکٹر! بعض شخصیتیں صدیوں کا سفر لمحوں میں طے کرلیتی ہیں۔ آپ انہی

میں سے ایک ہیں۔ میں آپ سے بے حد متاثر ہوں اور آپ کے لئے بہت کچھ کر سکتا ہوں"۔ میں نے کسی قدر جذباتی لہجہ اختیار کیا اور ڈاکٹر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "آؤ دوسرے کمرے میں بیٹھیں گے۔ یہاں کچھ گھٹن محسوس ہو رہی ہے!"

"جیسی آپ کی مرضی ڈاکٹر!" میں بھی اٹھ کھڑا ہوا لیکن ڈاکٹر کسی کمرے میں جانے کے بجائے باہر برآمدے میں نکل آیا۔ "مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں شباب!"

"ضرور ڈاکٹر!"

"مجھے اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتادو!" ڈاکٹر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور میرے بدن میں ایک لمحے کے لئے سنسنی سی دوڑ گئی۔ "مثلاً" ڈاکٹر؟"

"کیا تم سرکاری یا پرائیویٹ جاسوس ہو اور کسی خاص مقصد کے تحت کالونی میں داخل ہوئے ہو؟" اس نے سوال کیا اور میرے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ بے شمار خیالات میرے ذہن میں ابل پڑے تھے۔ میں نے جو سوچا تھا اس کی عملی شکل سامنے آرہی تھی لیکن ذرا بدلتے ہوئے انداز میں........... اور اب مجھے ڈاکٹر کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ گویا اسے میرے اوپر شبہ ہوگیا ہے اور اس سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا تھا کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے تھا جو اس کیس سے براہ راست متعلق تھے۔ بہرصورت فیصلہ کرلینا تھا کہ ٹی ٹی کو اس کی بات کا کیا جواب دیا جائے۔ اس کا سوال یقیناً کسی خاص نوعیت کا حامل تھا۔ اگر اس نے یہ سوال میری شخصیت جاننے کے لئے کیا ہے تو کم ازکم یہ بات ان لوگوں کے مفاد میں نہیں ہے جو میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ٹی ٹی سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں تمہارے سوال کا مقصد جاننا چاہتا ہوں ڈاکٹر!"

"نہیں مجھے صرف جواب دو اور جواب تمہارا میرے اوپر اعتماد ظاہر کردے گا!" ٹی ٹی نے جواب دیا۔

"ہاں ٹی ٹی! تمہارا خیال درست ہے۔ میں یہاں کچھ خاص معلومات حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں!" میں نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ٹی ٹی اگر کسی طور میرے لئے نقصان دہ ثابت ہوا تو پھر اس کی لاش بھی کسی گٹر کے حوالے کر دی جائے گی!

"خوب! اور تمہارا تعلق کرنل جہانگیر سے ہے!" اس نے سوال کیا۔

"بالکل درست!"

"ٹھیک ہے میرے دوست! اگر یہ بات ہے اور تم نے اس سلسلے میں مجھ پر اعتماد کیا ہے تو میں بھی آج زندگی میں پہلی بار ایک جرات مندانہ قدم اٹھانے کے لئے تیار ہوں!" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں نہیں سمجھا ٹی ٹی!"

"فی الوقت زیادہ نہیں سمجھا سکوں گا۔ سنو! اب سے چند لمحات کے بعد میں تمہیں ایک کمرے میں لے جاؤں گا۔ یہ کمرہ میرا اپریشن روم ہے۔ میں یہاں تم سے اس انداز میں گفتگو کروں گا جیسے میں نے تمہیں ہپناٹائز کردیا ہے اور تم سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کررہا ہوں۔ تم اس سلسلے میں نہایت معصومیت کے ساتھ اپنے بارے میں کوئی ایسی من گھڑت کہانی سناؤ گے........... تمہارا انداز کھویا کھویا سا ہونا چاہیے۔ کہانی کا انحصار تمہاری اپنی ذات پر ہے!" اس نے کہا اور میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ میری شریانوں میں خون کی روانی تھی۔ پورا بدن آگ کی طرح دہکنے لگا تھا گویا میرے اب تک کے اندازے بالکل درست تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شاید یہ ڈاکٹر میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ تھا۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ سر ہلانے لگا۔

"براہ کرم اس وقت اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کرو' میں تمہارے سارے سوالات کا جواب دے دوں گا لیکن اس وقت جس طرح میں نے کہا ہے اسی طرح کرنا اور یہ سارا معاملہ تمہاری ذہانت پر ہے کہ کس طرح تم ان لوگوں کو مطمئن کرتے ہو جو ہماری نگرانی کررہے ہیں!"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر! میں تیار ہوں"۔ میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر تیزی سے ایک کمرے کی طرف چل پڑا۔ چند ساعت کے بعد اس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور کہنے لگا۔ آئیے مسٹر شباب! یہ ہے میری اپنی نشست گاہ' عموماً میں سکون کے لمحات یہیں گزارتا ہوں!"

"ڈاکٹر تمہاری شخصیت میرے لئے بڑی حیرت انگیز ہے۔ یقین کرو میں نے زندگی میں اتنے پرکشش لوگ کم دیکھے ہیں!"

"بے وقوف بنا رہے ہو مجھے! ٹی ٹی نے جھینپے ہوئے انداز میں مسکرا کر کہا۔

"نہیں ڈاکٹر! ایسی کوئی بات نہیں ہے!"

"اچھا خیر چھوڑو۔ ہاں یہ تو بتاؤ۔ ان لڑکیوں کے ساتھ کیسا وقت گزرا؟"

"تمہارے اچانک چلے آنے کے بعد محفل اکھڑ گئی۔ کیٹی اپنے کسی دوست کے ساتھ چلی گئی۔ اور میری پارٹنر روزا اکتائی اکتائی سی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے بھی معذرت کرلی اور چلی گئی۔ میں تھوڑی دیر تنہا بور ہوتا رہا اور پھر واپس چلا گیا"۔

"بیٹھو ڈیئر شہاب! تم سے مل کر واقعی بڑی مسرت ہوئی ہے۔ کیا تمہیں میری آنکھوں سے مسرت کا احساس نہیں ہوتا۔ دیکھو ان آنکھوں میں دیکھو"۔ ڈاکٹر نے رخ بدل لیا۔ میں ایکدم خاموش ہوگیا۔ جو صورت حال ڈاکٹر نے مجھے بتادی تھی۔ اس کے بعد میں بہرحال اپنا کردار ادا کرسکتا تھا۔ "کیا محسوس کیا شہاب؟" ڈاکٹر نے سوال کیا اور میں خاموش رہا۔

"کیا تم سو رہے ہو شہاب!"

"ہاں' میں سو رہا ہوں!!"

"لیکن تمہارا شعور جاگ رہا ہے۔ ذرا اپنے ماضی پر نگاہ ڈالو' اپنے بارے میں سوچو تم کیا ہو۔ کیا تم سوچ رہے ہو؟"

"ہاں میں سوچ رہا ہوں"۔ میں نے خوابیدہ آواز میں کہا۔

"تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ یاد آگیا ہوگا!"

"ہاں مجھے سب کچھ یاد آگیا ہے!"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"شہاب تیموری!"

"میجر یوسف تمہارا کون ہے؟"

"دور کا عزیز ہے۔ میں اسے چچا کہتا ہوں!"

"تمہاری یہاں آمد کا مقصد؟"

"میرے والدین کی خواہش ہے کہ میجر یوسف کی بیٹی تبسم سے میری شادی کرادی جائے لیکن میں نے ضد کی کہ پہلے میں اسے پرکھنا اس کی عادات و خصائل سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔ اس لئے انہوں نے مجھے یہاں بھیج دیا"۔

"کیا میجر یوسف کو اس بات کا علم ہے؟"

"ہاں کسی حد تک!"

"تمہارا کاروبار کیا ہے شہاب کیا کرتے ہو"۔

"میرا باپ قالین ایکسپورٹ کرتا ہے اور اس کاروبار میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہوں بس!"

"کیا تم کسی کرنل جہانگیر سے واقف ہو؟"

"نہیں!" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر خاموش ہوگیا۔ اس کی نگاہیں۔ بار بار ایک طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں نے ان نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ ایک سرخ بلب جل رہا تھا لیکن اس آخری سوال کے جواب کے بعد بلب بجھ گیا۔ "اب تم ہوش میں آجاؤ شہاب! لیکن ہوش میں آنے کے بعد تم ان چند لمحات کو بھول جاؤ گے۔ اس گفتگو کا ایک بھی لفظ تمہیں یاد نہیں رہے گا!" ڈاکٹر نے کہا اور میں خاموش ہی رہا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے شہاب تم اس کمرے میں کچھ گھٹن محسوس کر رہے ہو؟"

"ہاں کسی حد تک۔ نہ جانے میری کیفیت کیسی ہو رہی ہے؟"

"تب آؤ۔ باہر کھلی فضاء میں بیٹھیں گے!" اس نے کہا اور ہم دونوں اس کمرے سے نکل آئے۔